۷۸۶

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

تذکرہ

ث الاغیاث امین الامت زبدۃ العارفین سراج السالکین شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت

بہاء الدین زکریا

قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز

از وجودِ او بنازد دوستاں — جنت الماویٰ شدہ ہندوستاں
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت — صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

از

مولانا نور احمد خاں فریدی

ناشر

قصر الادب جگو والہ براہ لودھراں ضلع ملتان

وز پرنٹنگ ورکس لاہور میں عبد الحمید خاں منیجر کے اہتمام

٧٨٦

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ط

تذکرہ

غوث الاغیاث امین الامت زبدۃ العارفین سراج السالکین شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی

قدس سرہ العزیز

از وجودِ او بنزدِ دوستاں — جنت الماویٰ شدہ ہندوستاں
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت — صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

از

مولانا نور احمد خاں فریدی

ناشر

قصر الادب جگووالہ براہ لودھراں ضلع ملتان

فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور میں عبد الحمید خاں منیجر کے اہتمام سے طبع ہوئی۔

قیمت بے جلد پانچ روپے — مجلد چھ روپے — خاص ایڈیشن سات روپے

انتساب

آج سے دو سال پیشتر جب حضرت غوث العلمینؒ کے ادب نواز اور دریا دل سجادہ نشین نواب مخدوم مرید حسینؒ قریشی رئیس اعظم ملتان نے مجھے حضرتؒ کی سیرت مرتب کرنے کا اشارہ کیا تو میں نے عرض کی حضور! یہ کام چار سال کے عرصہ سے پہلے کسی صورت تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا!

آپ نے تحریر فرمایا۔

"میں اس وقت اپنی زندگی کی آخری منزلوں سے گذر رہا ہوں۔ بہتر سال کے سمے اور لمحے دیکھ چکا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس سے زیادہ مجھے اس دنیا میں رہنے کی مہلت نصیب ہو۔ اب میری آنکھیں رب الارباب" کے بابِ رحمت پر لگی ہوئی ہیں۔ آپ نے اس سوانح حیات کی تکمیل کا عرصہ چار سال تحریر فرمایا ہے شاید اس وقت تو میں آگے بڑھ جاؤں گا۔ لیکن میرے خاندان کے افراد اور عزیز اسے پڑھ کر میرے مزار پر سنا دیں گے اور میری روح دعا دیتی رہے گی۔"

اس پر میں نے سلف صالحین اور حضرت غوث العلمینؒ کے ان خزانوں کو جو موتیوں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ سرعت سے سمیٹنا شروع کیا۔ الحمد للہ کہ وہ نیک آرزو آج منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہے اور میں انتہائی ادب واحترام کے ساتھ اس "صحیفۂ صدق" کو نواب صاحب قبلہ کی مشتاق نگاہوں کی نذر کرتا ہوں۔ نہ صرف اس لئے کہ یہ ان کی دیرینہ آرزوؤں کا عکسِ جمیل ہے۔ بلکہ اس لئے بھی کہ یہ آپ کے آباؤ کرام کی ایک زندہ اور پرجوش تاریخ ہے۔ جب تک ناظورۂ عالم میں خاکسار کی اس تصنیف کے چند اوراق باقی رہیں گے۔ آپ کا نام نامی بھی زندہ رہے گا۔ اور حضرت غوث العلمینؒ سے عقیدت رکھنے والی سعید روحیں دعائے خیر سے یاد کیا کریں گی۔ امید ہے کہ نواب صاحب قبلہ "درویش" کے اس "برگِ سبز" کو قبول فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

نیاز کیش
نور احمد خاں فریدی

اعلیٰ حضرت غوث العالمین قدس سرہ العزیز کے ادب نواز سجادہ نشین نواب مخدوم مرید حسین قریشی رئیس اعظم ملتان

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از حضرتِ علّام مولانا عبدالرّشید صاحب نسیم فاضل ادبیات ملتان

نظامِ عالم میں ابتدائے آفرینش سے خیر و شر کے دو سلسلے چلے آتے ہیں۔ ابنِ آدم اس پروگرام میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بعض انسان سلسلہ خیر کی کڑی بنتے ہیں اور بعض سلسلہ شر کی۔ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جنہیں مبداء فیاض نے سلسلہ خیر کے لئے چُن لیا ہے۔ پھر سلسلہ خیر کے بھی غیر متناہی مدارج ہیں۔ سب سے اعلٰی اور افضل درجہ خیر یہ ہے۔ کہ انسان اپنی زندگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نذر کر دے۔ پاک و ہند کے برصغیر میں مولانا نور احمدؒ خاں فریدی بلاشبہ تاریخ اسلام کے ان مبصّرین میں سے ہیں جن کا قلم محض سلسلہ خیر کی کڑی کے لئے وقف ہو کر رہ گیا ہے۔

مولانا شجاع آباد کے ایک گمنام گوشہ موضع جگو والہ میں پیدا ہوئے اور درسی تعلیم کی تکمیل کے بعد ملتان شہر کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ پاک سرزمین جو مہبطِ انوار الٰہی ہونے کے باعث ہر مقربِ بارگاہ اور سالک طریقت کے لئے بیتاب رہتی ہے۔ اس نے مولانا کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا اور چند سالوں کے اندر کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

سنہ ۱۹۲۸ء میں مولانا کا "نخلستان" ملتان میں ایک مضمون میرا خواب شائع ہوا۔ دنیائے صحافت میں اس کی بڑی قدر ہوئی۔ اس کے بعد مولانا نے متواتر کئی مضامین متعدد رسائل اور اخبارات کے لئے لکھے۔ مگر وہ سب کے سب علماءِ کرام اور مشائخ عظام کے حالات پر محیط تھے۔ انہی دنوں میں آپ نے ابن زبیرؓ کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جو غالباً ان کی پہلی تصنیف تھی۔ کچھ عرصہ بعد قلم کو پھر جنبش دی تو سرزمین ملتان منظرِ عام پر آگئی۔ اس میں ملتان شہر کے اولیائے کرام کے حالات جمع کئے گئے تھے۔ رنگ تبلیغی تھا۔ ادبی طبقے نے اسے بڑا پسند کیا۔ سنہ ۱۹۶۸ء میں احباب کے اصرار و تقاضا پر آپ نے نوجوان طبقہ کے لئے قلم کو پھر حرکت دی اور اس دفعہ اسلامی افسانوں کے دو مجموعے اپنے قدردانوں کی خدمت میں پیش کئے اور یہ اتنے پسند ہوئے کہ انہیں ایک ہی سال کے قلیل عرصہ میں دوبارہ سہ بارہ چھاپنا پڑا۔ ان افسانوں پر حقیقت کا رنگ اس قدر غالب تھا

کہ بعض مہذب نگاہوں کو "افسانے" کا لفظ گراں گذرا۔ اس کے باوجود کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو انہیں پڑھ کر تر نہ ہوئی ہو اور کوئی دل دل ہی نہیں کہلا سکتا جو انہیں مطالعہ کر کے پھڑک نہ اٹھے فلمی زمانے میں اسلامی حقائق کو اس رنگ میں لکھنا کہ افسانہ کی زبان بھی مات ہو جائے۔ یہ مولانا کا ایک قابل قدر اور اعجازی کارنامہ ہے۔ اب ملتان کے مقتدر رئیس نواب مخدوم مرید حسین قریشی سجادہ نشین بارگاہ غوثیہ کی خواہش پر مولانا نے تاریخ اسلام کے بطل عظیم اور مجاہد کبیر حضرت شیخ الاسلام غوث العلمین بہاؤ الملۃ والدین قدس سرہٗ کی سوانح حیات مرتب کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ حضرت غوث العلمینؒ کی ذات گرامی ہمارے لئے غیر متعارف نہیں۔ جو مقدس ہستیاں جنوبی ایشیا کے گوشہ گوشہ میں پھری ہیں۔ ان میں آپ کا نام نامی ممتاز نظر آتا ہے۔

مشرق وسطیٰ میں سات سو سال تک کوس لمن الملکی بجانے کے بعد دفعۃً مسلمانوں کے عروج و اقبال کا ستارہ نحوست میں آگیا۔ ترکستان کے سطوح مرتفع سے ایک تیرہ اور پر ہول گھٹا مغلوں کی صورت میں نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے خوارزم شاہ اور سلطنت عباسیہ کے بلند و لپست پر چھا گئی۔ اس کی بے پناہ برق سامانی نے کسی کو سنبھلنے کا موقعہ نہ دیا۔ خوارزم شاہ حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ مستعصم کی اکڑی ہوئی گردن کچل دی گئی۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ قریب تھا کہ اسلامی عظمت و اقتدار کا چراغ باطل کے اس تیز و تند طوفان کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتا کہ صوفیاء کا یہ مقدس گروہ [جس میں ہمارے غوث العلمین رح اپنے یاران بے ریا اور جان نثاروں کے ساتھ پیش پیش تھے] خدا کی تحمید و تہلیل کو سپر بنائے اور خلق محمدی کی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے مغلوں کے ہلاکت خیز لشکر اور قرامطہ کے خوفناک جتھوں سے ٹکرانے کے لئے اپنے اپنے حجروں اور خانقاہوں سے نکل پڑا۔ درندوں سے بھرے ہوئے گھنے جنگل افعی کی طرح پھنکارتے ہوئے مہیب دریا، تپتے ہوئے لق و دق صحرا بلند و بالا لنڈ منڈ پہاڑ ان کا راستہ روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ قدم قدم پر مصائب و آلام کی فلک بوس فولادی دیواریں حائل ہوئیں مگر یہ عجیب دل گردہ کے لوگ تھے کہ ناپیدا کنار دریاؤں کو دو نیم کرتے اور سر بفلک پہاڑوں کو رائی بناتے بڑھتے ہی گئے۔ ان کی طمانیت بخش اور جرأت آفریں صدا ملت اسلامیہ کے سرگردان اور ژولیدہ حال گروہوں کیلیا "بانگ درا" بن کر گونجی۔ اقوام عالم کی تقدیروں کے بدلنے اور انسان کے عروق مردہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑانے والے مسیحی نفسوں کے فولاد نے شوکت شاہی کے لوہے کو کاٹ کر رکھ دیا۔ ان کی ہیبت اور سطوت سے وہ سیلاب جو سندھ اور نیل کے کناروں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا، تھم گیا۔ وہ خوفناک گھٹا جو شدت سے دول اسلامیہ کے مطلع پر چھا رہی تھی۔

تیغِ قدرت تھی کہ منگولوں کی صورت میں آتشِ تاتار میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے نیام سے باہر نکلی تھی اسلام کی محافظ بن گئیں اور ملت اسلامیہ کے اقتدار کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھال لیا گیا۔

ع پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

الغرض مغل اور قرامطہ کو اسلام سے متعارف کرانے میں ہمارے شیخ الاسلام کا بڑا حصہ ہے آپ نے ملت اسلامیہ کی اس وقت ترجمانی فرمائی جب خیلہ واعدا نے اس پر زندگی کی ساری باتیں مسدود کر دی تھیں گو آپ کی عظمت شخصیت کے احترام کا غیر معمولی جذبہ ہر وقت ہمارے قلب و دماغ پر شدت سے طاری و ساری رہتا ہے اور پھر آپ کا کوہ وقار اور ہفت برس مقبرہ بھی اپنی عظمت و جلالت کی زندہ تفسیر بنا اہل ملتان سے خراج عقیدت وصول کر رہا ہے تاہم ایک بہت بڑی فروگذاشت جو ہمارے مورخین سے ہوتی رہی ہے وہ یہ ہے کہ کسی نے آج تک حضرت کی سوانح حیات اس طرح نہیں لکھی جس کی آپ کی ذات گرامی مستحق تھی۔ بالخصوص اردو کا دامن تو ملت اسلامیہ کے اس رجل عظیم کے تذکرے سے ایک طرح بالکل تہی ہے اور ہمیں بصد ندامت یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایسی بلند شخصیت پر اب تک کوئی جامع کتاب شائع نہیں ہو سکی۔

فریدی صاحب نے حضرت غوث العلمینؒ کا تذکرہ لکھ کر ملت اسلامیہ پر بالعموم اور اہل پاکستان پر بالخصوص بڑا احسان کیا ہے۔ یہ سیرت مردہ دلوں میں ایک نئی روح پھونکتی ہے۔ زندگی کا نیا ولولہ پیدا کرتی ہے اور پڑھنے والوں کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب دیتی ہے۔

حضرت غوث العلمینؒ کا یہ تذکرہ جمیل اس نئی ملت کے لئے درسِ حیات ہے جو پاک و ہند میں پروان چڑھ رہی ہے۔ مولانا فریدی مسلمانوں کو پھر تصوف کے اس چشمۂ حیات پر لے آئے ہیں۔ جس سے اسلامی دنیا "بعد و ہجر" اختیار کر چکی تھی۔ آپ نے اصطلاحاتِ صوفیہ خاص کر "وارداتِ عشق" اور "کشف و کرامات" سے متعلق گہری واقفیت بہم پہنچائی ہے اور پھر جہاں تک ان کا تعلق آیات قرآنی کے ساتھ تطبیق سے ہے۔ وہ بھی کافی غور و فکر اور وسیع مطالعہ کے اثرات کی حامل ہے۔

اگرچہ یہ کتاب ایک "ولی اللہ" کی سچی روح پرور ایمان افروز اور حیرت انگیز داستان ہے۔ اس کے باوجود مولانا نے اسے خشک اور منطق نہیں ہونے دیا۔ زبان اور طرزِ بیان عموماً سلیس، شگفتہ، دلکش اور ادیبانہ ہے۔ عنوان تنوع اور ندرت کے حامل ہیں۔ مثال کے طور پر چند ایک ملاحظہ ہوں :-

"قبہ ابیض"، "یا ساریۃ الجبل۔ اتبع سبیل من اناب الیّ"، جہاد کا نفیرِ عام، صبحِ سعادت"،

قران السعدین ، کاسۂ شیر ، یارانِ طریقت ، آہ بخ بخارا ! میر حسینی گنجا ، بیا بیا عراقی ! یکے از چہار یار ، بخارا کا مسافر ، وارداتِ عشق ، تصفیۂ قلب ، خضر راہ ، کیفیتِ ذکر ۔ تجلیاتِ حق ، ثمراتِ عشق ، عشق کی وادی میں ۔

نارِ نمرود کی غلط تاویل ، اسرارِ دوست فاش مکن ، آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند ، کسے جمالِ خویش بدیگرے نمے دہد ۔

آخر میں جنوبی ایشیا کے ان تمام آستانوں کی فہرست دی گئی ہے ۔ جنہیں اس بارگاہ سے روحانی نسبت کا شرف حاصل ہے ۔ "دنیائے غوثیت کے تابندہ ستارے" اس کا عنوان ہے در اصل اس میں حضرت کے یارانِ بے ریا اور لاکھوں جاں نثاروں میں سے صرف ان ہستیوں کو لیا گیا ہے ۔ جن کا ذکر تاریخ اور سیر کی کتب میں ملتا ہے ۔ جن اولیاء اللہ نے اس خانوادہ سے منسلک ہونے کے باوجود اپنی ساری زندگی گمنامی میں بسر کر دی ہے اور انہوں نے کہیں اپنے آپ کو منظرِ عام پر نہیں آنے دیا ۔ ان تک مصنّف کی رسائی کیسے ہو سکتی تھی ۔ بہرحال اتنا بھی غنیمت ہے کہ مولانا نے مشرق و مغرب کے کتب خانے چھان کر سلسلۂ سہروردیہ کے بکھرے ہوئے لولوئے شاہوار ایک لڑی میں پرو دیئے ہیں ۔ مولانا کی یہ کاوش اپنی افادیت کے سبب بے حد اہم ہے ۔ یہ ان ارواحِ صادقہ کی فہرست ہے جن کا پیکر صناعِ ازل نے عشقِ حقیقی کے خمیر سے تیار کیا تھا ۔ جو اپنے سینوں میں پارے کی طرح بے تاب رہنے والا دل رکھتے تھے ۔ یقیناً ان کا ایمان اور عشق ان کی سپر تھی اسلام کی عظمت و سربلندی کے لئے یہ ملکوتی انسان قندیلِ ایمان لے کر کبھی رزم گاہ میں بجلی بن کر کوندے اور کبھی جمالِ خداوندی کا مظہر بنے ۔ جنوبی ایشیا کے قریہ قریہ میں دعوتِ حق دیتے نظر آتے تھے جو رضائے الٰہی کے لئے طوفانوں سے الجھے ، پہاڑوں سے ٹکرائے اور ظلمات و تعینات کے پردوں کو چاک کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے ۔ جہاں تک تخیلِ انسانی کی رسائی ہو سکتی ہے ان کشتگانِ عشق کے نور بار مزاروں سے آج بھی مولانا رومی کی زبان سے یہ نغمہ پھوٹتا دکھائی دیتا ہے ؎

معدہ را بگذار سوئے دل خرام
تاکہ بے پردہ ز حق آید سلام

المختصر کتاب کا ہر ورق اسرار و معارف اور فکر و عبرت کا آئینہ دار ہے ۔ میں محرک اور مصنّف دونوں کے لئے دعائے خیر کرنا اسلامی اور اخلاقی فرض تصور کرتا ہوں ۔

خدا کرے یہ خدمت ان حضرات کے لئے نجاتِ اخروی کا ذریعہ اور ملتِ اسلامیہ کے لئے ہدایت کا موجب بنے اور قوم اس مجلد کی ورق گردانی کی بدولت گہری نیند سے جاگے اور ان

اسباب پر غور کرنے لگے۔ جنہوں نے اسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

آمین یا ربّ العٰلمین

عبدالرشید نسیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احوال و اقعی

بیا و رید گرایں جا بود زباں دانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

عروس البلاد ملتان پیروں فقیروں کا شہر ہے۔ اس کی خاک پاک میں شاہ یوسف گردیزؒ شمس سبزواریؒ اور حافظ محمد جمالؒ جیسی ہزاروں سعید روحیں حیات سرمدی کی چادر تانے محو خواب ہیں لیکن ان سب میں خصوصیت کے ساتھ ملتان کو جو تعلق حضرت غوث العلمین بہاؤالدین زکریاؒ کی ذاتِ بابرکات سے ہے۔ وہ کسی اور سے نہیں۔ دنیا میں ملتان حضرت کے مقبرہ کی وجہ سے مشہور ہے۔ اور غوث پاک کو بھی اس خطہ سے اُنس نہیں بلکہ عشق تھا چنانچہ ایک موقعہ پر جب اس شہر پر انوار اور تجلیات کا نزول ہوتا دیکھا تو فرط مسرت سے بیخود ہو کر فرمایا ؎

ملتان ما بجنت اعلیٰ برابر است
آہستہ پا بنہ کہ ملک سجدہ مے کند

یعنی ہمارا ملتان مرتبہ میں بہشت بریں کے برابر ہے
قدم آہستہ رکھئے۔ کہ فرشتے سجدہ کر رہے ہیں

کسی اور بزرگ نے "ملتان" کو "ملتانِ ما" نہیں کہا۔ یہ حضرت غوث کا ہی فیضان ہے کہ ایک غیر معروف شہر کو دنیا بھر میں ممتاز کر دیا۔ گویا ملتان "غوث" کا ہے اور حضرت "غوث ملتان" کہے۔ میں نے ۱۹۴۰ء میں جب میں نے "سرزمین ملتان" کے نام سے اس بابرکت شہر کی تاریخ مرتب کی۔ تو اس میں حضرت "غوث العلمین" کے ذکرِ جمیل کو سب پر ترجیح دی تھی۔ مگر چونکہ گنجائش بہت کم تھی۔ اس لئے تفصیل میں نہ جا سکا۔ جب کتاب طبع ہو کر بازار میں آئی۔ تو ہر طرف سے اس امر کے شکایتی مراسلے آنے شروع ہوئے۔ کہ آپ نے حضرت غوث کے حالات مرتب کرنے میں بخل سے کام کیوں لیا ہے۔ اس کا کفارہ ادا کیجئے۔ چنانچہ میں نے تہیہ کر لیا۔ کہ اگر حالات سازگار رہے۔ تو حضرت کی مفصل "سوانح حیات" ترتیب دونگا۔ گو یہ خیال ہر وقت میرے قلب و دماغ پر مستولی رہا لیکن تبادلۂ آبادی کے سبب میں اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اسی سلسلے میں میں نے جنوری ۵۲ء کے آغاز میں حضرت غوث العلمین کے ادب نواز اور دریا دل سجادہ نشین عالی جناب نواب مخدوم مرید حسین صاحب قریشی کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا۔ ممدوح نے نہ صرف تائید فرمائی۔ بلکہ اپنا تمام کتب خانہ حوالے کر دیا۔ اور تاکید کی۔ کہ بسرعت تمام "خفیفتِ منتظر" کو منظرِ عام پر لائیے تاکہ میں اپنی زندگی میں اپنے جدِ بزرگوار اعلی اللہ مقامہ کی سیرت دیکھ پڑھ سکوں۔

چنانچہ میں نے اپنے تمام مشاغل ختم کر دیئے۔ اور اپنی توجہات کو ایک ہی نقطہ پر مرکوز کر دیا میں نے مواد حاصل کرنے کے لئے پاکستان کے تمام کتب خانے چھان مارے۔ قدیمی کتب خانوں میں کئی کئی دن بسر کئے ہیں۔ ہندوستان کے ناشرین سے بصورتِ خاص کئی کتب منگوائیں حضرت کے خلفاء کے ملفوظ مطالعہ کئے۔ فرامین شاہی جو حضرت کے خانوادہ میں محفوظ چلے آتے تھے۔ کو کئی بار دیکھا اور پڑھا۔ گو یہ کام سخت کٹھن تھا۔ لیکن خداوند عالم کے فضل و کرم اور حضرت غوثؒ کے روحانی تصرف نے تمام مشکلات کو آسان کر دیا۔ اور وہ اہم کام جو شاید کئی

سالوں میں بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ چار ماہ کے قلیل عرصہ میں ختم کر لیا۔ الحمدللہ علی کرمہ و احسانہ ؎

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فقراء اور مشائخ کی جس قدر سیرتیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اکثر کا اسلوب دقیانوسی ہے۔ میں نے اپنی علمی بے مائیگی اور غیر ادبی ماحول کے باوجود اسے سلیس اور شگفتہ بنانے کی کوشش کی ہے اس میں مجھے کتنی کامیابی ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ ناظرین کرام ہی کر سکتے ہیں ع

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

جگو والہ۔ ملتان
یکم ستمبر ۵۴ء

نور احمد خاں فریدی

تصوّف

قبل اس کے کہ ہم حضرت غوث العلمین کی حیات طیبہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کریں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "تصوف" اور اس کی اصطلاحات پر طائرانہ نظر ڈال لیں۔ کیونکہ آئندہ اوراق میں قدم قدم پر ان سے سابقہ پڑیگا۔ علامہ شوکانیؒ کے نزدیک تصوفؒ کے معنی دنیا سے بے تعلق ہونے کے ہیں۔ یہاں تک کہ مٹی اور سونا اور لوگوں کی مذمت اور تعریف اسکے نزدیک برابر ہو۔ ہر وقت خدا کے ذکر میں مشغول رہے۔ اور جس عبادت سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہو اُس کو ہر وقت کرتا رہے۔ ایسا شخص سچا صوفی ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

ایسا شخص روحانی طبیبوں میں سے ہوتا ہے اور وہ باطنی امراض کا علاج کرتا ہے۔ جیسے غرور، حسد، بڑائی، ریا اور اس قسم کی دیگر شیطانی باتیں جو تمام معصیات اور گناہوں سے بڑھ کر ہیں۔ بعد ازاں جن حجابوں کے باعث حکمت کے دروازے بند تھے۔ کھُل جاتے ہیں۔ اور جب انسان ظاہری اور باطنی غفلت کے حجابوں سے صاف اور گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ تو ایسے حواس سے دیکھتا، سنتا اور سمجھتا ہے کہ اُسے حقائق اشیا کے سمجھنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہوتا ہے۔

> "کسی چیز سے میرا اتنا قرب حاصل نہیں ہوتا جس قدر ان فرائض کے ادا کرنے سے ہوتا ہے۔ جن کا میں نے حکم دیا ہے۔ اس کے بعد نوافل کا درجہ ہے، جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے

لہ التصوف ھو التزھد فی الدنیا حتی یستوی عندہٗ ذھبھا وترابھا، ثم الزھد فیما یصدر عن الناس من المدح والذم حتی یستوی عندہ مدحھم وذمھم الی اخرہٖ

میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں ہی اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں ہی اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے پس وہ میرے ذریعہ سے سنتا میرے ہی ذریعہ سے دیکھتا، میرے ہی ذریعہ سے پکڑتا اور میرے ہی ذریعہ سے چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو فوراً دیدیتا ہوں اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے۔ تو میں پناہ دیتا ہوں۔ مجھ کو کسی کام میں جسے میں کرنا چاہتا ہوں۔ ایسا تردّد نہیں ہوتا۔ جیسا اپنے بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے کیونکہ میرا مومن بندہ موت کو مکروہ سمجھتا ہے اور میں اس کے مکروہ سمجھنے کو مکروہ سمجھتا ہوں لیکن موت سے چارہ نہیں۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذریعہ سے دیکھتا، سنتا، پکڑتا اور چلتا ہے۔ اس کا مرتبہ ایسے شخص سے جو غافل ہے۔ ہر پہلو سے بڑھا ہوا ہے۔ ایسے آدمی پر حقائق اشیا کھل جاتی ہیں۔ اور آئندہ ظہور میں آنے والے اُمور منکشف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اُس سے گناہ صادر نہیں ہو سکتے۔ اور جو لوگ غفلت اور گناہوں کے حجابوں میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ نہ خدا کے ساتھ دیکھتے، نہ سنتے، نہ پکڑتے اور نہ چلتے ہیں۔ وہ "صراط المستقیم" سے بھٹک جاتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

لہ وما تقرب الی عبدی بمثل اداء ما افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده الذی یبطش بها ورجله الذی یمشی بها فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی ولئن سألنی لا عطینه ولئن استعاذنی لا عیذنه الی اخره (بخاری)

وکیف تری لیلیٰ بعین تری بھا سواھا وما طھرتھا بالمدامع

ترجمہ۔ تم لیلیٰ کو کس طرح اس آنکھ سے دیکھتے ہو۔ کہ جس سے اوروں کو بھی دیکھتے ہو۔ اور تم نے اس آنکھ کو آنسوؤں سے صاف بھی نہیں کیا۔

احبک یا لیلیٰ عین العین انما اراک بقلب خاشع لک خاضع

ترجمہ۔ اے لیلیٰ! میں تجھے اپنی آنکھ سے بھی زیادہ پیار کرتا ہوں اور میں تجھے اس آنکھ سے دیکھنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔ بلکہ میں تجھے اپنے اس دل سے دیکھنا پسند کرتا ہوں جو تیرے سامنے حاضری کرنے والا اور گڑگڑانے والا ہے۔

وتلتذ منھا بالحدیث وقد جرے حدیث سواھا فی خروق المسامع

ترجمہ۔ میرے کان لیلیٰ کی باتوں سے لذت حاصل کرتے ہیں اور اس کی باتوں کے سوا کسی اور کی باتوں سے لذت حاصل نہیں ہوتی۔ گویا اس کان سے سنتا ہوں اور اس کان سے نکال دیتا ہوں۔

مختصر یہ کہ جب قرب خداوندی حاصل ہو جاتا ہے۔ تو انسان کو "صبر و یقین" کا رتبہ مل جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے تمام جوش و خروش رفع ہو جاتا ہے۔ اور انسان سکون و اطمینان کی وادی میں داخل ہو جاتا ہے۔ ایک اور مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مومنؓ کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ خدا کے نور کی مدد سے سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔ پس اولیاء اللہ اور نیک لوگوں سے جو مکاشفات ہوتے ہیں۔ وہ سب اسی حیثیت سے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے اِنَّ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ مُحَدِّثِیْنَ وَاِنَّ مِنْھُمْ عُمَرُؓ یعنی امت محمدیہ میں محدث لوگ ہوں گے (جنہیں الہام ہوا کریگا) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہی میں سے ہیں۔ اس حدیث شریف سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں۔ انہیں الہام ہونا

ﮯ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ (رواہ ترمذی)

ہے۔ اسی نور ایمان کے باعث چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع انہیں ایسے ہو جاتی ہے جیسے کسی
نے کان میں کہہ دیا ہو۔

یا ساریۃ الجبل ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے
دفعۃً آپ نے زور سے پکار کر کہا یا ساریۃ الجبل تین بار اونچی زبان سے کہا انہ مجنون
حضرت علیؓ نے کہنی مار کر فرمایا اسکت ھھنا سرٌ چپ رہ۔ اس میں راز ہے۔ چنانچہ ایک عرصہ
کے بعد محاذ جنگ سے آنے والوں نے بتایا کہ فلاں تاریخ کو جب ہم مدینہ سے ایک ہزار میل
کے فاصلے پر کفار سے معرکہ آرا تھے۔ دفعۃً مدینہ کی طرف سے ندا آئی "یا ساریۃ الجبل"۔ اس پر
ہم نے فوراً پہاڑ کی اوٹ لے لی۔ خوب جم کر مقابلہ کیا۔ اور دشمن کو شکست دے کر بھگا دیا۔ بعد
میں معلوم ہوا۔ کہ دشمن کا ایک دستہ پہاڑ کی طرف سے چکر کاٹ کر ہم پر عقبی جانب سے حملہ
کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس آواز نے ہمیں وقت پر نہ صرف اس خطرے سے آگاہ کیا۔ بلکہ بچاؤ
کا طریقہ بھی بتا دیا۔

مسلمان ہو جا حضرت جنیدؒ کو مرشد طریقت نے حکم دیا۔ کہ صبح کی نماز کے بعد جامع مسجد
میں وعظ کرو۔ حضرت جنیدؒ نے عرض کی۔ "نہ میری تقریر صاف ہے نہ میں فصاحت سے کچھ بیان
کر سکتا ہوں۔ اور نہ ہی میں اپنے آپ کو اس کے قابل سمجھتا ہوں" انہوں نے فرمایا یہ کوئی عذر
نہیں ہے" یہ گفتگو ان بزرگوں کے درمیان رات کے وقت ہوئی تھی۔ اور کوئی ان کے پاس
نہ تھا۔ اور نہ ہی ان دونو میں سے کوئی بزرگوار حجرہ سے باہر تشریف لائے تھے۔ لیکن اسی رات
شہر بھر میں مشہور ہو گیا۔ کہ حضرت جنیدؒ صبح کو مسجد جامع میں وعظ فرمائینگے۔ اور انہیں پیر و مرشد نے
وعظ کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ حضرت جنیدؒ ابھی مسجد میں گئے بھی نہ تھے۔ کہ مسجد شہر کے
لوگوں سے بھر گئی۔ اور جو لوگ کبھی نماز پڑھنے کو نہیں آتے تھے وہ بھی آ گئے۔ باوجود اس کے کہ
حضرت جنیدؒ ابھی شیخ کے مرتبہ پر بھی نہیں پہنچے تھے۔ اور طریقت کی تعلیم کے حصول میں مشغول تھے

دراصل یہ اسرار الٰہی ہیں جو اپنا عمل کرتے رہتے ہیں۔ اور نیک کام پوشیدہ نہیں رہتے۔ الغرض جب نماز ہو چکی۔ اور حضرت جنیدؒ وعظ کہنے کے لئے تیار ہوئے۔ تو ایک شخص مجمع میں سے نکلا۔ ان کے قریب آکر بولا۔ یا شیخ! اس حدیث کے کیا معنی ہیں۔ اتقوا فراسة المومن فانهٗ ینظر بنور اللہ حضرت جنیدؒ نے تھوڑی دیر گردن جھکائی۔ اس کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا۔

"اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ "مسلمان ہو جا۔" اب تمہارے اسلام قبول کرنے کا وقت آچکا ہے۔" یہ سن کر وہ شخص آپ کے سامنے آبیٹھا۔ اور کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد مسلمان ہوگیا۔ اس نے بتایا۔ کہ میں اس شہر کے نصاریٰ میں سے ہوں۔ جب میں نے یہ چرچا سُنا۔ کہ حضرت جنیدؒ صبح کو وعظ فرمائیں گے۔ تو میرے دل میں خود بخود اسلام کی طرف میلان ہوا۔ اور میں نے اس مجمع میں حاضری کا پورا ارادہ کر لیا۔ پھر میں نے اسلامی لباس پہنا۔ اور اپنے جی میں کہا۔ کہ اگر حضرت جنیدؒ نے مجھے پہچان لیا۔ اور میرا حال بتا دیا تو میں مسلمان ہو جاؤنگا چنانچہ آپ نے واقعی مجھے پہچان لیا اور اب میں مسلمان ہوں۔"

ہمیں حضرت جنیدؒ کے باطنی ادراک کی قوت پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ انہوں نے کس طرح ایک عیسائی کا حال دریافت کر لیا۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ

ایسے خاصانِ خدا اس عالم کی زینت ہوتے ہیں چونکہ ان کی باتیں تریاق ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کے اشارے دلوں کی سختی کو دُور کر دیتے ہیں۔ ان کی تعلیم نیک بختی کی کیمیا ہے۔ ان کے ارشادات سے ایسی بزرگی حاصل ہوتی ہے کہ اس کی مثال نہیں ہو سکتی۔ اور نہ وہ منقطع ہونے والی ہے۔ اس لئے قلبی بصیرت اور اصلاح نفس کے لئے اس قوم کی صحبت سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ بقول مولانا رومؒ ؎

نجیب۔نقیب۔ابدال۔اوتاد وغیرہ کو اس غوث کی خدمت و اطاعت کا ارشاد ہوتا ہے۔ ان
کا عزل و نصب، ترقی اور تنزل محض اس کے تصرف میں ہوتا ہے۔ غوثِ زماں ان کی تعلیم
و ارشاد میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اور یہ سب موخرالذکر بزرگوار اسی سے شریعت، طریقت اور
حقیقت کا علم حاصل کرتے ہیں۔ اسی غوث کی وجہ سے تمام برکات اور رحمتوں کا نزول ہوتا
ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے۔ کہ نظامِ کائنات اسی غوث کے دم قدم سے قائم ہے۔

غوث اپنے زمانہ میں صرف ایک ہوتا ہے۔ اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ غوث
کو قطب الاقطاب اور غوث الثقلین اور قطب مدار کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے جب غوث
غوثیت کے درجہ سے ترقی کر کے مقام "حقیقت فردانیہ" میں پہنچ جاتا ہے۔ تو اسے غوث الاعظم
کہا جاتا ہے۔ اور وہ عبداللہ یعنی اللہ کا خاص بندہ کہلاتا ہے۔ اس سے ترقی یاب ہو کر
عبدہٗ کہلاتا ہے جب اس سے ترقی یاب ہوا۔ تو پھر اُسے کسی قسم کا غم و فکر دامنگیر نہیں ہوتا۔
لیکن چھوٹے چھوٹے اقطاب کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن منجملہ ان کے بارہ قطب بڑے ہیں
اسی طرح ابدال کی تعداد بھی کافی ہے۔ ان میں سے چالیس ابدال منتخب کئے جاتے ہیں
جو ان میں سب سے درجہ میں بالاتر ہوتے ہیں۔ جب کسی غوث کا انتقال ہوتا ہے تو عمائد میں
سے ایک اس کا رتبہ حاصل کرتا ہے۔ پھر ذیلی مراتب میں جس کا نمبر قریب ہوتا ہے۔ وہ اس کا
مقام حاصل کرتا ہے۔ یہ ترتیب خدا کے حکم سے قیامت تک قائم رہے گی۔ یہاں تک کہ آخری
غوث امام مہدی آخرالزمان ہوں گے۔ جو نور احمدی سے منوّر اور نسب میں سیّد ہوں گے۔

صاحب توضیح المذاہب کے بیان کے بموجب مکتومان کی تعداد چار ہزار ہے۔ یہ چھپے
رہتے ہیں اور اہل تصرف نہیں ہیں لیکن ان میں سے جنہیں تصرف کی طاقت حاصل ہے۔ ان کی
تعداد تین سو (۳۰۰) ہے۔

اصل۔ وہ ہے جس کے قوئ لطیفۂ حق پر مزکی ہو چکے ہوں۔

طائر۔ وہ ہے۔ جو لطیفۂ روحی کو پہنچ چکا ہو۔
سائر۔ اُسے کہتے ہیں جس کے قوئ لطیفہ سری پر مزکی ہو چکے ہوں۔
سالک۔ وہ ہے جس کے قوئ کا لطیفۂ نفس پر تزکیہ ہو چکا ہو۔
طالب۔ وہ ہے جس کے قوئ لطیفہ خفی قلبی پر مزکی ہو چکے ہوں۔ اس جماعت کی تعداد ایام شمسی کے حساب پر ۳۶۰ ہوتی ہے۔ باقی متصوفین کی تعداد ذیل میں دی جاتی ہے۔

غوث الثقلین یا قطب مدار	قطب	عمدہ	اخیار	نجبار
۱	۱۲	۵	۷	۷۰

نقبا	ابدال	اوتاد	ابرار یا رجال الغیب
۳۰۰	۴۰	۴	۷

شرح فصوص میں نقبا اور ابرار ایک ہی منصب کے دو نام ہیں۔ والعلم عند اللہ۔

کتب فن تصوف

علمی لحاظ سے "تصوف" بڑا وسیع فن ہے۔ اور جس قدر اس میں ضخیم اور مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں۔ شاید ہی کسی اور فن میں لکھی گئی ہوں۔ چند ایک کے نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ فتوحات مکیہ — از شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ؒ
۲۔ عوارف المعارف — از شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی ؒ
۳۔ رسالہ قشیریہ — از امام ابوالقاسم قشیری ؒ
۴۔ کشف المحجوب — از مخدوم علی ہجویری ؒ
۵۔ ارشاد الطالبین — مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ غنیۃ الطالبین — از حضرت محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی ؒ

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ

شیخ ابوبکر شبلیؒ

شیخ علی رودباریؒ

شیخ ممشادؒ

شیخ احمد دیمؒ

شیخ ابوعلی کاتبؒ

شیخ احمد اسود دینوریؒ

شیخ عبداللہ خفیفؒ

شیخ ابوعثمان مغربیؒ

ابوالعباس نہاوندیؒ

شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ

شیخ ابومحمد عمویہؒ

شیخ اخی فرج زنجانیؒ

شیخ علی فارمدیؒ

شیخ ابوبکر نساجؒ

شیخ احمد غزالیؒ

شیخ وجیہ الدینؒ

شیخ عین القضات ہمدانیؒ

شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردیؒ

شیخ عمار یاسرؒ

شیخ روزبہان کبیر مصریؒ

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ اسمعیل قصری

شیخ نورالدین غزنویؒ

شیخ سعدیؒ

غوث العلمین شیخ الاسلام بہاؤالحق والدین ابو محمد زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمد یمنیؒ

شیخ ضیاء الدین رومی

شیخ نجیب الدین علی برغش

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ

فرقہ عالیہ سہروردیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ آپ حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ آپ نے تیس سال کامل عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے۔ مخدوم علی ہجویری کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن کسی نے سری سقطیؒ سے پوچھا۔ کہ کیا کسی مرید کا درجہ اپنے پیر سے بلند ہو سکتا ہے؟ فرمایا کیوں نہیں۔ میرے جنید کا درجہ مجھ سے کہیں زیادہ ہے ایک دن خلیفہ بغداد نے حضرت رویمؒ کو "بے ادب" کہہ کر خطاب کیا۔ فرمایا میں بے ادب کیسے ہو سکتا ہوں۔ میں آدھا دن حضرت جنیدؒ کی خدمت میں رہ چکا ہوں۔ اور جو بھی حضرت جنیدؒ کی صحبت میں آدھا دن گذارے وہ بے ادب نہیں رہ سکتا۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت جنیدؒ کی شہرت بوئے مشک کی طرح اطرافِ عالم میں پھیلنے لگی۔ تو حاسدوں نے خلیفہ بغداد کی خدمت میں غلط بیانیاں کر کے انہیں شہر بدر کرانے پر مجبور کیا۔ خلیفہ نے کہا۔ یہ امر بغیر شرعی حجت کے کیونکر ہو سکتا ہے۔ آخر ایک صورت سوچی۔ خلیفہ کے پاس ایک لونڈی تھی۔ نہایت خوبرو جسے تین ہزار اشرفی کے عوض خریدا گیا تھا۔ خلیفہ نے اُسے بلا کر کہا۔ کہ خوب بن سنور کر جنید کے پاس جا۔ اور اپنے آپ کو پیش کر۔ اور کہہ کہ

"میں بڑی مالدار ہوں۔ اور چاہتی ہوں۔ کہ اپنا سارا سرمایہ حضور پر سے تصدق کر کے خدمت میں پڑ رہوں۔ مجھے قبول فرمایئے۔"

غرض جس طرح بھی بن پڑے۔ مکر و فریب سے جنید کو اپنے دام میں لے آوے۔

یہ کہہ کر لونڈی کو اپنے رازدار خادم کے ہمراہ شیخ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب حضرت کی خدمت میں پہنچی۔ اپنے چہرہ سے نقاب اُلٹ دی۔ شیخ نے دیکھ کر لاحول پڑھا اور سر جھکا لیا۔ لونڈی نے خلیفہ کے سکھلائے ہوئے الفاظ دوہرانے شروع کئے۔ بلکہ کئی گنا زیادہ مکر و فریب پھیلایا۔ حضرت چپ چاپ سنتے رہے۔ جب اس نے اپنی تقریر ختم کی حضرت نے سر اُٹھا کر اپنے جلے دل سے تین بار آہ آہ کہی۔ اسی وقت لونڈی جل کر راکھ ہو گئی۔ خادم نے یہ کیفیت دیکھی۔ تو بدحواس ہو کر بھاگا۔ اور خلیفہ کی خدمت میں پہنچ کر تمام ماجرا کہہ سنایا۔ خلیفہ اُسی وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بولا :۔

"حسن و جمال کے ایسے دلفریب پیکر کو آپ نے اتنی بے دردی سے کیوں جلا ڈالا۔؟"

فرمایا۔ تو میری چالیس سال کی شب بیداری، ریاضت اور بے ریا اطاعت کو برباد کرنے لگا تھا۔ جو کیا اس کا نتیجہ پایا۔ ایسی حالت میں رحم اور شفقت اپنے حال پر ظلم کرنا تھا۔

شیطان بھاگ گیا شیخ فرماتے ہیں کہ عرصہ سے میرے دل میں یہ خواہش چٹکیاں لے رہی تھی۔ کہ شیطان کو دیکھوں۔ ایک دن میں مسجد کے دروازے پر کھڑا تھا۔ کہ دور سے ایک پیر مرد کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ جب وہ ذرا قریب آیا۔ میرے دل میں اس کے دیکھنے سے وحشت پیدا ہوئی پوچھا "کون ہے"؟

کہا "تیری خواہش ہوں"۔

میں نے کہا۔ اے ملعون! کس چیز نے تجھے آدم کے سجدہ سے باز رکھا۔ کہا وحدت حق تعالیٰ نے۔ میں نہیں چاہتا تھا۔ کہ سوائے اس کے کسی اور کو سجدہ کروں ——— !

میں اس کے جواب سے حیران ہوا۔ اُسی وقت حرم سے یہ ندا بلند ہوئی۔ اسے کہو۔ تو جھوٹ بکتا ہے۔ اگر تو خدا کا بندہ ہوتا۔ اس کے حکم سے منہ نہ موڑتا۔

شیطان نے جب یہ ندا سنی۔ چلا کر بولا۔ خدا کی قسم! تو نے مجھے جلا ڈالا۔ یہ کہا۔ اور غائب ہو گیا۔

وفات بقول صاحب نفحات الانس و دیگر اہل تواریخ حضرت نے بروز شنبہ ۲۷ رجب ۲۹۷ھ دار فانی سے عالم بقا کو کوچ فرمایا۔ مزار پر انوار حضرت کا بغداد میں ہے۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت کا وقت آخر قریب آیا۔ اسم ذات کا ذکر زبان پر تھا۔ اور انگوٹھے سے ہاتھ کی انگلیاں ہلاتے جا رہے تھے۔ ابھی کلمہ کی انگلی باقی تھی۔ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ غسل کے بعد جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ ایک سفید کبوتر آپ کے جنازہ پر آ بیٹھا۔ لوگوں نے ہر چند اڑانے کی کوشش کی۔ مگر وہ نہ اڑا۔ تدفین تک وہ کبوتر جنازہ پر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد غائب ہو گیا۔

خلفاء:۔ آپ کے خلفاء میں شیخ ابوبکر شبلیؒ کا مقام بہت بلند ہے۔ جنیدؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہر شخص کا تاج ہوتا ہے اور میرا تاج ابوبکر ہے۔ آپ امام مالک کا مذہب رکھتے تھے۔

دوسرے خلیفہ شیخ ممشاد دینوری ہیں۔ آپ اپنی خانقاہ کا دروازہ بند رکھتے تھے جب کوئی مسافر پہنچتا۔ اور دروازہ کھٹکھٹاتا۔ پوچھتے۔ مسافر ہے یا مقیم۔ اگر یہاں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو شوق سے آ۔ لیکن اگر مسافر ہے۔ تو یہ جگہ تیرے لئے نہیں ہے۔

کہا کرتے تھے۔ کہ چالیس[1] سال سے بہشت کو آراستہ پیراستہ کر کے میرے پیش کیا جا رہا ہے لیکن میں رغبت کی نگاہ سے اس پر نظر تک نہیں کرتا۔ دس سال سے اپنا دل کھو چکا ہوں۔ اور نہیں چاہتا۔ کہ واپس ملے۔

تیسرے خلیفہ شیخ احمد رویمؒ ہیں۔ شیخ عبداللہ خفیف جو اپنے زمانہ کے امام طریقت اور شیخ الاسلام

---

[1] چہل سال است کہ بہشت را باں آراستگی وے برمن عرضہ مے کنند و من بچشم رغبت بوے نگاہے نے کنم وسی سال است کہ دل خود را گم کردہ ام و نخواستہ ام کہ بمن باز دہند۔

تھے۔ فرماتے تھے۔ کہ شیخ احمد رویمؒ اگرچہ اپنے آپ کو سید الطائفہ شیخ جنیدؒ کا شاگرد اور مرید کہتے ہیں۔ لیکن اُن سے بہتر ہیں۔ اور میں ان کے ایک بال کو کئی جنیدؒ پر ترجیح دیتا ہوں۔ یہ اس شخص کا بیان ہے جس سے مبالغہ کو منسوب کرنا عین جہل اور سوء ادبی ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے عمر بھر اس باکمال شخص سے کسی کو بزرگ تر نہیں دیکھا۔ اور اس کی مانند توحید باری تعالیٰ میں کسی نے تقریر نہیں کی[۲]۔

صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ حضرت رویمؒ نے آخری عمر میں اپنے آپ کو دنیا داروں میں چھپا لیا تھا۔ لیکن عشق اور مشک کو کون چھپا سکتا ہے۔

سید الطائفہ جنیدؒ فرماتے ہیں۔ کہ

"شیخ رویم مشغول فارغ است و من فارغ مشغول ام۔ یعنی رویم با وجود احتشام دنیا بحق مشغول بود و ایں امرے مشکل است کہ در دولت متدی بحق مشغول باشد[۳]۔

۳۰۳ھ میں صدائے ارجعی کو لبیک کہہ کر خاکِ پاک بغداد میں دفن ہوئے۔

۲۔ شیخ الشیوخ علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ

نوشیروان کی اولاد سے بڑے امیر کبیر نوجوان تھے۔ علم و فضل میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ایک

---

[۱] شیخ رویم خود را شاگرد و مرید سید الطائفہ جنیدؒ مے گفت لیکن بہتر از دے است۔ و من یک موئے وے دوست تر دارم از صد جنید۔

[۲] چشم من ہرگز در تمام عمر کسے از وے بزرگ تر ندید۔ و مثل وے در توحید کسے سخن نگفت۔

[۳] شیخ رویمؒ مشغول فارغ ہیں اور میں فارغ مشغول ہوں۔ یعنی رویمؒ ظاہری ٹھاٹھ کے باوجود ذکر الٰہی میں ہر وقت شاغل رہتے تھے۔ اور دنیا داری کی دلدل میں پھنس کر یاد الٰہی سے غافل نہ ہونا بڑا مشکل امر ہے۔

مرتبہ سید الطائفہ حضرت جنیدؒ مسجد جامع میں وعظ کر رہے تھے۔ ایک شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اسمع یا شیخ۔ اے میاں سن! شیخ ابو علی مسجد سے گذر رہے تھے۔ انہوں نے سمجھا۔ کہ شیخ ان سے مخاطب ہیں۔ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے اور حضرت کا وعظ سننے لگے۔ سید الطائفہ کی تقریر نے ان کے دل پر اتنا اثر کیا۔ کہ تمام گھر بار خدا کی راہ میں لٹا کر آپ کے حلقہ میں شامل ہو گئے اور اس مقام کو پہنچے۔ جس کا انہیں وہم و گماں بھی نہ تھا۔ ۳۲۲ھ میں سرائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ فرمایا۔ مزار پُر انوار مصر میں ہے۔ آپ کے خلفاء میں شیخ عبداللہ بن خفیف دنیائے تصوف میں خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ سلاطین شیراز کی اولاد سے تھے۔ اپنے زمانہ کے قطب، مقتدائے اہل طریقت اور شیخ الاسلام تھے۔ ابوطالب بغدادی، ابوالحسین مکی، ابوالحسین مزین، ابوالحسین دُرّاج و یوسف حسین مروزی کے ہم صحبت تھے۔ شافعی مذہب رکھتے تھے۔ تصوف پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ طریقہ خفیفیہ آپ سے منسوب ہے۔

فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ مصریوں نے مجھے بتایا کہ یہاں دو عارف رہتے ہیں۔ ایک بوڑھے ہیں دوسرے جوان اور ہمیشہ مراقبہ میں رہتے ہیں۔ میں اُن کے پاس گیا۔ دیکھا کہ دو قبلہ رو بیٹھے ہیں۔ ان پر تین بار سلام کیا۔ مگر جواب نہ ملا۔ میں نے کہا "آپ کو خدا کی قسم ہے۔ جواب ضرور دیجیے"! جوان نے سر اُٹھا کر سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا۔

اے ابن خفیف! دنیا اندکے است۔ حالا از اندک اندک ماندہ است

مگر فارغ ہستی۔ کہ بسلام ما مے پردازی —————— !

یہ کہہ کر سر جھکا لیا۔ اس جواب نے میرے دل کی کائنات کو ہلا ڈالا۔ وہیں ٹھہر گیا۔ اور ان کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز ادا کی۔ پھر عرض کی۔ کہ مجھے کوئی ایسی نصیحت کیجیے۔ کہ کام آئے۔ کہا "ما را زبانِ پند نیست" ہمارے پاس ایسی زبان ہی نہیں جو کسی کو پند و نصیحت کر سکتی ہو۔ میں تین دن وہاں رہا اس مدت میں انہیں کھانے پینے اور سونے سے بے نیاز پایا۔ گویا وہ ایسے بُت تھے۔ جنہیں

سوائے یادِ الٰہی کے اور کوئی کام نہیں تھا۔ روانگی کے وقت دل میں سوچا۔ کہ انہیں پھر کہ
قسم دوں۔ کہ مجھے نصیحت دیں۔ جوان مرد نے نورِ کرامت سے میرا سوال معلوم کر لیا۔ فرمایا
پندلہ این است کہ صحبت کسے اختیار کن کہ از دیدنش خدا یاد آید۔ و ہیبت
او در دل اُفتد۔ و ترا بزبانِ حال پند دہد۔ نہ بزبانِ قال۔
۳۳۱ھ میں بعمرہ ۹ سال جان بجان آفرین سپرد کر کے شیراز میں دفن ہوئے۔

۳۔ شیخ ابو علی کاتب رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت علی رودباری کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی مجھ
کوئی مشکل پیش آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا ہوں۔ اور ان سے اس
مشکل کے حل کی درخواست کرتا ہوں۔ خداوند کریم بتوجہ موتجہ حضرت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلا
میری مشکلات حل فرما دیتے ہیں۔ بقول سفینۃ الاولیا و نفحات الانس آپ نے ۳۴۶ھ میں
انتقال فرمایا۔ قبر شریف مصر میں ہے۔

۴۔ حضرت شیخ ابو عثمان مغربی قدس سرہٗ

آپ قیروان (شمالی افریقہ) کے بہت بڑے رئیس تھے۔ سیر و شکار میں اپنا وقت بسر کرتے
تھے۔ بے شمار شکاری کتے رات دن آپ کے آگے بندھے رہتے تھے۔ ایک رات دودھ سے

لہ نصیحت یہ ہے کہ ایسے شخص کی صحبت اختیار کر جس کے دیکھنے سے خدا یاد آتے اس کی عظمت دل میں
بیٹھے۔ اور وہ تجھے زبانِ حال سے پند دے نہ کہ زبان سے۔

بھرا ہوا برتن آپ کے لئے لے آئے۔ چونکہ کافی گرم تھا۔ اس لئے سرہانے رکھوا دیا۔ نیند آگئی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب بیدار ہوئے۔ تو دودھ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن شکاری کتا جو ہر وقت اس کے گردو پیش رہتا تھا۔ جھپٹ کر آگے بڑھا۔ اور اس کے دودھ کے درمیان حائل ہو گیا۔ اسی طرح کئی بار اتفاق ہوا۔ جب بھی آپ دودھ پینا چاہتے۔ کتا جھپٹ کر آگے آجاتا اور انہیں دودھ نہ پینے دیتا۔ انجام کار جب کتے نے دیکھا۔ کہ مالک پینے سے باز نہیں آتا۔ تو اس نے بڑھ کر اپنا منہ پیالے میں ڈال دیا۔ اور پی کر وہیں مر گیا۔ پس اس وقت شیخ کو معلوم ہوا۔ کہ کتا دودھ کیوں نہ پینے دیتا تھا۔ اس واقعہ سے شیخ کا دل دنیا سے سرد ہو گیا۔ مال واسباب محتاج اور مساکین میں بانٹ کر صوفیاء کی جماعت میں داخل ہو گئے۔

کہتے ہیں۔ شیخ عثمان نے تیس سال مکہ مکرمہ میں گذارے لیکن ادب و احترام کے پیش نظر اس شہر میں آپ نے بول و براز نہیں کیا تھا۔ اور صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ شیخ ابو عثمان فرمایا کرتے تھے۔ کہ جس دن ہمارا انتقال ہو گا۔ آسمانی فرشتے زمین پر آئیں گے۔ اور مجھ پر خاک برسائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ کہ ان کے انتقال پر اس قدر گرد و غبار اٹھا کہ جہان تاریک ہو گیا۔ اور نیشاپور میں کوئی کسی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن جب آپ کو دفن کر دیا گیا مطلع صاف ہو گیا۔

آپ نے ۳۷۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ مزار گوہربار نیشاپور میں ہے۔

۵۔ حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے زمانہ کے قطب اور ور شیخ الاسلام تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی نظر کیمیا اثر سے

۶۔ شیخ ابوبکر نسّاج رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابوالقاسم کے اعظم ترین خلیفہ اور مرید تھے۔ طوس میں پیدا ہوئے اور ساری عمر اسی سرزمین میں بسر کر دی۔ اوائل عمر میں آپ نے بڑی ریاضتیں کیں۔ آخری ریاضت مشاہدہ پر ختم ہوئی۔ اللہ کی جناب میں زار زار روئے۔ ہاتف نے آواز دی۔ کہ

اے نساج! ہمارے درد اور طلب پر قناعت کر۔ کیونکہ یہ نعمت ہم ہر شخص کو نہیں دیا کرتے۔ ترا با یافت چہ کار۔؟

عین القضات ہمدانی اپنی تصنیفات میں لکھتے ہیں کہ شیخ احمد غزالی فرماتے تھے۔ کہ ایک دن میرے پیر روشن ضمیر ابوبکر نساج نے بارگاہ ربّ العزت میں عرض کی۔

"الٰہی مجھ سے گناہگار اور ناکارہ کے پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی؟"

غیب سے ندا آئی۔ کہ ——!

"حکمت یہ تھی کہ اپنے جمال کو تیرے چہرہ کے شیشہ میں دیکھوں اور اپنی محبت کو تیرے دل میں ڈالوں۔"

شیخ نساج نے ۴۸۷ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک طوس میں ہے۔

۷۔ مظہر انوارِ ذوالجلالی شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابوبکر نسّاج کے خلیفہ اعظم اور نامور مرید تھے۔ صاحب حدیقۃ الاسرار لکھتے ہیں۔ کہ امام احمد غزالی کے علوم دنیا میں —— آفتاب جہانتاب سے بھی زیادہ روشن تھے۔ صحیح معنوں میں علم و فضل کا بحرِ بیکراں آپ کو ہی کہا جا سکتا ہے۔ آپ نے تقریباً ہر عنوان پر کتب و رسائل

تصنیف کی ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ قزوین کا ایک صوفی طوس میں حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے اپنے بھائی شیخ احمد کا حال پوچھا۔ اسے جو کچھ معلوم تھا اس نے عرض کیا۔

اس کے بعد فرمایا۔ اگر تیرے پاس میرے بھائی کا لکھا ہوا کوئی نسخہ ہو تو دکھاؤ۔ اس نے چند اوراق پیش کیے۔ امام محمدؒ اسے دیر تک پڑھتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

"سبحان اللہ آنچہ من مے خواستم شیخ احمد یافت"

صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے شیخ احمد غزالی سے حجۃ الاسلام امام محمدؒ کا حال دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا بتاؤں۔ اس وقت وہ دریائے خون میں غرق ہیں وہ شخص حیران ہو کر امام محمدؒ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہاں پہنچا۔ تو کیا دیکھا۔ کہ امام محمدؒ بخیریت تشریف فرما ہیں۔

عرض کی۔ حضرت! آپ کے بھائی نے تو ہمیں آپ کے بارہ میں ایسی اطلاع دی تھی الحمدللہ کہ آپ کو بخیریت پایا۔

فرمایا۔ میرے بھائی نے جھوٹ نہیں کہا۔ کیونکہ اس وقت حیض و نفاس کا مسئلہ میرے پیش تھا اور میں اسی میں محو تھا۔

شیخ احمد نے ۵۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔ عین القضات ہمدانی قدس سرہ کہ عربی فارسی کے بہت بڑے عالم اور صاحب تصانیف ہو گزرے ہیں۔ آپ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کی بابت مشہور ہے۔ کہ ایک فقیہہ محمود نام ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہا حضرت گذر اوقات کے لئے اس قدر تنگ ہوں کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے۔

یہ سن کر شیخ نے سر اوپر اٹھایا۔ اور فرمایا۔

"اگر مرگ مے خواہی ہمیں دم بمیر ——!"

آپ نے یہ فرمایا ہی تھا۔ کہ وہ گرا اور مر گیا۔

اس وقت شہر کا مفتی اتفاق سے اس مجلس میں موجود تھا۔ اس نے عرض کی کہ دوستانِ خدا کے نزدیک مُردوں کا زندہ کرنا بھی کچھ مشکل نہیں۔ بچارا غریب اور عیالدار ہے۔ رحم فرمایئے۔ تاکہ پھر زندہ ہو جائے۔

شیخ نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور عرض کی۔

"بارالہا۔ محمود کو زندہ کر دے"

اُسی وقت مردہ نے آنکھ کھول دی اور اُٹھ بیٹھا۔ حضرت نے اپنے ہاں سے کچھ دے کر اُسے رخصت کیا۔

شیخ نے ۵۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔

۸۔ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی قدس سرہٗ

آپ شیخ احمد غزالی کے خلیفہ اعظم اور اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔ جو اس وقت تک متداول چلی آتی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے۔

ایک مرتبہ ابوالنجیب بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک قصاب کی دوکان پر بکری ٹنگی دیکھی۔ اس کے قریب گئے۔ اس طرح کان لگایا گویا اس کے گوشت سے آواز آ رہی ہے۔ اس کے بعد قصاب کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ بکری کہتی ہے کہ میں مردہ ہوں اور مجھے خدا کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا۔ یہ سنتے ہی قصاب بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اور جب ہوش میں آیا۔ تو اپنے جرم کا اعتراف کر کے طالب عفو ہوا۔

شیخ الشیوخ کی ولادت | شیخ محمد صادق شیبانی قادری نے اپنی مشہور تصنیف مناقب غوثیہ میں لکھا ہے۔ کہ شیخ ابو النجیب کے بھائی شیخ محمد عبداللہ لاولد تھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت محبوب رب العالمین غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور حصول فرزند کے لئے دعا کی درخواست کی۔ حضور دیر تک بڑے خشوع خضوع سے دعا مانگ رہے اور جب فارغ ہوئے۔ تو فرمایا۔ مبارک

اسی رات وہ خاتون بار آور ہوئی۔ اور نو ماہ کے بعد ایک لڑکی کی ماں بن بیٹھی۔ اگرچہ بے اولاد گھرانے میں یہ بھی غنیمت تھی۔ لیکن اس امر کی اطلاع حضور کو دینی واجب جان کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور تمام حال کہہ سنایا۔

حضرت نے فرمایا۔ اے نیک بخت! یہ لڑکی نہیں لڑکا ہے۔ اور ہم اسے شہاب الدین عمر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ انشاء اللہ یہ نور عین بڑی عمر پائے گا۔ اور اولیائے کرام میں خاص مرتبہ حاصل کرے گا۔

یہ ارشاد سن کر اس عفیفہ نے جونہی لڑکی پر نظر کی۔ تو دیکھا کہ لڑکا ہے۔ خدا کا شکر ادا کرتی گھر کو لوٹ آئی۔

بیعت | بہاؤ الحق قادری فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الشیوخ نے ۱۶ برس کی عمر میں ہی صرف و نحو، منطق و معانی اور حدیث و فقہ میں کامل دستگاہ حاصل کر لی تھی۔ لیکن علم کلام کا شوق اس قدر تھا۔ کہ رات دن اس کی تحصیل میں مستغرق رہتے تھے۔ شیخ ابو النجیب ہر چند نصیحت کرتے کہ بابا علم نقت سے بہرہ یاب ہونے کا صرف یہی وقت ہے۔ علم کلام سے دست بردار ہو کر اس کی طلب میں کوشش کر۔ لیکن ان پر اثر نہ ہوتا۔ آخر الامر ایک دن انہیں لے کر حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

یا حضرت! میرا یہ لڑکا علم کلام کا شائق ہے۔ اگرچہ اس پر عبور حاصل کر چکا ہے لیکن پھر

بھی اس سے چمٹا ہوا ہے۔ جس کام کی طرف میں لے جانا چاہتا ہوں۔ اُدھر توجہ تک نہیں کرتا۔

حضرت غوث الاعظمؒ نے شفقت کی نگاہ سے علم کلام کے فارغ التحصیل نوجوان عالم پر نظر کی۔ اور دایاں ہاتھ اس کے علم سے بھرے ہوئے سینہ پر پھیرتے ہوئے فرمایا۔

"اے بیٹا! ذرا بتانا تو۔ علم کلام کی کون کون سی کتاب تیرے مطالعہ میں رہی ہے۔؟"

شیخ الشیوخ کو علم کلام کی کتابیں نوک زبان تھیں۔ مناظرے کے وقت کئی کئی صفحے فرفر سنا دیتے تھے۔ صفحات تو کیا حوالجات میں سطریں تک بتا دیا کرتے تھے۔ لیکن غوث نے ہاتھ مس کر کے سب کچھ محو کر دیا۔ عبارت بجائے خود رہی۔ کتابوں کے نام تک ذہن سے اُتر گئے۔ ناچار چپ ہو رہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے یہ کیفیت دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"ما ہمہ علم کلام از سینۂ تو محو کردیم و بمعاوضہ اش علم معرفت حق دادیم"[1]

چنانچہ اُسی روز سے ہی شیخ الشیوخ علم ظاہری سے دست بردار ہوگئے اور عم بزرگوار کی خدمت میں رہ کر دل و جان سے علم باطنی کی تحصیل میں کوشش کرنے لگے۔

خواجہ خضر سے ملاقات شیخ ابوالنجیب کو اپنے بھتیجے سے بڑی محبت تھی۔ ہر وقت اسے اپنے ہمراہ رکھتے تھے۔ شیخ الشیوخ بھی جوہر لطیف رکھتے تھے۔ انہوں نے تھوڑی سی مدت میں وہ کچھ پا لیا۔ جو دوسروں کو عمر بھر کی ریاضت اور مشقت کے بعد ملا کرتا ہے۔ ایک دن شیخ ابوالنجیب حرم شریف میں مراقبہ کئے بیٹھے تھے۔ شیخ الشیوخ بھی حاضر تھے۔ اسی اثنا میں خواجہ خضر تشریف لائے شیخ نے کچھ توجہ نہ کی۔ اور مراقبہ میں بیٹھے رہے۔ حضرت خضر کچھ دیر کھڑے رہے اور پھر چلے گئے جب آپ مراقبہ سے فارغ ہوئے۔ تو شیخ الشیوخ نے عرض کی۔

"حضور! خواجہ خضرؑ کافی دیر تک کھڑے رہے۔ جناب نے توجہ ہی نہیں کی ——!"

---

[1] ہم نے تیرے سینہ سے علم کلام کو محو کر دیا۔ اور اس کی جگہ معرفت الٰہی کا علم عنایت کیا۔

فرمایا "بیٹا! تجھے کیا معلوم۔ اس وقت میں اپنے خالق سے مشغول تھا۔ اگر وہ وقت
ہو جاتا تو پھر مجھے کہاں ملتا۔ خواجہ خضرؑ تو پھر مل جائیں گے"۔[1]

یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ خضر علیہ السلام پھر تشریف لے آئے۔ شیخ نے کھڑے ہو کر
کیا۔ اور اپنے پاس بٹھایا۔ اسی طرح کئی بار آپ خضر علیہ السلام کا شرفِ نیاز حاصل کر
رموز باطن اور علوم طریقت سے بہرہ مند ہوئے۔ شیخ ابوالنجیب ۵۶۳ھ میں راہگرائے عالم جا
ہوئے۔ شیخ الشیوخ کو پیر طریقت کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا۔ کیونکہ وہ آپ سے روحانی
دونوں رشتے رکھتے تھے۔ انہیں بغداد کی خاک پاک میں ہمیشگی کی نیند سلا کر اپنے دوسرے
حضرت شیخ وجیہہ الدین کی خدمت میں رہنے لگے۔

شیخ ابوالنجیب کے خلفاء آپ کے بھائی شیخ وجیہہ الدین اگرچہ شیخ عمویہ ممشاد دینوری
مرید تھے۔ لیکن ان کا بیشتر وقت شیخ ابوالنجیب کی صحبت میں ہی گذرتا تھا۔ چنانچہ آپ سے بڑا فیض
حاصل کیا۔ اور جب شیخ کا انتقال ہو گیا۔ تو انہوں نے شیخ الشیوخ کو اپنی تربیت میں لے ا
مگر افسوس ہے کہ تین سال کے بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

شیخ ابوالنجیب کے خلفاء میں حضرت عمار یاسر بڑے پایہ کے درویش تھے۔ مریدوں کی تر
اور کشف میں بڑی استعداد رکھتے تھے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ اپنی کتاب فوائح الجمال میں لکھتے ہ
کہ جب میں شیخ عمار کی خدمت میں پہنچا میرے دل میں خیال آیا۔ کہ میں اتنا بڑا عالم ہوں۔ ا
فتوحاتِ غیبی کی نعمت بھی میسر آجاتے۔ تو کیا ہی اچھا ہو۔ منبر پر کھڑے ہو کر طالبان حق کی راہن
کروں۔ حضرت نے کشف کے ذریعے میرا ما فی الضمیر معلوم کر لیا۔ فرمایا۔ پہلے نیت کی درستی کر و پھ
خلوت میں آؤ۔

---

[1] بیاں کرا اگر خضر باز رفت۔ باز خواہد آمد اما آں وقت کہ باحق مشغول بودم اگر فوت شدے از کجا یافتم۔
ندامت آں تا قیامت بماندے۔

چنانچہ میں نادم ہو کر واپس لوٹا۔ تمام کتابیں طلباء میں بانٹ دیں۔ کپڑے فقراء میں تقسیم کر دیئے۔ اور سوائے ایک جُبّہ کے جو پہن رکھا تھا۔ اور کچھ اپنے پاس نہ رکھا۔ اور دل میں پختہ کر لیا۔ کہ یہ خلوت خانہ میری قبر اور یہ جُبّہ میرا کفن ہے۔ اب کسی صورت باہر نہیں نکلونگا۔ اگر کبھی باہر نکلنے کا خیال آیا بھی۔ تو اس جُبّہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دونگا۔ تاکہ جب ستر عورت کا ذریعہ نہیں رہے گا۔ شرم و حیا باہر نکلنے میں حارج ہوگا۔ یہ نیت لے کر شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ کہ اب تیری نیت درست ہے۔ اندر آ کر اس حال میں تیرا آنا تیرے لیے مبارک ہے۔ چنانچہ شیخ نے ایسی توجہ فرمائی۔ کہ فتوحات باطنی کے تمام دروازے مجھ پر کھل گئے۔ شیخ عمار نے ۵۸۲ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت ابوالنجیب کے دوسرے خلیفہ شیخ روزبہان کبیر مصری تھے۔ ان کا وطن گازرون تھا لیکن مصر میں سکونت رکھتے تھے۔ ہر وقت آپ پر استغراق کا عالم طاری رہتا تھا جب شیخ نجم الدین کبریٰ آپ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے انہیں دامادی میں لے کر اپنا فرزند بنا لیا۔ ۵۸۴ھ میں فوت ہو کر مصر میں دفن ہوئے۔

آپ کے تیسرے خلیفہ شیخ اسمٰعیل قصری تھے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ نے خرقہ خلافت وارادت آپ سے ہی حاصل کیا تھا۔ ۵۸۹ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین ابوحفص عمر سہروردیؒ

آپ اگرچہ اپنے چچا پیر شیخ ابوالنجیب سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ لیکن حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے بھی آپ نے بہت زیادہ فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت غوث ... فرمایا کرتے تھے۔

یا عمرو انت آخر المشہورین بالعراق

کہ اے عمرو تم عراق کے آخری مشہور انسان ہو۔ آپ کو حضرت غوث سے جو عقیدت اور محبت
تھی۔ اس کا اندازہ آپ کی مشہور کتاب بہجتہ الاسرار سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ اس میں حضرت غوث
کے مناقب اس محنت اور کوشش سے جمع کئے ہیں ـــــــــ کہ اور کوئی کتاب اس کا
مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور مقابلہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ دوسروں کی روائتیں ہیں۔ اور یہ شیخ الشیوخ
کا مشاہدہ ہے۔

اس کے علاوہ عوارف المعارف اور اعلام الہدیٰ کے نام سے دو اور کتابیں بھی آپ نے
لکھی ہیں۔ جن کا پایہ تصوف کی دنیا میں بہت بلند ہے۔

شیخ رکن الدین علاؤ الدین ہمدانی فرماتے ہیں کہ احباب نے شیخ سعد الدین حمویہ سے پوچھا
آپ نے شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی ؒ کو کیسے پایا۔

فرمایا۔ بحر امواج لانہایتہ یعنی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

پھر کہا۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے بارہ میں کیا رائے ہے۔

فرمایا۔ متابعتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تجلی فی جبین السہروردی

یعنی متابعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سہروردی کے ماتھے پر چمک رہا ہے۔

شیخ ہر سال بغداد سے حج کو روانہ ہوتے تھے۔ مکہ پہنچ کر حج کرتے۔ پھر مدینہ منورہ حاضر
ہو کر روضہ مبارکہ کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ اس کے بعد بغداد واپس تشریف لے آتے۔ عمر
بھر یہی دستور رہا۔

آپ کے خلیفہ شیخ نجم الدین روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں شیخ کے پاس چلہ میں بیٹھا
ہوا تھا۔ مجھے یوں معلوم ہوا کہ شیخ ایک پہاڑ پر تشریف فرما ہیں۔ اور جواہرات کے بیشمار ٹکڑے
آنجناب کے پاس پڑے ہیں۔ مخلوقات نے اس پہاڑ کے گرد گھیرا ڈال رکھا ہے۔ حضرت

مٹھیاں بھر بھر کر ان کی طرف پھینک رہے ہیں، اور لوگ گٹھریاں باندھ باندھ کر جا رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جواہرات کی فراوانی کا یہ عالم ہے۔ کہ ان میں سے جس قدر خرچ کرتے ہیں۔ وہ اسی قدر زیادہ نظر آتے ہیں جب میں خلوت سے باہر نکلا۔ اور چاہا کہ یہ واقعہ خدمت والا میں عرض کروں۔ ہنوز زبان تکلم آشنا بھی نہیں ہوئی تھی۔ کہ حضرت نے فرمایا۔ تو نے جو کچھ دیکھا ہے وہ درست اور صحیح ہے۔ اور یہ تمام برکت حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کی عنایت بے غایت کا نتیجہ ہے۔"

حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ ۵۶۲ھ میں ہی سرائے فانی سے عالم بقا کو انتقال فرما گئے تھے۔ ان کے بعد ایک برس تک شیخ ابوالنجیب کو بغداد کی سیادت حاصل رہی جب ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ تو پھر یہ مقام شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو ملا۔ اب آپ اپنے زمانہ کے قطب اور بغداد کے شیخ الشیوخ تھے۔ اور قریب و بعید کے تمام ارباب طریقت آپ سے ہی فتاویٰ لیتے تھے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کی صحبت کا ایک عکس آپ پر یہ بھی پڑا تھا۔ کہ آپ سماع نہیں سنتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔

"ہر نعمتے کہ در بشر ممکن است شہاب الدین را دادہ اند اِلّا ذوقِ سماع" (از خزینۃ الاصفیا)

ایک رات کو شیخ اوحدالدین نے سماع کی درخواست کی۔ شیخ نے قوالوں کو طلب کیا۔ اور مجلس سماع ترتیب دے کر شیخ اوحدالدین کو لا بٹھایا۔ لیکن خود ایک گوشے میں بیٹھ کر قرآن تلاوت کرنے لگے۔ صبح کو خادم نے حضرت کی خدمت میں آکر کہا۔ کہ مشائخ ساری رات سماع میں مشغول رہے ہیں۔ اب اُن کے لئے ناشتہ درکار ہے۔ آپ نے تعجب سے فرمایا۔

"کیا مشائخ ساری رات سماع میں مصروف رہے ہیں؟"

یعنی آپ رات بھر تلاوتِ قرآن میں اس قدر مستغرق رہے کہ آپ کے کانوں میں سماع کی آواز تک نہ پہنچی۔

فلسفی سے مباحثہ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا فوائد الفواد میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ ایک فلسفی ناصر الدین اللہ خلیفہ بغداد کے پاس آیا۔ اور اُسے جادۂ حق سے منحرف کرنے کی سعی کرنے لگا۔ ناصر بھی اس سے مانوس ہو گیا۔ رات دن فلسفہ کا چرچا رہنے لگا۔ جب یہ خبر شیخ الشیوخ کو پہنچی تو فرمایا۔ کہ "اگر خلیفہ فلاسفہ کی طرف جھک گیا۔ تو دنیا معصیت میں مبتلا ہو جائیگی" یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خلیفہ کے محل پر پہنچے۔ اتفاق سے فلسفی اس وقت خلیفہ کے پاس موجود تھا۔ دربان نے حضرت کی اطلاع کی۔ ناصر نے شیخ کو اندر بلا لیا جب حضرت قریب پہنچے تو فلسفی کو دیکھ کر فرمایا۔

"اس وقت کونسی بحث چھڑی ہوئی تھی"۔

خلیفہ نے فلسفیانہ مباحثہ کے ذکر کو چھپا لیا۔ اور کہا "ہم یونہی باتیں کر رہے تھے"۔

شیخ نے گرم ہو کر فرمایا۔ کہ "میں اس وقت صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں۔ کہ خلیفہ اور فلسفی کے درمیان کونسا موضوع زیر بحث ہے۔ خلیفہ کو چاہیئے۔ کہ وہ صاف صاف بیان کرے کہ کیا بحث ہو رہی تھی۔!"

جب شیخ نے اس بارہ میں بہت اصرار کیا۔ تو فلسفی نے کہا "ہم یہ بحث کر رہے تھے۔ کہ حرکتِ فلکی حرکت طبعی ہے یا حرکتِ قسری"۔

فرمایا "حرکتِ فلک حرکتِ قسری ہے"۔

کہا۔ "کیسے؟"

فرمایا۔ "اس شکل وصورت کا ایک فرشتہ ہے۔ جو خدا کے حکم سے اُسے حرکت دیتا ہے"۔

فلسفی نے بطریق استہزا قہقہہ لگایا۔ شیخ اس کے قہقہہ لگانے سے غضب ناک ہو گئے خلیفہ اور اُسے ہاتھوں سے پکڑ کر باہر لے آئے۔ آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔

"بار الہا۔! آپ جو اپنے خواص کو مشاہدہ کراتے ہیں۔ انہیں بھی دکھا ———— ؟"

پھر فلسفی اور خلیفہ سے فرمایا" اوپر دیکھیے "۔
دونوں نے اوپر نظر کی۔ اور اس فرشتہ کو جو حرکتِ فلکی پر متعین ہے۔ اُسے اپنی آنکھ سے آسمان کو چکر دیتے دیکھا۔ یہ کرامت دیکھ کر دونوں اپنے عقیدہ سے تائب ہوئے۔

خوارزم شاہ سے جھڑپ اس زمانہ میں خوارزم شاہ نے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی تھی۔ اور اس کی حدود بڑھتے بڑھتے بغداد کی سرحد سے مل گئی تھیں۔ خلیفہ ناصرالدین کو اطلاع ملی۔ کہ سلطان بغداد پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ" آپ خوارزم شاہ کے ہاں جاکر اُسے سمجھائیں کہ ناحق ہم سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ اس میں دونوں سلطنتوں کا نقصان ہوگا۔ اور مفت میں ہزاروں مسلمان مارے جائینگے"۔ شیخ خوارزم شاہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور اسے بہت کچھ سمجھایا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ اس نے کہا۔ میں عباسیوں پر علویوں کی خلافت کو ترجیح دیتا ہوں۔ میں بغداد پر ضرور حملہ کروں گا۔" خوارزم شاہ اس وقت تک ایران۔ خراسان۔ کابل اور ترکستان پر قابض ہوچکا تھا۔ وہ نہ علویوں کا ہوا خواہ تھا۔ نہ عباسیوں کا۔ بلکہ مرض "جوع البقر" میں مبتلا تھا۔ وہ بغداد کے بعد شام اور فلسطین وغیرہ پر بھی قبضہ کرنے کا آرزومند تھا۔ ایسے حالات میں شیخ کے پند و نصائح اس پر کیا اثر کرسکتے تھے۔ انجام کار جب شیخ نے اُسے جنگ پر مصر پایا تو آسمان کی جانب نظر کی اور فرمایا۔

"اے بار الہا! جو مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر آمادہ ہے۔ اُس پر کسی اور ظالم کو مسلط کر ———— !"

یہ کہہ کر شیخ واپس لوٹ آئے۔ خوارزم شاہ نے بھی ٹڈی دل فوج لے کر بغداد کا رُخ کیا۔ لیکن راستے میں اس قدر برف باری ہوئی۔ کہ سلطان کی بے شمار سپاہ نذرِ اجل ہوگئی۔ اور راستہ مسدود ہوگیا۔ اگلے سال پھر چڑھائی کی۔ مگر پھر بھی ناکام رہا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ہی بدمستی کے عالم میں خوارزم شاہ نے شیخ مجدالدینؒ کو قتل کردیا۔ یہ نہایت بلند پایہ درویش تھے

اور اس علاقہ میں ان کا بے حد رسوخ تھا۔ جب سلطان کو ہوش آئی تو اپنی حرکت پر سخت پشیمان ہوا۔ اور شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں شیخ شہید کا خون بہا ارسال کیا۔ شیخ نے فرمایا۔ یہ چند درہم و دینار مجد الدین کا خون بہا کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس کا خون بہا تو تیرا اور میرا سر ہے۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد ہی خوارزم شاہ پر آفتوں کا نزول شروع ہو گیا۔ ۶۱۵ھ میں چنگیز خان طوفان کی طرح طمغاچ سے اٹھا۔ اور خوارزم شاہ کی ولایت پر چھا گیا۔ سلطان کے پاس تین لاکھ ساٹھ ہزار فوج موجود تھی۔ اگر اس لشکر کو لے کر خود چنگیز خاں کے مقابلے میں آتا تو اس کی فتح یقینی تھی لیکن چونکہ شکست مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے فوج افسروں کے حوالہ کر کے خود سمرقند سے خراسان کو چلا گیا۔

سلطان کے چلے جانے سے فوجیوں کے جی چھوٹ گئے۔ چنگیز خاں انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹتا بڑھتا چلا آیا۔ ۶۱۷ھ میں اس کے ایک سردار نے تیس ہزار فوج سے جیحون کو عبور کیا۔ خوارزم شاہ سمرقند سے بلخ آیا۔ یہاں سے ہرات، ہرات سے نیشاپور، نیشاپور سے اسفرائین اور اسفرائن سے قارون پہنچا۔ لیکن ابھی قلعہ میں داخل ہونے بھی نہ پایا تھا۔ کہ مغلوں نے آ کر محاصرہ کر لیا۔ خوارزم شاہ یہاں سے بھاگ کر استر آباد پہنچا۔ لیکن یہاں بھی امان نہ ملی۔ اس وقت زمین و آسمان باوجود اتنی وسعتوں کے اس پر تنگ ہو چکے تھے۔ وہ مایوس ہو کر ایک جزیرہ میں جا چھپا۔ اس جگہ سلطان کو اطلاع ملی۔ کہ مغلوں نے قلعہ قارون کو فتح کر کے خزائن و اموال لوٹ لئے ہیں اور اس کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے تہ تیغ کر دیا ہے۔ یہ سن کر اُسے اتنا صدمہ ہوا۔ کہ وہ چند دنوں کے اندر ہی اندر فوت ہو گیا۔ جن کپڑوں کو پہنے ہوئے اس نے انتقال کیا تھا۔ انہی میں اسے دفن کیا گیا۔ خدا کی شان ہے۔ کہ کل تک جس کے نام سے خلیفہ بغداد اور چنگیز خاں کی روح کانپ اٹھتی تھی۔ آج اُسے کفن تک میسّر نہ آسکا۔ یہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی بد دعا کا ہی اثر تھا۔ جن کی سفارش

اس مغرور شہنشاہ نے اپنی سلطنت وشوکت کے زعم میں نہیں مانی تھی۔ آخر کار نہ وہ رہا اور نہ ہی ہی اس کی وہ وسیع وعریض سلطنت رہی جس پر اُسے اس قدر گھمنڈ تھا۔ فاعتبروا یااولی الابصار

بہاؤالدین زکریاؒ کا ذکرِ جمیل اس زمانہ میں شیخ الشیوخ کی ذات دنیا بھر کے مشائخ کا ملجاو ماویٰ بن رہی تھی۔ مصلح الدین سعدیؒ۔ شیخ نجیب الدین علی برغشؒ۔ شیخ نورالدین غزنویؒ۔ شیخ ضیاء الدین رومیؒ۔ شیخ محمد یمنیؒ۔ سید جلال تبریزیؒ جیسے نامور اولیاء آٹھوں پہر زانوئے ادب تہہ کئے حاضر رہتے تھے۔ اسی زمانہ میں غوث العلمین بہاؤالدین محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ۔ بیت المقدس اور شام کے علماء ومشائخ سے استفاضہ کرتے بغداد میں داخل ہوئے ۔۔۔ شیخ الشیوخ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور اٹھارہ یوم کے اندر اندر خرقہ خلافت حاصل کر کے ملتان کو روانہ ہوگئے۔ دوسرے درویش جو سالہا سال سے ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف تھے۔ اور ابھی خلافت کی نعمت سے سرفراز نہیں ہوتے تھے۔ غوث بہاؤالدین پر رشک کرنے لگے عرض کی۔ کہ:۔

"اس ہندی نے تو چند ایام میں ہی خلافت کا شرف حاصل کر لیا لیکن ہم سالہا سال سے اس آستان پر پڑے ہیں لیکن ابھی تک محروم ہیں۔"

شیخ الشیوخ نے فرمایا۔ "اے یاران تم گیلی لکڑیوں کی مانند ہو۔ جسے آگ فوراً قبول نہیں کرتی۔ لیکن بہاؤالدین خشک لکڑی کی طرح تھا۔ جسے عشق الٰہی کی آگ نے فوراً اپنی لپیٹ میں لے لیا"۔ علاوہ ازیں ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سفرِ آخرت شیخ الشیوخ کو روزانہ بڑی آمد ہوتی تھی۔ اور وہ سب فقراء اور درویشوں میں صرف کر دیتے تھے۔ آپ کا ایک لڑکا شیخ عماد الدین ۳۳ برس کا تھا۔ آپ نے بڑی کوشش کی۔ لیکن

کرامتِ پدری سے اس کو کچھ نہ مل سکا۔ خدا کی شان ہزاروں آئے اور غوث و قطب کے مراتب
پر سربلند ہو کر واپس لوٹے لیکن اپنا جگر گوشہ محروم رہا۔ یہاں تک کہ جب شیخ پر نزاع کا عالم
طاری تھا۔ وہ خانقاہ کے خادم سے خزانہ کی کنجی طلب کر رہا تھا۔ خادم نے عرض کی۔ کہ
وقت شیخ کے انتقال کا ہے۔ ایسے عالم میں آپ کا مجھ سے چابی طلب کرنا موزوں نہیں
مگر وہ باز نہ آیا۔ جب شور و شغب کی آواز شیخ کے کانوں تک پہنچی۔ فرمایا۔ "اگر عماد الدین چابی
لینے پر مُصر ہے۔ تو دے دو ـــــــــ!"

عماد الدین چابی لے کر خزانے کی طرف لپکا۔ مگر وہاں کیا دھرا تھا۔ جب دروازے کو
کھولا گیا۔ صرف چھ دینار برآمد ہوئے۔ اور وہ بھی شیخ کی تجہیز و تکفین پر خرچ ہو گئے۔ تذکرہ نگار
عماد الدین کا ذکر کرتے ہوئے حسرت بھرے الفاظ میں لکھتا ہے "چوں خالی از قسمت بود از دنیا
و عقبیٰ ہیچ نیافت۔

بقول مخبر الواصلین آپ کی ولادت ۵۴۲ھ میں اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔ مزار نور بار
بغداد میں ہے۔

تعارف

حضرت

شیخ الاسلام والمسلمین غوث العٰلمین بہاؤالحق والدین

ابومحمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

قُبّۂ ابیض

حضرت غوث العلمین بہاؤالحق والدین قدس سرہ العزیز کا قُبّۂ ابیض جنوبی ایشیاء کے قدیم ترین شہر ملتان میں واقع ہے۔ صدیاں بیت گئیں۔ ہزارہا خاندانوں نے امیری غریبی کی چادریں لپیٹیں۔ بڑے بڑے نامور سلاطین آئے۔ اور تُؤتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ کا شاہانہ اعتراف کرتے ہوئے ملک عدم کو رخصت ہو گئے۔ وہ محلاّت جن سے آٹھوں پہر مشک و عنبر کی لپٹیں اُٹھا کرتی تھیں۔ جہاں ہر طرف ریشم اور مخمل کے پردے آویزاں رہتے تھے۔ جن میں ہر وقت کشمیر اور ایران کے زرین کار غالیچے بچھے رہتے تھے۔ آج دنیا ان کے آثار تک دکھانے سے قاصر ہے اور وہ سر بفلک قلعہ بھی جو سکندر اعظم سے سر نہ ہوا تھا کھنڈر بن چکا ہے۔ راوی جو کبھی قلعے کی دیواروں سے ٹکرا کر گذرتی تھی۔ آج بیس۲۰ میل شمال کو ہو کر بہتی ہے۔ الغرض اس قدر انقلابات آئے کہ اس ملک کا جغرافیہ تک بدل گیا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت غوثؒ کے قبہ ابیض کی شوکت و دارائی میں فرق نہیں آیا۔ ہزاروں آندھیاں آئیں سینکڑوں طوفان ٹکرائے حملہ آوروں کی دست بُرد سے شہر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی مگر روضہ اقدس کی یہ کیفیت ہے۔ کہ جو اینٹیں حضرت غوثؒ خود لگوا کر گئے تھے۔ وہ آج بھی جوں کی توں موجود ہیں۔

سلطان ناصر الدین محمود، سلطانہ رضیہ، سلطان السلاطین شیر شاہ سوری۔ نصیر الدین ہمایوں۔ شاہ جہاں۔ دارا شکوہ۔ محمد اورنگ زیب خدا معلوم کتنے قہرمان تاجدار اس بارگاہ پر حاضری دے
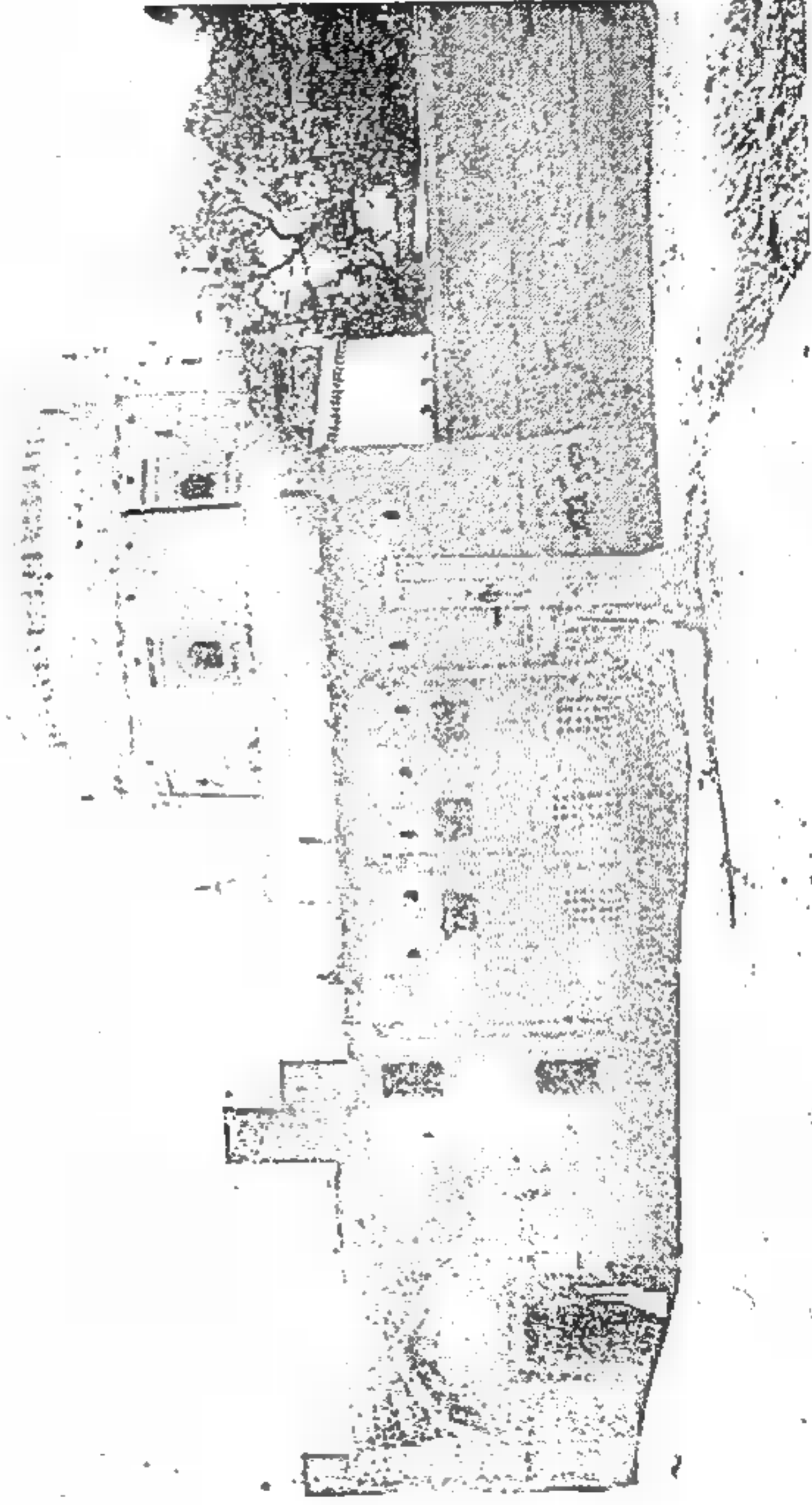
حضرت غوث العلمین امین الامت شیخ الاسلام والمسلمین بہاؤ الحق والدین ابو محمد زکریاؒ کے روضہ مبارکہ کا پُرشوکت منظر جو آج بھی فیض کا سرچشمہ ہے۔ کوئی سائل در اقدس سے محروم نہیں جاتا۔ بیقرار دلوں کو تسکین کی دولت ملتی ہے اور مایوس و ناکام دل اپنی مرادیں حاصل کرتے ہیں +

چکے ہیں۔ اور خدا معلوم ابھی کتنے دوسرے شہر یا دوں کی قسمت میں اس درگاہ کی حاضری مقدر ہو چکی ہے۔ زمانہ بدلتا رہے گا۔ حکومتیں کروٹیں لیتی رہیں گی۔ باشندے اِدھر سے اُدھر بدلتے رہیں گے۔ لیکن حضرت غوث کا یہ قُبّۂ ابیض اسی طرح خاص و عام سے خراجِ عقیدت وصول کرتا رہے گا۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

درگاہِ معلّٰی پر حاضری

حضرت غوث العلمینؒ کا قبۂ ابیض کئی میلوں سے گردن نکالے اپنے ارادتمندوں کو خوش آمدید کہتا دکھائی دیتا ہے۔ زائرین اسٹیشن سے ہی اس فلک رفعت مقبرہ کی زیارت کر لیتے ہیں۔ شوقِ دید کا یہ عالم ہوتا ہے کہ پل نہ گذرے اور حضور کی جناب میں جا پہنچیں۔ "بس" شہر کے خوش منظر حصوں کے چکر کاٹتی زائر کو حضرت غوثؒ کے قدموں میں جا اُتارتی ہے۔ اسلامیہ ہائی سکول کے عین درمیان سے ایک راستہ نکلتا ہے۔ جو بتدریج نیچے سے اوپر کو بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ راستے میں دائیں جانب شاہ دین بیراگی رحمتہ اللہ علیہ اور میراں کنگ سوار کے مزار آتے ہیں۔ زائر اُن پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پرہلاد مندر کے متصل ایک رفیع المرتبت دروازہ آجاتا ہے۔ جس پر بخط جلی یہ کتبہ مرقوم ہے۔

خانقاہ غوث العلمین، حضرت غوث بہاؤ الحق والدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ
تاریخ وفات ۷ صفر سنہ ۶۶۱ ہجری المقدس

زائر اندر قدم رکھتے ہی ایک نئی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ ہر چیز نئے رنگ اور نئے ڈھنگ میں نظر آتی ہے۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ گویا قدرت نے غوث پاک کی ہر چیز کو تصوف کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ ہر شے زائر کے دل پر اثر ڈالتی ہے۔ اور آدمی فرطِ رعب سے لرز

اُٹھتا ہے۔ ڈیوڑھی میں دائیں جانب حضرت غوث پاک کے ایوان کا دروازہ ہے نقیب او
چاؤش رہ رہ کر پکار اُٹھتے ہیں "مدد بہاؤ الحق" زائر کی حالت اس وقت ایسی ہوتی ہے جیسے
کوئی ملزم کسی بڑے جرم کا مرتکب ہو کر معافی طلب کرنے کے لئے ایک جلیل القدر بادشاہ کے
دربار میں باریاب ہو رہا ہو۔ ساڑھے نو فٹ آتار طے کرنے کے بعد زائر اپنے آپ کو شیخ الاسلا
کے دربار میں پاتا ہے۔ دربار خاصانِ خاص سے کھچا کھچ بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ زائر دائیں جا
ایک تنگ راستہ کے ذریعے سرنگوں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا حضور کے دائیں پہلو میں جا پہنچتا
ہے۔ اور بے اختیار ایک آہ کہہ کر آپ کے تخت سے (جس سے دنیا کے لاکھوں تخت طاؤس
خم کھاتے ہیں) چمٹ جاتا ہے۔ اور زار قطار روتا ہے۔ حتیٰ کہ شیخ کا دامن اور زائر کا چہرہ قطرات
اشک سے تربتر ہو جاتے ہیں۔ شاہانِ مجاز کی طرح حضرت غوث جھڑکتے نہیں۔ اور نہ ہی کسی
اہلکار یا خادم کی جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ آئے۔ اور ملاقاتی کو شیخ الاسلام کے دامن سے جدا
کرے۔ جب زائر رو رو کر نڈھال ہو جاتا ہے تو اچانک اُسے محسوس ہوتا ہے۔ کہ غوث پاک
نے اپنا بابرکت ہاتھ اس کے دل پر رکھ دیا ہے۔ ایک عجیب سکون و اطمینان کی لہر زائر کی
رگ رگ اور نس نس میں دوڑ جاتی ہے۔ سیاہ کار اور مجرم زائر کا دل شہادت دیتا ہے کہ عرقِ
انفعال کے چند قطرات کو ذاتِ ذوالجلال نے حضرتِ غوث کی توجہ سے شرفِ قبولیت بخشا ہے
اور نامۂ اعمال کدورتوں سے صاف ہو گیا ہے۔ تب شادمانی و کامرانی سے ہمکنار ہوتا ہے
اور اپنے دونوں ہاتھ مرقد مبارک پر رکھ کر انتہائی ادب و احترام سے بوسہ دیتا ہے۔ غلاف کو اپنی
آنکھوں سے لگاتا اور چومتا ہے۔ پھر ذرا پیچھے ہٹ کر بائیں جانب کو پشت کر کے حضور کی خدمت
میں فاتحہ کا تحفہ پیش کرتا ہے۔ اپنے اپنے خاندان اور ملت اسلامیہ کیلئے مولائے کائنات کی خدمت
میں دعا طلب کرتا ہے اور اس جلیل القدر اور محبوب شخصیت کا واسطہ دیتا ہے۔ گڑگڑاتا ہے۔
اور اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی بے بسی اور بے کسی کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے

بعد نہایت انکسار سے حضور غوث پاک اور آپ کے پہلو نشین فرزند جگر بند حضرت شیخ الاسلام ابوالمغانم صدرالدین عارف باللہ اور آپ کے درباریوں کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا بائیں جانب کے راستہ پیچھے ہٹتا دروازہ سے باہر نکل آتا ہے۔ ایک عجیب فرحت و انبساط محسوس کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انسانی کمزوریوں اور لغزشوں کا وہ بارگراں جو وہ کندھوں پر اٹھا لایا تھا۔ اس سے اتار لیا گیا ہے۔ یہ ایک عمومی کیفیت ہے جو تقریباً ہر زائر کے دل پر گذرتی ہے۔ خاصان بارگاہ کی اس سے بھی عجیب تر حالت ہوتی ہے بہر کیف ع

جتنا ہے ظرف اس کا اتنا وہ پی رہا ہے

اگرچہ حضرت غوث پاک کے واقعات عالم آشکار ہیں۔ اور دنیا کا ذرّہ ذرّہ ان کے سوانح حیات سے آشنا ہے۔ لیکن ان کے ذکر میں کچھ ایسی حلاوت پائی جاتی ہے کہ قند مکرر کا لطف آتا ہے۔ اس لئے مختصراً سپرد قلم کرتا ہوں ؎

ما طفل کم سواد و سبق قصہ ہائے دوست

صد بار خواندۂ و دگر از سر گرفتہ ایم

عقیدت کے چند پھول

اقلیم معرفت کے تاجدار اور دنیائے تصوف کے شہریار، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت غوث بہاؤالدین ابو محمد زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت بذاتہٖ اس قدر متعارف ہے کہ ہزاروں خانوادے محض آپ کے نام نامی و اسم گرامی کی برکت سے غیر فانی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ درحقیقت غوث العالمینؒ نے سالہا سال کی ریاضت اور خداوند عالم کی عنایت سے ایسا مقام حاصل کر لیا تھا۔ کہ رہتی دنیا تک کروڑوں آدمی آپ سے فیضان حاصل کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ شہر بھی جس میں حضرت محو خواب ہیں۔ شرف و عظمت میں بغداد اور اجمیر کی طرح

شہرتِ دوام کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ جو لوگ ارباب طریقت سے گہرا رابطہ رکھتے ہیں۔ بغداد و اجمیر کی طرح غوث کی اس نگری کو بھی ملتان شریف ہی کہہ کر پکارتے ہیں عقیدتوں سے اعتقاد کا تو یہ عالم ہے۔ کہ وہ اس شہر میں جوتا پہن کر چلنا بھی سوءِ ادبی سمجھتے ہیں۔ اور ملتان کے آدمی تو بجائے خود رہے ملتان کا کتا بھی ان کی نظر میں خاص مرتبہ رکھتا ہے۔ گویا ؎

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتا ایں چہ بود
گفت مجنوں ایں سگے در کوئے لیلیٰ رفتہ بود[1]

شیخ الاسلام سید جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ —— جو تصوّف کے بحر بیکراں کے شناور اور ہزاروں عارفانِ حق آگاہ کے مرشد کامل ہیں۔ حضرت غوث العٰلمینؒ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں

آں سلطانِ ملّتِ مصطفوی وآں برہانِ دینِ محبّ نبوی وآں پروردۂ سلک نبوت وآں خواجہ دلیلِ فتوت وآں متمکن ہدایت وآں متوکل ولایت وآں والی قبۂ عزت و آں صفی پردۂ وحدت وآں آفتاب کرم و احسان وآں دریائے ورع و امکان وآں گنجِ عالم عزلت وآں خزینہ سرائے دولت وآں مبارز میدان مجاہدہ وآں مجاہد ایوان مشاہدہ وآں عامل راہِ ہدایت وآں کامل بارگاہِ عنایت وآں خلیفۂ الٰہی وآں داعی نا تناہی وآں زین زمان وآں رکن امان وآں تاج دین و دنیا وآں شمع زہد زاہداں وآں چراغ شرع و ملت وآں مشعلۂ دین و دولت، وآں سلطانِ شریعت وآں برہانِ حجت و طریقت وآں قدوۂ اولیاء وآں عمدۂ اتقیاء وآں مجرد باطن و ظاہر وآں فرد غائب و حاضر وآں زاہد متمکن وآں عابد متدین وآں سلطان الاولیاء وآں معلم الدرس والارث وآں حقیقت الاصفیاء وآں شمس صفوۃ الدنیا

---

[1] مجنوں نے لپک کر ایک کتے کے پاؤں چوم لئے۔ لوگوں نے کہا ارے یہ کیا —— ؟ کہا بھائی! یہ پاؤں لیلیٰ کے کوچہ سے گذر چکے ہیں۔ اگر میں نے انہیں چوم لیا ہے۔ تو اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے؟

والدین بدرالمشائخ بہاءالحق والدین ابومحمد زکریا القریشی الاسدی الکبیر المنیر قدس اللہ سرہٗ وروحہٗ وادام اللہ علینا فتوحاتہٗ الی آخرہٖ

درویش جمالی جو ہمایونی عہد کے مشہور مؤرخ اور سہروردیہ سلسلہ کے بجائے خود شیخ الکل ہو گذرے ہیں۔ انہوں نے حضرت کا تذکرہ کچھ ایسے ہی الفاظ میں فرمایا ہے۔

"آں گوہر دُرج شریعت وطریقت وآں اختر بُرج معرفت وحقیقت، آں رہنمائے منازل تصدیق وآں ابواب کشائے معارف تحقیق آں مرشد سالکان صاحب حال وآں رہبر رہروان اہل کمال آں زبدۂ انقیاء وآں خلاصۂ اولیاء بہاءالدین محمد زکریا قدس سرہ العزیز از اولیائے کبار بود ودر روشِ مشیخت صاحبِ اعتبار در علوم ظاہری مجتہد زمان ودر اسرار باطن سلطان سریر عرفان در عہد خویش از بے نظیرانِ روزگار بود ودر کشف وکرامت عدیم المثال ودر عبادت وریاضت مستقیم الاحوال ؎

آں محرم راز لامکانی — موصوف صفات جاودانی

افلاک بزیر پائے کردہ — در عالم عشق جائے کردہ

جاروفتہ از فنائے توحید — پا کوفتہ در بقائے تفرید

باطن بہویت وحقیقت — ظاہر بشریعت وطریقت

آں پاک گزیدۂ مشائخ — وآں مردم دیدۂ مشائخ

سلطان سریر ملک وتمکین — یعنی کہ بہائے ملت ودین

او مالک ملک لایزالیست — در سلکِ مجتنش جمالیست

(سیرالعارفین)

عراق، شام اور مصر کے شیخ الکل حضرت مولانا فخرالدینؒ عراقی نے حضرت کی شان میں جو قصیدے لکھے ہیں۔ ان کی یہاں گنجائش کہاں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

شیخ شیوخ جہاں قطب زمین و زماں ۔ غوثِ ہمہ انس و جاں مالکِ رقِ رقاب
ناشر علم الیقیں، کاشف عین الیقیں ۔ واصلِ حق الیقیں مہدی ہادی خطاب
مفضل فاضل نواز عالم عالم پناہ ۔ مکمل کامل صفات عالی عالی جناب
پرسی اگر از جہاں کیست امامِ زماں ۔ نشنوی از آسماں جز زکریّا جواب
در نظرِ ہمتش ہر دو جہاں نیم جو ۔ در کف دریا وشش ہفت فلک یک حباب
سالکِ مجذوب را بر درِ او باز گشت ۔ طالبِ مطلوب را از درِ او فتح باب
سدۂ اقبالہٗ قبلہ اہل الثواب ۔ کعبۂ افضالہٗ مامنِ اہل العقاب
قطرۂ الغامہ روح قلوب الصدور ۔ تربت اقدامہٗ کحل عیون المعاب
اے تو روشن جہاں ذرہ چگوید ثنات ۔ خاطرِ من ترک مدح تو خورشید تاب
پیشِ سلیماں چو مور تحفۂ آدم ملخ ۔ مجلس داؤد را نغمۂ طنین ذباب
چنگ بفتراک تو در زدہ ام بندہ وار ۔ تا شوم روزِ حشر با خدمت ہم رکاب
در کنف لطف تو بردہ عراقی پناہ ۔ در گہ رحماں بود غم زدگاں را مآب
گر شنود مصطفےٰ مدحت حسّان تو ۔ گویدم احسنت زہ صرت بکون الصواب

ولہٗ

روشندلاں آئینہ دل چو مصفا بینند ۔ روئے دلدار درآں آئینہ پیدا بینند
خاص حق صاحب قدوس بہاء الاسلام ۔ غوث حق رحمت عالم زکریا بینند
خاک پایش تبرک ہمہ در دیدہ کشند ۔ تا مگر از مددش نور تجلّیٰ بینند
قطب وقت اوست ہمہ عالم از و آسودہ ۔ بر درش زمرۂ ابدال تولا بینند
بیدلاں نظرِ او دلِ بینا یابند ۔ مردگاں از نفس او دمِ احیا بینند
مکرما بر درِ لطفِ تو پنا آوردیم ۔ بندگاں ملجائے خود در گہِ والا بینند

زآفتاب نظرت بر سر او سایہ فگن
تا مگر بر عکس سایۂ عنقا بینند

گرچہ چوں آہن زنگار پذیر است دلش
سوئے او کن نظرے کائینہ سیما بینند

بکشا از لبش اے موسیٰ عہد آب خضر
بعصائے کہ ترا بر ید بیضا بینند

بوسہ گاہ ہمہ پاکان جہاں باد درت
کز ہمہ در گہ تو ملجا و ماوٰی بینند

عالم از نفس نفیس تو مبادا خالی
کہ جہاں ہر دم از انفاس تو احیا بینند

ولہٗ

شیخ ربانی بہاء الحق والدین آنکہ ما
بوسہ بر خاک درش چوں قدسیاں ہر دم زنیم

پاتے چوں روح القدس بر دیدہ بر سدرہ نہیم
آتش از سوز دل در بنگہ آدم زنیم

خرمن ہستی بباد بے نیازی بر دہیم
دست در فتراک صاحب ہمت اعظم نہیم

خاک رویم از سر کویش بجاروب وفا
ور بما ند گرد کے، از دیدہ آنرا نم زنیم

حضرت میر حسینیؒ نے اپنی تصانیف میں عراقی سے بھی زیادہ شیخ کے قصائد لکھے ہیں۔
[طو]الت کے خوف سے ذیل کے چند اشعار پر اکتفا کی جاتی ہے ؎

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیاء
واصل حضرت ندیم کبریا

مفخر ملت بہائے شرع دیں
جان پاکش منبع صدق یقیں

از وجود او بنزد دوستاں
جنت الماوٰی شدہ ہندوستاں

منکہ رو از نیک و از بد تافتم
ایں سعادت از قبولش یافتم

رخت ہستی چوں ببرد از ایں جہاں
کرد پرواز ہما بر آسماں

آں بلند آوازۂ عالم پناہ
سرور عصر افتخار صدر گاہ

صدر دین و دولت آں مقبول حق
نہ فلک بر خوان جودش یک طبق

(کنز الرموز)

آباؤاجداد

آباؤاجداد

تمام مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ حضرت غوث العلمین حسب نسب کے لحاظ سے قریشی الاصل تھے۔ مخدوم سید جلال بخاری قدس سرہ جو حضرت غوث العلمین کے محبوب مرید اور نامور خلیفہ تھے۔ لکھتے ہیں۔ وَمَشَائِخُنَا کَانُوْا مِنْ رُؤُسَاءِ الْعَرَبِ وَسَادَاتِہِمْ اَشْرَفُ النَّاسِ حَسَبًا وَنَسَبًا لِاَنَّھُمْ قُرَیْشِیُّوْنَ الْاَشْرَفُوْنَ۔ یعنی ہمارے مشائخ عرب کے رئیس اور سردار تھے۔ اور از روئے حسب نسب بنی نوع انسان سے اشرف تھے۔ کیونکہ وہ ممتاز قریشی تھے۔ مخدوم حسن بخش صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین حضرت غوث العلمین نے حضرت کا شجرہ اپنی کتاب انوار غوثیہ میں اس طرح درج فرمایا ہے۔

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت غوث بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا بن شیخ وجیہہ[۱] الدین محمد غوث بن کمال[۲] الدین ابوبکر بن جلال[۳] الدین بن علی[۴] قاضی بن شمس[۵] الدین بن حسین[۶] بن عبد[۷] اللہ بن حسین[۸] بن مطرف[۹] بن خذیمہ[۱۰] بن حازم[۱۱] بن تاج[۱۲] الدین المطرف بن عبد[۱۳] الرحیم بن عبد[۱۴] الرحمن بن قصار[۱۵] بن اسد[۱۶] بن ہاشم[۱۷] بن عبد المناف۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

"نسب نامہ بالا سے واضح ہوگا۔ کہ حضرت غوث العالمؒ قریشی اسدی ہاشمی ہیں اور جناب کا نسب حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترھویں پشت یعنی حضرت ہاشم سے ملتا ہے بعض مورخین نے اس میں غلطیاں کی ہیں چنانچہ شیخ عین الدین بیجاپوری نے اس طرح لکھا ہے

عباد بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔ بیجاپوری صاحب کا یہ خیال بے
کیونکہ قدیمی نسب نامے جو اس خاندان میں چلے آتے ہیں۔ ان میں اس طرح درج ہے
کتب معتبرہ قدیمہ اور بزرگوں سے بھی پشت بہ پشت اس کی تصدیق ہوتی چلی آئی ہے۔ ان میں
طرح درج ہے جیسا کہ نسب نامہ بالا میں دکھایا گیا ہے۔ یعنی عباد بن اسد بن ہاشم بن عبد مناف
ایک قلمی کتاب خلاصۃ العارفین زمانہ قدیم سے مؤلف کے خاندان میں چلی آتی ہے اس
تمام اندراجات کی تصدیق قدیم و جدید کتب اور اقوال عامہ سے جو یہاں کے لوگ صدیوں
متواترًا سنتے چلے آئے ہیں۔ ہو چکی ہے۔ اور اس کے صحیح ہونے میں کبھی کسی کو کلام نہیں
اس کے پہلے باب میں لکھا ہے۔ کہ جب حضرت غوث العالم کے والد بزرگوار شہر بلا میں تشریف
لے گئے۔ اور وہاں شیخ عیسیٰ علیہ الرحمتہ فرزند ارجمند حضرت غوث الاعظم شاہ عبد القادر جیلانی
رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ تو انہوں نے بھی یہی فرمایا تھا۔ کہ "ھم تم بنی ھاشم ھیں"
حضرت شیخ عیسیٰ علیہ الرحمتہ سے باخبر بزرگ بے اصل بات منہ سے نہیں نکال سکتے تھے! اسنا
قدیمہ جو زمانہ سلف سے بہ ثبت مواہیر اکابر اعظم متواترًا چلی آتی ہیں۔ وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتیں۔ بزرگا
دین غلط بیانی سے مبرا ہوتے ہیں۔ اگر بنی ہاشم نہ ہوتے۔ تو انہیں تھوڑی سی بات کے لئے
اس قدر الزام اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ قریشی کا عالی نسب ہونا اور نسب نامہ کا جناب سرور
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پیوست ہونا تو خود ان کی تحریروں سے بھی ثابت ہے۔ اگر یہ سلسلہ
چوتھی پشت حضرت ہاشم تک بقول ان کے نہیں تو ایک دو پشت اوپر تو ان کے قول سے بھی
ثابت ہے۔ مؤرخوں اور سیاحوں کا کیا اعتبار ہے۔ کوئی کچھ بیان کرتا ہے۔ کوئی کچھ۔ تاریخی کتب
کے مطالعہ سے ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جس سے باخبر لوگ بخوبی واقف ہیں۔ خلاصہ
بحث یہ ہے۔ کہ حضرت غوث العالم یعنی حضرت بہاؤ الحق والدین ابو محمد زکریا قدس سرہ بنی ہاشم ہیں"
یہاں انوار غوثیہ کی عبارت ختم ہوتی ہے۔ بہرحال حضرت عباد اس خاندان کے مورث اعلیٰ

ہیں۔ اور آپ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام قبول فرمایا تھا سعودی لکھتا ہے۔ کہ

"حضرت ھبار رضی اللہ عنہ صحبت یافتگان حضرت رسالت سے تھے۔ آپ نے شروع میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی۔ مگر فتح مکہ کے بعد ایمان لے آئے اور اطاعت احکام دین میں بہت مستقل ثابت ہوئے"

حضرت ھبار رضی اللہ عنہ مالدار انسان تھے۔ مکہ مکرمہ میں آپ کی تجارت کی بڑی کوٹھیاں تھیں۔ شام اور مصر کو آپ کے کئی تجارتی قافلے آیا جایا کرتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد بھی آپ مستقل طور پر مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ اور اپنی ساری زندگی جوار کعبہ میں بسر کردی خطیب بغدادی کا بیان ہے۔ کہ حضرت ھبار کے فرزندوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے الجبال کا علاقہ جاگیر میں مرحمت کیا تھا (جو بعد میں خوارزم کے نام سے مشہور ہوا) حضرت ھبار کے دو صاحبزادوں کا تاریخ کی کتابوں میں ذکر آتا ہے۔ ایک حضرت عبدالرحمنؓ ہیں۔ جو حضرت غوث العلمینؒ کے مورث اعلیٰ تھے۔ اور دوسرے حضرت مالک رضی اللہ عنہ جن کے بیٹے خشرم کی اولاد الختارمہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ احمد بن یحیٰی بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ لکھتا ہے۔ کہ:۔

مجھ سے خشرم بن مالک بن ھبیرۃ الاسدی کی اولاد میں سے کسی نے کہا۔ کہ الختارمہ کے ماسبذان میں آنے اور رہنے کی ابتدا بنی اُمیہ کے آخر زمانہ میں ہوئی۔ جب کہ ان کا مورث اعلیٰ کوفہ سے یہاں آیا تھا (فتوح البلدان ص ۳۰۸)

اس سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اغلباً حضرت مالکؓ اپنے والد کی موجودگی ہیں ہی مکہ مکرمہ سے کوفہ منتقل ہو آئے ہونگے۔ یا ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے بابرکت عہد میں کوفہ چلے آئے ہوں حضرت عبدالرحمنؒ زندگی بھر مکہ مکرمہ میں رہے۔ اور انہوں نے دو فرزند اپنی یادگار چھوڑے ایک عبدالرحیمؒ اور دوسرے زبیرؒ۔ یہ دونو بھائی عباسیوں کے طرفدار تھے۔ بنو امیہ کی طرف

سے ان پر سختیاں ہوتی رہیں۔ یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے لیکن انہوں نے مکہ مکرمہ کو نہ چھوڑا۔ کچھ عرصہ کے بعد یکے بعد دیگرے ان کا انتقال ہوگیا۔ امیر عبدالرحیم کی مسند تاج الدین المطرف نے سنبھالی اور زبیر کا جانشین المنذر بنا۔ اس زمانے میں حکم بن عوانہ سندھ کا گورنر بنکر جارہا تھا۔ اس نے المنذر کو بھی ہمراہ چلنے کی ترغیب دی۔ چونکہ یہاں کے حالات مساعد نہ رہے تھے۔ اس لئے المنذر بن زبیرؒ مع اہل وعیال سندھ کو روانہ ہوگیا۔ اور وہیں بیانہ کے مقام پر جو مقابلتہً زیادہ سرسبز اور المنصورہ کے قریب واقع تھا۔ آباد ہوگیا۔ تاج الدین المطرف ابھی تک مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ جب مروان الآخر کو زمامِ خلافت سپرد ہوئی۔ اس نے امیر تاج الدین کو بیعت کے لئے مجبور کیا۔ لیکن چونکہ یہ ابراہیم بن محمد عباسی سے بیعت کر چکے تھے۔ اس لئے بلطائف الحیل ٹالتے رہے۔ انہی ایام میں ابراہیم شہید کردیئے گئے۔ اور ان کی وصیت کے مطابق عبداللہ بن محمد عباسی جانشین مقرر ہوئے۔ یہ بہت بہادر انسان تھے۔ اور اپنے کنبہ کے چودہ افراد کے ساتھ کوفہ میں ولید بن سعد کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے داعیوں اور نقیبوں کو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا رکھا تھا اور جگہ جگہ خفیہ طور پر رضاکار بھرتی کئے جا رہے تھے۔ حکومت کو عباسیوں کی ان سرگرمیوں کا پورا علم تھا جس پر ان کی حمایت کا تھوڑا سا شبہ بھی گزرتا۔ اسے گرفتار کرلیا جاتا۔ چنانچہ امیر تاج الدین المطرف کو بھی دارالخلافت میں طلب کیا گیا۔ ان دنوں خراسان میں ابومسلم کا طوطی بول رہا تھا۔ پایہ تخت سے کافی دور ہونے کے سبب حکومت بھی کوئی شدید کارروائی نہ کرسکتی تھی۔ اس لئے امیر تاج الدین نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ جب تک حالات سازگار نہیں ہوتے۔ مکہ مکرمہ سے خراسان کی طرف ہجرت کر جائیں۔

اپنے وطن کو چھوڑنا کوئی کم صدمہ نہیں تھا۔ اور پھر بیت اللہ جس کے طواف میں ہزارہا سال سے خاندان نسل در نسل بسر کرتا چلا آیا تھا۔ اس کے فراق کے احساس سے آنکھیں نمناک

اور دل چاک چاک ہوا جارہا تھا۔ مگر یہ سب کچھ گوارا کرتے ہوئے ایک دن امیر تاج الدین اپنے اعزا و اقارب اور متعلقین کو ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ سے نکل پڑے۔ کئی مہینوں کی مسلسل بادیہ پیمائی کے بعد یہ کارواں الجبال یعنی خوارزم کی ولایت میں داخل ہوا۔ راستے میں جہاں جہاں حکومت کے زخم خوردہ موجود تھے۔ وہ بھی ساتھ ملتے چلے گئے جس سے امیر تاج الدین کے پاس کافی جمعیت ہو گئی۔ صاحب منبع البرکات بحوالہ ملفوظ شیخ شمس الدین اس تفصیل کے اجمال کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"امیر تاج الدین رئیس دیار عرب بود۔ ودر بیت اللہ مبارک سکونت مے داشت چوں نوبت خلافت بہ مروان الحمار رسید۔ اوشاں با امیر تاج الدین تکلیف مے نمود کہ "بیعت ما قبول کنید۔ امیر ممدوح قبول نہ فرمود بہ مروانیاں مخالفت قلبی شد۔ ازیں سبب وطن مالوفہ را گذاشتہ مع لشکر در خوارزم رسیدند۔"

خوارزم کی حکومت چونکہ الجبال کا علاقہ اس خاندان کو خلافت راشدہ کے بابرکت دور میں بطور جاگیر کے مرحمت ہوا تھا۔ اس لئے امیر تاج الدین بلا تکلف ادھر بڑھتے چلے آئے — طغون بیگ قلعہ دار کو بھی پل پل کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ پہلے تو اس نے کوشش کی۔ کہ کسی طرح یہ سیلاب آگے کو نکل جائے۔ مگر جب اس نے دیکھا۔ کہ عرب اس ملک کو وطن بنانے کے آرزومند ہیں۔ تو اس نے شہر پناہ کے دروازے بند کرا دیئے۔ اور امیر تاج الدین نے بھی لپک کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ فصیل مضبوط دروازے فولادی۔ چاروں طرف گہری خندق۔ محاصرہ طویل ہو گیا سال بھر شہریوں کے ساتھ جھڑپیں ہوتی رہیں جب آذوقہ ختم ہو گیا۔ تو اہل قلعہ نے تنگ آ کر دروازہ کھول دیا۔ امیر تاج الدین فاتحانہ وار اندر داخل ہوئے۔ طغون بیگ گرفتار ہو کر آیا۔ اسے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ ان دنوں مروانیوں کے اقبال کا ستارہ غروب ہو چکا تھا اور امیر عبداللہ ممالک اسلامیہ کے خلیفہ بنا دیئے گئے تھے۔ اس لئے امیر تاج الدین نے

خوارزم کی آب و ہوا کو خوشگوار پا کر اپنی سکونت کی مستقل طرح ڈال دی۔ شہر میں عربی طرز
خوبصورت عمارتیں اور بالاخانے تعمیر کرائے۔ اور وطن بنا کر مقیم ہو گئے۔ شیخ برہان الدین
کی روایت کے بموجب امیر تاج الدین محمد نے اس شہر پر دس سال حکومت کی۔ ان کی و
پر امیر حازم نے عنان اختیار سنبھالی۔ ان کے بعد امیر خذیمہ المطرف، امیر حسین اور سلطان عبد
نے سالہا سال تک اس سرزمین پر حکومت کی۔ صاحب منبع البرکات کا بیان ہے۔ کہ سلطا
عبداللہ کا عرصہ حکومت چالیس سال کے لگ بھگ تھا۔ اس تاجدار کے چھوٹے بھائی ش
شمس الدین اپنے زمانہ کے بہت بڑے عارف اور چودہ علوم میں یکتا اور تبحر تھے۔ بعہد سلطن
شہزادہ حسین کو ان سے بڑی ارادت تھی۔ جب سلطان کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اسے تخت
شاہی پر لا بٹھایا۔ مگر چونکہ اس کی طبیعت میں فقر کو زیادہ دخل تھا۔ اس لئے اس نے امور سلطن
میں کچھ دلچسپی نہ لی۔ یہ ولی صفت تاجدار عم بزرگوار کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے حاضر ہو
تو انہوں نے بھی اس خیال کو تقویت دی اور فرمایا:۔

"اے عزیز! دو شمشیر در یک نیام نگنجند۔ اگر مال و منال دنیوی تمام و کمال حسبتہ للہ
در تصرف درویشاں نمائی۔ و تجرد بے اعتنائی اختیار کنی۔ آنچہ نصیب است بتو سپارم۔"

یعنی پہلے دنیا کی آلائش سے اپنا دامن صاف کرو۔ پھر اس وادی میں قدم رکھو۔ سلطان حسین نے
بلا تامل تمام خزانہ خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ اور تاج و تخت کو طلاق دے کر قلندرانہ ہیئت میں
عم بزرگوار کے سامنے پیش ہوئے۔ شیخ نے سلطان کو جو اس حالت میں دیکھا وجد میں آ گئے
اور جذب کی حالت میں ایسی نظر کی۔ کہ مرد کامل بنا دیا۔ صاحب تذکرہ اس کیفیت کو اپنے الفاظ
میں یوں بیان کرتا ہے۔

"شیخ (سلطان حسین) از نصائح عم فارق النعم ہیچ ابا نہ کرد۔ فے الفور تمامی خزائن از نقود
و فلوس و بہائم و اثاث البیت کلی و جزوی بنام اللہ تعالیٰ بدرویشاں و مسکینان و

مستحقاں صرف کرد۔ و نفیرِ عام داد۔ و خود تقنفس یک کلاہ دیمہ و آزار باقی داشت و در سلک مریدان و خدام شیخ المشائخ بنواخت"

خوارزم کا سلطان غزنی میں یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بنو عباس کا اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ اور غزنی کا بیدار بخت سلطان محمود کوس لمن الملک بجاتا ہوا۔ شرق و غرب کے ممالک پر اپنی ظفرمندی کے پرچم لہرا رہا تھا۔ اس کا بے پناہ لشکر گھٹا کی طرح اس طرف بھی بڑھا۔ سلطان کو جب معلوم ہوا کہ خوارزم کا شہر یار بتاج و تخت کو لات مار کر گوشہ نشین ہو چکا ہے۔ تو اُسے آپ کو ملنے کی خواہش ہوئی۔ دیکھا تو سو جان سے فدا ہو گیا۔ اور اپنے ہمراہ غزنی چلنے کی درخواست کی۔ شیخ شمس الدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور خوارزم میں حضرت کے لئے دلکشی کا کوئی سامان باقی نہ رہا تھا۔ اسلئے سلطان کی التجا پر غزنی آبسے۔ شہر میں مسجد جامع کے قریب آپ کا ایک حجرہ تھا۔ جہاں آپ یادِ الٰہی میں محو رہتے تھے۔ بکمال محویت اور استغراق کے سبب تین سال تک آپ سلطان کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ مگر محمود بھی ازل سے غیر معمولی عزم اور استقلال لے کر آیا تھا۔ وہ حضرت سلطان المشائخ کی بے اعتنائی سے مایوس نہ ہوا۔ انجام کار بخت نے یاوری کی۔ ایک دفعہ جبکہ سلطان حضرت کی خدمت میں دوزانو بیٹھا تھا۔ نظر کیمیا اثر کچھ اس طرح مرتکز ہوئی۔ کہ اس پر نہ صرف زمین و آسمان کے اسرار منکشف ہو گئے۔ بلکہ حضور محبوب رب العلمین کا جمال بے مثال بھی اس کی نظر میں بے حجاب پھر گیا۔ شیخ شرف الدین قریشی لاہوری نے سلطان حسینؒ اور سلطان محمود غزنوی کے روحانی تعلقات کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:-

"سلطان المشائخ در شہر غزنی بطرف جامع یک حجرہ مسکن ماوٰی فرمودند و لیل و نہار در یادِ حق تعالٰی صرف مے نمودند۔ سہ سال کامل بہ سلطان محمود التفات نہ شد۔ اما سلطان ہموارہ ارادہ بندگی و طناب سرافگندگی در گردن انداختہ رجوع مے کرد۔ انجام کار بخت یاور شد۔ و بیک نظر سلطان المشائخ مستنیر الطبقات سموی و منکشف الاسرار ارضی گشت

واز جمال بے مثال حضرت محبوب ذوالجلال حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام مشرف شد"

جہاد کا نفیر عام ان ایّام میں راجہ جے پال فرمانروائے پنجاب نے انداز ہ عہدی سلطنت غزنہ کے پنج قلعے چھین لیے تھے۔ یہ اطلاعات بھی پہنچی تھیں۔ کہ ہندوستان کے تمام راجے مہار اس کی پشت پر ہیں۔ اور انہوں نے اپنی تمام فوجیں جے پال کی امداد کے لئے روانہ کر دی ہیں۔ ان سب نے تہیہ کر لیا ہے۔ کہ مسلمانوں کے وجود کو صفحہ دہر سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر دم لیں گے۔ سلطان کفار کے لشکر کی کثرت اور ان کی طاقت سے فکرمند تھا۔ کہ ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ سلطان المشائخ کی ہمراہی میں حضرت خاتم الانبیاء کے دربار میں حاضر ہے فرماتے ہیں:۔

"محمود! ہندوستان کی ولایت کافروں سے بھری پڑی ہے۔ اس ملک کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اور اُسے اسلامی سلطنت میں داخل کرو[1] ———— !"

سلطان کا بیان ہے۔ کہ میں نے بسر و چشم اس حکم کی تعمیل کا ذمہ لیا۔ اسی وقت سرکار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک نورانی خلعت عنایت فرمایا۔ اور ارشاد ہوا۔ کہ یہ بارگاہِ رب العزت کی طرف سے انعام ہے۔

صبح کو سلطان نے تخت پر قدم رکھتے ہی اعلان کیا۔ کہ:۔

"ہر وہ شخص جو کلمہ طیبہ پر ایمان رکھتا ہے۔ ہندوستان کے کافروں سے لڑنے کیلئے تیار ہو جائے ———— !"

جونہی یہ نفیر عام لوگوں تک پہنچی تیر و تبر اور شمشیر و خنجر سے مسلح ہو کر حاضر ہونے لگے سلطان المشائخ شاہ حسینؒ بھی اپنے خدام سمیت جہاد کے لئے میدان میں نکلے سلطان غزنی سے ایک منزل پر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ کہ حضرت اپنے خادموں کے جلو میں تلوار حمائل کئے نمودار ہوئے سلطان

[1] ولایت ہندتمامی کا فراست سلطان محمود مراجع بطرف ہند شود و آں ملک را در مسلک اسلام آرد۔

گھبرا کر استقبال کو بڑھا اور قدم بوس ہو کر بولا۔

"حضرت! ہندوستان کا سفر نہایت دشوار گذار اور یہ مہم بے حد مخدوش ہے۔ حضور کیا تکلیف فرماتے ہیں۔ جناب کی دعا ہی کافی ہے۔ غزنی آپ کے سپرد ہے وہاں تشریف رکھیں۔ اور لشکرِ اسلام کی کامیابی کے لئے دعا فرماتے رہیں۔!"

سلطان المشایخ نے فرمایا:۔

"سلطان! یہ نفیرِ عام ہے جس شخص کے کانوں میں اِنفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا کی صدا پہنچ چکی ہے۔ اس پر فوج میں شمولیت فرض ہے۔ اور ہم پختہ وعدہ کر چکے ہیں۔ کہ اس جہاد میں ضرور حصہ لیں گے[1]"

سلطان نے جب دیکھا کہ حضرت کسی طرح واپس جانے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ تو اس نے آپ کی شمولیت کو تائیدِ الہٰی تصور کیا۔ اور خوش ہو کر کہا۔ کہ:۔

"اگر حضور کا یہی ارادہ ہے۔ تو پھر مسلمانوں کی فتح یقینی ہے۔ اور میں نے یہ منت مان لی ہے۔ کہ اگر لشکرِ اسلام کامیاب ہوا۔ تو مفتوحہ ملک خادمانِ حضور کے سپرد کر دونگا[2]"

چنانچہ رایتِ سلطانی نے حرکت کی۔ اور دس ہزار کے لشکرِ جرار نے ہندوستان کی جانب کوچ کیا۔

راستے کی صعوبتیں سلطان کی فوج ظفر موج ایک میل کے دور میں مسافت طے کر رہی تھی اور جہاں خیمہ زن ہوتی۔ وہاں بھی اتنی ہی زمین رک جاتی۔ کابل سے راجہ جے پال کی سرحد ایک سو پچاس فرسخ کے فاصلے پر پڑتی تھی۔ اس لئے لشکر کو ہر وقت چلنے سے کام تھا۔ کوہستانی

---

[1] نفیر عام اسلام است بر ہر یک تنفسِ مسلمین بشرطِ استماع فرض است و ترک فرض خیلے مشکل!

[2] ببرکت قدم رنجہ مرشدنا و استاذنا و امداد چنیں حضرت خاتم النبیین بر ولایت ہند مرا یقیناً فتح است۔ و من نذر نموده ام کہ اگر لشکرِ اسلام را فتح نصیب شد مفتوحہ ممالک نیاز خادمان حضرت خواہم نمود۔"

علاقے کو تو فوج نے بآسانی طے کر لیا۔ لیکن جب میدان میں داخل ہوئی۔ تو یہاں ایک بلائے
کا سامنا ہوا۔ ایک رات کو جبکہ تمام لشکر پڑا سوتا تھا۔ اچانک آتشبازی ہونے لگی۔ اس حادثہ
تمام فوج میں تہلکہ برپا ہو گیا۔ سلطان المشائخ اور بادشاہ کے خیمے ایک جانب تھے۔ اور وہ اس
آفت سے محفوظ تھے۔ لشکری اُفتاں وخیزاں حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ اور تمام ماجرا عرض کیا
شیخ سلطان کو ہمراہ لئے خیمہ سے باہر نکلے اور ہاتھ اُٹھا کر بارگاہِ رب العزت میں گڑگڑانا شروع
کیا۔ چند لمحوں کے اندر یہ بلا دفع ہو گئی۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ یہاں ارواحِ خبیثہ کا مسکن تھا۔
یہ انہی کی شرارت تھی۔ اب آرام سے سو رہو۔ وہ پھر تم سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔

دوسرے دن لشکر پھر گردش میں آیا۔ کئی روز چلتا رہا۔ تا آنکہ ایسے لق و دق بیابان میں آپہنچے
جہاں میلوں تک سرسبزی کا نشان تک نہ تھا۔ ایک ہفتہ تک پانی میسر نہ آیا۔ لشکر میں قیامت
برپا ہو گئی۔ سلطان نے گھبرا کر شیخ کی خدمت میں دعا کے لئے درخواست کی۔ حضرت نے
ہاتھ اُٹھائے ہی تھے۔ کہ آسمان پر ایک ٹکڑا ابر نمودار ہوا۔ اور ایسی بارش ہوئی۔ کہ ہر طرف
حدِ نظر تک پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔

دیپال گڈھ کا محاصرہ | کچھ عرصہ مسافت طے کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر ایک ایسے قلعہ
کے قریب پہنچا جس کی دیواریں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ اور دروازے ہفت دھات
کو شرماتے تھے۔ راجہ جے پال کا نائب رائے ہرپال یہاں متعین تھا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ
مقابلے پر نکلا۔ نہایت گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں ہرپال شکست کھا کر بھاگ گیا[1]۔ سلطان

---

[1] فرشتہ اور نظام الدین احمد لکھتا ہے کہ ۳۹۰ھ / ۱۰۰۰ء کے قریب سلطان ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے
کئی قلعے فتح کئے۔ اور ان میں اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے۔ ان فتوحات کے بعد وہ غزنی واپس چلا گیا۔ مولانا
ذکاء اللہ لکھتے ہیں۔ کہ جن مقامات پر وہ حملہ آور رہا۔ تاریخوں میں ان کی املا ایسی مختلف ہے کہ جن سے معلوم
نہیں ہوتا۔ کہ وہ مقامات اب کہاں ہیں (تاریخ ہند جلد اول)

یا لشکر فاتحانہ وار قلعے میں داخل ہوا۔حضرت نے اس شہر میں بڑی مسجد تعمیر کرائی۔اور سورہ مزمل کا کروڑ دفعہ ورد کیا جس کے سبب یہ قلعہ کوٹ کروڑ کے نام سے مشہور ہو گیا ؎

بُت و بت گرکا تھا جس جا یہ چرچا ہوا اسلام کا واں بول بالا
بنائے کفر اکھڑی بیخ دین سے کیا توحید نے ہر جا اُجالا

چلی ایسی نسیم لطف باری
بجھی دیپال گڈھ کی دیپ مالا

جب شہر کا انتظام درست ہو گیا۔تو سلطان نے راجہ دیپال کا تعاقب کرنے کے لئے تلمبہ کا قصد کیا۔چونکہ سیلاب کے دن تھے۔اور کشتیوں کے بغیر منزلِ مقصود پر پہنچنا ناممکن تھا اسلئے سلطان نے اپنے بھانجے امیر شہاب الدین کو کشتیوں کے انتظام پر مامور کیا۔

تمام افغانی لشکر نئے جوش اور تازہ ولولوں کے ساتھ تلمبہ پر تاخت کرنے کے لئے حکم شاہی کا منتظر کھڑا تھا۔سلطان بذاتِ خود لشکریوں کے سامان کا جائزہ لیتا پھرتا تھا۔ادھر سے تسلی کرنے کے بعد غزنی کا مجاہد اعظم سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کی۔کہ کوٹ کروڑ اور اس کے مضافات حضور کی نذر ہیں۔جیسا چاہیں انتظام فرمائیں ہمیں آگے بڑھنے کی اجازت دیں۔اور مجاہدین اسلام کی کامیابی کے لئے دعا فرمائیں"

سلطان المشائخ نے فرمایا۔کہ اگر آپ مجھے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تو کم از کم میرے لڑکے شمس الدین کو تو اس ثواب سے محروم نہ رکھیں۔جب تک آپ اپنی شمشیر جوہر دار کو نیام میں نہیں کرتے۔بوڑھے غازی کا یہ جواں سال فرزند آپ کے پہلو بہ پہلو دادِ شجاعت دیتا رہیگا الغرض شیخ کی دعاؤں میں لشکرِ سلطانی نے حرکت کی

ابو سعید ماچینی کے تین سے جو مقابلتہً کم گہرا تھا۔دریا کو عبور کر کے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ ڈالا۔جو قلعہ کے بالکل سامنے پڑتا تھا۔یہاں آکر مخبروں کی زبانی معلوم ہوا کہ راجہ تنبورہ

انتقال کرچکا ہے۔ اس کا بیٹا راجہ دیپال لاکھ سے زیادہ لشکر فراہم کر کے مقابلے کیلئے بالکل
تیار بیٹھا ہے۔ ادھر سے جوہر کار بے تجسس حال کے لئے لشکر سلطانی میں آئے۔ وہ ایسے وقت
میں یہاں پہنچے جبکہ مسلمان نماز پڑھنے میں مصروف تھے مسلمانوں کا والہانہ وار امام کی آواز
پر رکوع کرنا، سجدے میں گر پڑنا۔ ایک ایک رکن میں پوری متابعت کرنا۔ ان کے دلوں پر خاص
طرح سے اثر انداز ہوا۔ انھوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ تمہاری یہ کیا حرکت ہے۔ ایک زندہ
دل نے جواب دیا۔

"ہم مسافر ہیں۔ اور کئی دنوں سے بھوکے ہیں۔ کل راجہ کی ولایت پر حملہ کر کے اس ملک
کے باشندوں کو پکڑیں گے اور ان کے گوشت سے اپنا پیٹ بھرینگے[1]"

جاسوس یہ وحشت اثر خبر لے کر راجہ کے پاس واپس آئے اور اسے اس طرح بڑھا چڑھا کر
بیان کیا۔ کہ راجہ کانپ اٹھا۔ اس نے امرائے سلطنت کو بلا کر مشورہ کیا۔ طے پایا۔ کہ مع رعایا
جبیل گڈھ کی طرف منتقل ہو جائیں۔ اور وہاں سے کشتیوں پر سوار ہو کر ترکوں کے لشکر پر شبخون ماریں
ہر شخص نے اس صلاح کو پسند کیا۔ چنانچہ تمام فوج اور اہل بلدیہ اپنا قیمتی سامان جو وہ لے جا سکتے
تھے۔ اٹھا جبیل گڈھ کو بھاگ گئے۔ اور سلطان فتح و مسرت کے شادیانے بجواتا شہر میں داخل ہوا
بت خانے پامال ہوئے اور قلب شہر میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی۔

جبیل گڈھ کی فتح سلطان کو راجہ کے ارادہ کی خبر مل چکی تھی۔ اس لئے اس نے بلا توقف امیر
شہاب الدین کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اس نے جبیل گڈھ کے قریب پہنچ کر لشکر کو تین
حصوں میں بانٹ دیا یعنی میمنہ اور میسرہ کے علاوہ ایک حصے کو کمین گاہ میں بٹھایا۔ کہ جب راجے
کا لشکر حملہ آور ہو میمنہ اور میسرہ بڑھ کر اسے نرغے میں لے لے۔ اور جب لڑائی خوب شدت اختیار

---

[1] فردا دیار راجہ دیپال را تاخت و تاراج خواہیم کرد۔ واز بسیار ایام گرسنہ شدہ ایم مردمان آں ولایت را خواہیم خورد۔
(مطلع البرکات)

کر جائے۔ اس وقت کمین گاہ کی فوج اللہ اکبر کے نعرے لگاتی اس طرح حملہ آور ہو۔ کہ دشمن اسے ایک اور لشکر سمجھ کر بوکھلا اُٹھے۔

راجہ دیپال اور اس کے راجکمار جیپل نے جب سُنا۔ کہ اسلامی لشکر بالکل قریب آگیا ہے اور اس میں سلطان بھی نہیں ہے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے سرِ شام سَو کشتیاں سپاہ سے بھر کر شبخون کے لیے روانہ کیں۔ اور وہ دریا کو عبور کر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ خوب مقابلہ ہوا میمنہ اور میسرہ نے ہدایت کے مطابق راجے کی فوج کو نرغے میں لے لیا۔ اور ان کی کشتیاں چھین لیں۔ سلطانی لشکر کا وہ حصہ جو کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس وقت اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتا قضائے مبرم کی طرح آپڑا۔ کافروں میں سخت ہراس پھیل گیا۔ اس وقت وہ چوہوں کی طرح جان بچانے کو دوڑتے پھرتے تھے۔ لیکن بچ کر کہاں جاتے۔ ہر طرف اسلامی فوج فولادی حصار قائم کئے کھڑی تھی۔ صبح تک تمام کافر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے گئے۔ ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا جو راجہ کو جا کر امر واقعہ سے آگاہ کرتا۔ تلمبہ سے سلطان محمود اور شیخ شمس الدین کی آمد آمد ہوئی۔ یہاں راجہ دیپال رائے شبخون کے نتیجہ کا منتظر بیٹھا تھا۔ جو ہرکارے خبر رسانی پر مقرر تھے انہوں نے عجیب شگوفے چھوڑے ایک گروہ نے آکر یہ خبر اُڑائی۔ کہ ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آرہے ہیں۔ روزانہ بیس آدمی محض امرائے لشکر کے لیے ذبح کئے جاتے ہیں باقی لشکر کے لیئے خدا معلوم کس قدر ہندو ذبح ہوتے ہوں گے۔ اگر چند روز یہی کیفیت رہی۔ تو اس ملک میں بنی آدم کا نشان تک نہ رہے گا۔ تلمبہ سے جو لوگ جان بچا کر آتے تھے۔ انہوں نے بھی راجہ سے اسی قسم کی رپورٹ کی۔ کہ پہلے لشکر سلطانی کے لئے ہر روز دو ہزار آدمی ذبح ہوتے تھے۔ اب جو لشکر آیا ہے۔ اس میں بڑے بڑے آدم خور ترک ہیں جن کیلئے روزانہ تین چار ہزار آدمی درکار ہوں گے۔ یہ عظیم لشکر آج کل میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ جو مناسب معلوم ہو۔ فوراً کر گذریئے۔ اس خبر کے سننے سے راجہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ رات بھر مشورے

ہوتے رہے۔ صبح کو ہر جانب یہ منادی[1] سُنی گئی۔ کہ اس دیس میں آدم خوروں کا لشکر گھس آیا ہے اس لئے لازم ہے کہ سب لوگ اپنا گھر بار چھوڑ جیسلمیر چلے جائیں۔ ورنہ جو یہاں رہ جائیگا وہ ملیکھشوں کا لقمہ بن جائے گا۔" چنانچہ تمام ہندو جیسلمیر کو بھاگ گئے۔ اور جیسل گڑھ بغیر لڑے بھڑے ہاتھ آگیا۔ سلطان نے شیخ شمس الدین کی خدمت میں انتہائی ادب سے التماس کی کہ جب میں غزنی سے جہاد کی نیت سے نکلا تھا ———— میں نے منت مانی تھی کہ سلطان المشائخ کی ہمراہی میں جو قلعے فتح ہوں گے۔ وہ حضور کے خادموں کی نذر کرونگا اب جناب والا مجھے لاہور جانے کی اجازت بخشیں۔ اوران قلعوں پر اپنے اعتباری آدمی مقرر فرمائیں۔ شیخ شمس الدین سلطان کے ہمرکاب شہر کے باہر تشریف لائے۔ اور فرمایا۔" ترا بخدا سپردم"۔ جب تک سلطان کی سواری نظر آتی رہی۔ شیخ کھڑے دیکھتے رہے۔ ازاں بعد شہر کو واپس لوٹ آئے۔

حضرت نے شہر سے ملبہ اُٹھوا کر باہر پھنکوایا۔ شکستہ مکانوں کی مرمت کی۔ اور مضافات میں عام منادی کرادی۔ کہ شہر کے باشندوں سے جو بھی واپس آکر یہاں مقیم ہونا چاہے۔ اُسے پوری آزادی ہے۔ اس کے مذہب میں مطلقاً مداخلت نہ کی جائیگی۔ اس اعلان اور عفو عام کا یہ اثر ہوا کہ۔ لوگ جوق در جوق واپس آنے شروع ہوئے۔ اور چند دنوں کے اندر ہی اندر جیسل گڑھ پہلے سے زیادہ بارونق نظر آنے لگا۔ اب شیخ شمس الدین نے جیسلمیر۔ بیکانیر۔ جودھ پور۔ اُچے نگر اور ناگور کی طرف فوجی دستے روانہ فرمائے جنہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ ہر سمت سے مخالف اور ہدایا آنے لگے۔ اور وہ راجے جو پہلے مسلمانوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اب ان سے دوستی کے عہد و پیمان کرنے میں اپنی سربلندی خیال کرتے تھے۔ دس سال کامل شیخ شمس الدین

---

[1] ایں مرداں خونخوار ہستند و بدل گوشت آدم دیگر چیزے نمے خورند۔ بنابریں ہر کہ خویشتن را عزیز دارد ایں ملک را بگذارد و بطرف جیسلمیر راجع شود والا طعمہ ترکاں خواہد شد۔

نے جیبل گڑھ میں فرمانروائی کی۔ اس کے بعد خاص الخاص غلام مسعود بن عرب کو جیبل گڑھ کی نیابت اور خلافت مرحمت کر کے کوٹ کروڑ کو تشریف لے گئے۔

سلطان المشائخ شیخ حسین ہر وقت حجرہ اعتکاف میں رہتے تھے۔ انہیں امورِ سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اگر اس چیز کے آرزومند ہوتے۔ تو پہلے سے ہی اُسے طلاق نہ دیتے۔ شیخ شمس الدین ہی درحاصل اس نئی سلطنت کے فرمانروا تھے۔ ان کا اس دیس پر اپنا سکہ چلتا تھا۔ سرحدات پر فوجی چھاؤنیاں مقرر کر دی گئی تھیں۔ اور ان میں کافی لشکر ہر وقت موجود رہتا تھا۔ ہر جانب سے محاصل ملکی آنے شروع ہوئے۔ ملک میں فارغ البالی اور اطمینانی کا اس قدر دور دورہ ہوا۔ کہ کوئی کسی کا محتاج نہ رہا۔

معرکۂ چترووڑ ایک دن مسعود بن عرب کا ہرکارہ یہ اطلاع لے کر پہنچا۔ کہ راجہ دیپال مر چکا ہے اور اس کا بیٹا راجہ جیبل ٹھٹھ کی طرف سے دریا عبور کر کے کوٹ کروڑ پر حملے کرنے کا ارادہ کر رہا ہے لہذا مناسب ہے کہ حضور والا اس طرف سے غافل نہ رہیں۔ کیا خبر کہ دشمن کس وقت آپڑے۔ شیخ شمس الدین نے بلا توقف کوٹ کروڑ تو سلطان المشائخ کی ظلِ حمایت میں چھوڑا۔ اور خود دس ہزار سوار ہمرکاب لے راجہ کی گوشمالی کو روانہ ہوا۔ چترووڑ میں پہنچ کر اس کی فصیلوں اور خندقوں کو درست کرایا۔ اور عقاب کی طرح شکار کی تاک میں ہو بیٹھا۔ ایک سال کامل شیخ شمس الدین نے اس قلعہ میں قیام کیا۔ لیکن راجہ جیبل کی طرف سے کوئی جارحانہ کاروائی نہ ہوئی۔ اس اثنا میں سلطان المشائخ کے انتقال کی اطلاع ملی۔ شیخ شمس الدین کو اپنے قبلہ گاہ اور پیر و مرشد کے ساتھ حد سے زیادہ محبت تھی۔ یہ خبر وحشت اثر سنتے ہی بے قرار ہو گئے۔ فوج کے مختصر سے دستے کو ہمراہ لے کوٹ کروڑ کو عازم ہوئے۔ لیکن ابھی تھوڑی سی مسافت طے کی ہی تھی۔ کہ چترووڑ سے ایک ہرکارہ دوڑا ہوا آیا۔ اور خبر دی۔ کہ راجہ جیبل کا لشکرِ جرار جنگ کے ارادہ سے حدود اسلام میں داخل ہو چکا ہے۔ اور لوٹ مار کرتا بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ شیخ شمس الدین نے اپنے

صاحبزادے شیخ علی کو جن کی عمر اس وقت نو سال کی تھی۔ رقعہ تحریر کیا۔ کہ کافروں کے خرو
کرنے کے سبب میں واپس چترو ڑ جا رہا ہوں۔ مناسب ہے کہ فاتحہ خوانی کے بعد میرا انتظ
نہ کریں۔ اور حضرت سلطان المشائخ کی مسند سجادگی پر بیٹھ جائیں۔ تاکہ خلق خدا میں کسی قسم
اضطراب پیدا نہ ہو۔ یہ خط ایک معتبر اور پختہ کار قاصد کے حوالے کیا۔ اور خود برقِ خاطف کی ط
کافروں کی طرف لپکے۔ دریائے سندھ کے کنارے سات دن تک خونریز جنگ ہو
رہی۔ اور مسلمانوں نے ایسی بہادری دکھائی۔ کہ کافروں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ لیک
چونکہ امر الٰہی اسی طرح تھا۔ شیخ شمس الدین اپنے ہزاروں جاں نثاروں کے ساتھ
شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اور اُدھر ستر ہزار کافر جہنم رسید ہوئے۔ لڑائی ختم ہو
پر راجہ جیسل نے حکم دیا۔ کہ شیخ شمس الدین چونکہ ترکوں کا سردار ہے۔ اسے اسلامی رسو
کے مطابق دفن کیا جائے۔ مولانا محی الدین جو کہ فضلائے روزگار سے تھے۔ اور چترو ڑ میں
رہتے تھے۔ حضرت کی لاش مبارک کو میدان جنگ سے اُٹھوا لائے۔ اور قلعہ کے مشرق
میں انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ سپردِ خاک کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سلطان علی راجہ جیسل کئی دن تک چترو ڑ میں فتح و نصرت کے جشن مناتا رہا۔ اس کے بع
اپنے لاؤ لشکر سے کوٹ کروڑ کو روانہ ہوا۔ یہاں سلطان شمس الدین کی شہادت کی خبر پہنچ چ
تھی۔ اکابر امراء نے وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر سلطان علی کو تخت پر بٹھا دیا۔ راجہ کا لشکر
جب کروڑ کے قریب پہنچا۔ تو اس نے وکیل کے ذریعے پیغام بھیجا۔ کہ

"اگر تجھے اپنی زندگی عزیز ہے۔ تو خلوص نیت سے فرمانبردار بن کر ہمارے دربار میں
چلے آؤ۔ ورنہ میں تمہاری قوم کا ایک آدمی بھی زندہ نہ چھوڑوں گا[1]۔"

---

[1] اگر زندگی مے خواہی۔ طناب فرمانبرداری در گردنِ خود انداختہ بارگاہِ راجہ حاضر شو۔ والا از کردۂ پدر خود جنا
خواہی یافت کہ از قوم شما یک نفس زندہ نخواہم گذاشت (ملفوظ شیخ جلال الدینؒ)

کمسن سلطان نے وزراء کو جمع کر کے صلاح پوچھی۔ سب نے یہی جواب دیا۔ کہ میدان میں جا کر لڑنے کی سکت ہم میں نہیں ہے۔ اور نہ ہی کافروں کی اطاعت کا طوق ہم اپنی گردن میں ڈالنے کو تیار ہیں۔ مناسب یہی ہے۔ کہ قلعہ بند ہو کر دشمن کے حملوں کا جواب دیں چنانچہ سلطان نے راجہ کو یہی جواب بھجوا دیا۔ حملہ آور کے لئے یہ جواب توقع کے خلاف تھا۔ راجہ جیبل سخت جھنجھلایا۔ اُس نے حکم دیا۔ کہ تمام علاقے کو لوٹ کر خاک سیاہ کر دیا جائے۔ آگے کیا دیر تھی۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ اچھے اچھے گاؤں نذر آتش کر دیئے گئے۔ اور جو مسلمان ملا۔ اُسے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ اہل کروڑ قلعے کے دروازے بند کئے فصیل پر سے مدافعانہ جنگ لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک سال گذر گیا۔ اور قلعہ میں کھانے کے لئے کچھ نہ رہا۔ سلطان نے تنگ آ کر ارباب شوریٰ سے اس معاملہ میں پھر مشورہ لیا۔ غور و فکر کے بعد طے پایا۔ کہ راجہ کے پاس آدمی بھیج کر پیغام دیا جائے۔ کہ ہمیں یہاں سے صحیح سلامت نکل جانے دو۔ ہم قلعہ حوالے کر دینگے۔ چنانچہ ابن مسعود کو اس مہم پر روانہ کر دیا گیا۔

راجہ کو قلعہ کی اصلی کیفیت معلوم ہو چکی تھی۔ ابن مسعود کی تقریر کا اس پر کیا اثر ہوتا! انجام کار راجہ نے مفاہمت کی آخری صورت یہ پیش کی۔ کہ اگر اہل قلعہ اپنے بادشاہ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ تو ہم مسلمانوں سے کچھ تعرض نہ کرینگے۔ نہ انہیں قلعہ سے نکالیں گے اور نہ ان کا مال غصب کرینگے[1]

ابن مسعود مایوس ہو کر واپس لوٹا۔ اور جب اس نے اہل قلعہ کو راجہ کا یہ پیغام دیا۔ تو سب نے بالاتفاق کہا۔ کہ ہم اپنا کٹ مرنا منظور کرینگے۔ لیکن اپنے سلطان کو ایسے ظالم اور خونخوار راجہ کے حوالے نہیں کرینگے۔" جواں بخت سلطان نے کہا" فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اگر ہمارے

[1] بازوے امیر سلطان علی بیرون کشیدہ بمن تفویض کنید۔ و شمایان وتمامی رعایا بجمیعت در قلعہ نشستہ باشید۔ سوائے این دیگر نخواہم کرد۔
ملفوظ سید جلال الدین؛

سلطان علیؒ کی کرامت

جانے سے اہل قلعہ کو امان ملتی ہے۔ تو یہ سب سے بہتر ہے"۔ یہ
کھڑے ہوگئے۔ خدام نے شدید پیش کیا۔ اور اس پر سوار ہو کر کفار کے لشکر کو روانہ ہوئے۔
کروڑ کو اپنے بادشاہ سے دلی عشق تھا۔ انہوں نے جب سُنا۔ کہ سلطان ہم پر سے تصدق ہو
کو راجہ کے ہاں جا رہا ہے۔ وہ بیتاب ہو کر باہر نکل آئے۔ اور رو رو کر سلطان سے وا
جانے کی منتیں کرنے لگے۔ اور جب حضرت نے یہ نہ مانا۔ تو ساتھ چلنے کی اجازت مانگی۔ سل
نے رعایا کو تسلی دی۔ اور فرمایا ـــــ اگر خدا نے چاہا۔ تو میرا بال بیکا تک نہ ہوگا۔ ہم ناصر حقیقی
امان میں جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ بخیریت واپس آئینگے"۔ الغرض سلطان نے حکماً افراد رعایا کو وا
لوٹا دیا۔ اور خود ابن مسعود کی کی راہنمائی میں راجہ کے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔ کافروں
بھی سلطان کے آنے کی بھنک پہنچ چکی تھی۔ خدا معلوم انہوں نے کیا کیا منصوبے باندھ رکھے
ہونگے۔ لیکن جونہی ان کی نگاہ سلطان علیؒ کے چہرے پر پڑی۔ ان کی آنکھیں نورِ بصارت سے
محروم ہوگئیں۔ اس کرامت کو دیکھ کر راجہ جبیل نے عرض کی۔ کہ حضرت ہماری بصارت کا علاج
فرمائیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں۔ کہ "آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دینگے۔ اور فی الفور واپس لوٹ
جائیں گے ـــــ!"

سلطان علیؒ نے پانی کا آفتابہ منگوا کر وضو کیا۔ اور کافروں کے لشکر میں منادی کرائی۔ کہ "جو
شخص ہمارے وضو کا پانی آنکھوں پر ملے گا۔ اس کی بصارت عود کر آئے گی۔"! چنانچہ آفتابہ
پہلے راجہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس نے چند قطرات آنکھوں پر لگائے۔ فوراً آنکھیں روشن
ہوگئیں[1]۔ اس کے بعد اس نے اپنے متعلقین کی آنکھوں پر لگوایا۔ پھر اہل لشکر نے پانی ملا کر اپنی
آنکھوں پر لگانا شروع کیا۔ جس سے تمام لشکری دیکھنے لگ گئے۔ راجہ پر سلطان کی روحانی قوت

[1] فرمود ہر کہ آبِ وضو بر چشمانِ خود مالد بصارت اورا میسر شود۔ اول راجہ جبیل و اقربا او آبِ مستعمل بر چشمانِ خویش مالید
ہمہ مردم بصارت یافتند۔ زاں بعد تمام لشکر آب وضو مالید۔ وبینا شدہ راہ ملک خویش گرفت۔ (منبع البرکات)

کا اتنا رعب پڑا۔ کہ وہ لشکر سمیت چپ چاپ واپس لوٹ گیا۔

سلطان علیؒ فیروزمندی کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کا غل ہوا۔ علماء اور مشایخ نے مساجد میں شکرانے کے سجدے کیے۔ امرا اور اراکین سلطنت نے حضرت پر سے زر و جواہر تصدق کر کے فقرا اور مساکین میں تقسیم کیے۔ سلطان کی والدہ ماجدہ بی بی عصمت خاتون تاحال اسم اعظم کے ورد میں مصروف تھیں۔ شہزادہ قدمبوس ہونے کے لئے جھکا توجونک کر بولیں۔ رسالت مآب روحی فداہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش تھا۔ ارشاد ہوا کہ سلطان علی چالیس سال اس ملک پر حکمرانی کرے گا۔ یہ کہہ کر مادرانہ محبت سے سلطان کے سر پر بوسہ دیا اور پھر مراقبہ میں مصروف ہوگئیں۔

سلطان علی نے چالیس برس نہایت اطمینان سے ولایت کروڑ پر فرمانروائی کی۔ ایک روز تخت شاہی پر بیٹھے تھے کہ دفعتہً دیوار شق ہوئی۔ اور ایک سفید ریش بزرگ نے نمودار ہو کر فرمایا

"اے فرزند! زود شو! وخود را در بارگاہ صمدیت برساں۔ وبجائے خود خلف برگزیدہ افعال سلطان جلال الدین بر تخت سلطنت بنشاں ———!"

سلطان علیؒ یہ فرمان سن کر بلا تامل کھڑے ہو گئے محلسرائے سلطانی میں جا کر غسل فرمایا اور نماز کے لئے مصلّی پر تشریف لائے۔ جب سجدہ میں گئے۔ روح پر فتوح اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی۔

سلطان جلال الدین سلطان علیؒ کے بعد ان کے فرزند جگر بند سلطان جلال الدین نے اپنے آبائی تخت پر جلوس کیا۔ ان کا زمانہ انتہائی آسودگی اور فارغ البالی کا تھا۔ غزنوی سلاطین کمزور ہو چکے تھے۔ اور سلطان علاؤالدین روز بروز طاقت پکڑتا جا رہا تھا۔ لیکن سلطان علی سے دونوں کے تعلقات خوشگوار رہے۔ آپ کے صاحبزادے کمال الدین شاہ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ امرائے سلطنت نے آپ کو سلطان المشایخ کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ اور ولیعہد سلطنت کو سلطان ابوبکر کے لقب سے تخت نشین کیا۔

کمال الدین ابوبکر | ان کے عہد کے ابتدائی دور میں مسعود بن عرب حاکم جیسل گڑھ نے
درخواست کی۔ کہ بندہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ اور بقیہ عمر یادِ الٰہی میں بسر کرنے کا آرزو مند ہے
کرم اس خدمت سے سبکدوش فرمایا جائے۔ سلطان نے اس خیال کے پیش نظر کہ مس
کہن سال اور تجربہ کار امیر ہے۔ اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ میرے آباءِ کرام کی صحبت میں
بسر کیا ہے۔ اسے اپنے حضور میں رکھنا زیادہ موزوں ہے اس بنا پر اس کا استعفا منظ
کر کے ابوالفتح بن عبداللہ کو جو عرصہ دراز سے کوٹ کروڑ کا کوتوال چلا آتا تھا جیسل گڑھ
کا حاکم مقرر کیا۔ جس نے آٹھویں دن جیسل گڑھ کا انتظام جا سنبھالا۔ اور مسعود بن عرب فا
ہو کر حضور میں روانہ ہو آیا۔

کتخدائی | مسعود بن عرب روایت کرتے ہیں۔ کہ سلطان کی شادی آبادی غزنی کے ایک
رئیس سکندر کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ مگر اس سے کوئی اولاد نہ تھی۔ اور وہ بیچاری لاو
فوت ہو چکی تھی۔ امرائے دولت نے کئی ایک رشتوں کی بابت تحریک کی۔ مگر حضور خاموش رہے
ایک دفعہ حضور مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ اور یہ ناچیز ان کے پس پشت کھڑا تھا۔ دفعتہً حضرت نے
سر اُٹھایا۔ اور میری طرف دیکھ کر فرمایا۔

مسعود بابا! میں نے ابھی لوح محفوظ میں قلم قدرت سے لکھا ہوا دیکھا ہے۔ کہ شیخ محمود
اوچی کی معصومہ ہمارے عقد ازدواج میں آئے گی۔ اس سے دو فرزند تولد ہوں گے
ایک کا نام شیخ احمد ہوگا۔ اور دوسرے کا شیخ محمد دونو صاحب کمال ہوں گے اور
ان کی اولاد سے عارف باللہ اور رئیس الاولیا پیدا ہونگے۔ لہٰذا بلا توقف شادی کا انتظام
کیجیے[1]

[1] مسعود بابا! در لوح چنیں نوشتہ دیدہ ام کہ معصومہ شیخ محمود اوچی کہ نسب و نسل او از قبیلہ فاروقی است۔ در عقد نکاح نصیب بابان است و از آں دو فرزند متولد خواہند شد یکے شیخ احمد دوم شیخ محمد و ہر دو را درجات چنداں از قدرت ذوالجلال عطا ست۔ کہ حدے و نہایتے ندارد و از اولاد شاں کرسی بہ کرسی ولادت عارف باللہ و رئیس الاولیا خواہد شد (نبع البرکاتؒ)

شیخ مسعود فرماتے ہیں کہ میں ساعت سعید دیکھ کر اُوچ کو روانہ ہوگیا۔ چند روز کے بعد قصبہ اُچ میں جا پہنچا۔ اور شیخ محمود کی خدمت اطلاع بھجوائی۔ شیخ اپنے فرزند کی معیت میں فوراً استقبال کو برآمد ہوئے۔ اور انتہائی عزت و احترام سے اپنے دیوان خانہ میں لے گئے۔ دوسرے دن حرف مطلب زبان پر لایا۔ شیخ نے اس نسبت کو بڑی خوشی سے قبول کیا۔ اور بہت سے تحفے سلطان کے لیئے عنایت کیے۔ بندہ بڑی کامیابی سے واپس کروڑ آیا۔ اور تمام تفصیل حضور میں عرض کی۔ آنحضرت نے خاکسار کو خلعت ہائے فاخرہ مرحمت کیے۔ اور انہی ایام میں بڑے ٹھاٹھ سے اُچ پہنچ کر شیخ محمود کی صاحبزادی بیاہ لائے۔

اس پاک دامنہ سے ایک سال کے بعد شیخ احمد پیدا ہوئے۔ اور چوتھے سال شیخ محمد تولد ہوئے۔ جب دونو صاحبزادے پندرہ سال کے لگ بھگ ہوئے۔ بی بی صاحبہ کا انتقال ہوگیا اس کے بعد سلطان ابوبکرؒ نے کوئی شادی نہ کی۔ اور شیخ احمد کو تخت و تاج سپرد کر کے گوشہ نشین ہوگئے۔ شیخ احمد بالعموم ملک کے نظم و نسق کے لیئے دورہ پر رہتے لیکن شیخ محمد علی الدوام حاضر حضور رہ کر خدمات شایستہ بجا لاتے۔ اس زمانہ میں سلطان نے سرآلاذکار الماضیینؑ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس میں اپنے آباء عظام کے حالات تفصیل سے درج کیے۔

وفات سلطان اسّی برس کے ہو چکے تھے اور ہر وقت "صدائے ارجعی" کے منتظر رہا کرتے تھے ایک مرتبہ جبکہ شیخ احمد اپنے لشکر سمیت تلمبہ میں آئے ہوئے تھے سلطان کی طرف سے تاکیدی فرمان پہنچا۔ کہ جس قدر جلد ممکن ہو۔ ہمارے پاس پہنچنے کی کوشش کرو۔

سلطان احمد چیدہ سواروں کو ہمرکاب لے کر شب و روز سفر کرتے کہروڑ آ پہنچے۔ حضرت نے تسبیح مصلّٰی۔ گودڑی۔ عصا اور دوسرے تبرکات ان کی تحویل میں دیدیئے۔ اور خود حجرہ بند کر کے نوافل میں مصروف ہوگئے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ "مرغ سحر" "قوموا کم تنامو" کا اعلان کرنے کیلیئے پر تول رہا تھا کہ سلطان ابوبکرؒ نے سرائے فانی کو انتقال فرمایا۔

لہ افسوس ہے کہ انتہائی کوشش کے باوجود یہ کتاب دستیاب نہیں ہوسکی۔

مولانا وجیہہ الدین محمد غوث رحمتہ اللہ علیہ

شیخ محمد غوث اپنے والد بزرگوار سلطان ابوبکرؒ کے مرید تھے۔ اور آپ نے ان کی خدمت میں رہ کر علم شریعت اور علم لدنی میں خاصی استعداد حاصل کر لی تھی۔ سلطان نے عالم وفات میں فرمایا:۔

"جگر گوشہ من! نصیبہ شما در صحبت حضرت خضر است۔ از آنہا متجلّی خواہد شد۔ ولیکن ملاقات حضرت حضرت اولیاء در بیت اللہ شما میسر نوانند شد۔"

یعنی جو کچھ ہم سے ملنا تھا۔ مل چکا۔ باقی حضرت خضرؑ کی پیشگاہ عالی سے مرحمت ہوگا۔ اور ان کی ملاقات تمہیں بیت ربی میں میسر آسکے گی۔" اس لئے والد بزرگوار کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی شیخ محمد غوث نے مکہ مکرمہ کا رُخ کیا۔ پہلے حصار شادماں میں پہنچے۔ یہاں شیخ محمد نور سے ملاقات ہوئی۔ اور ایک ہفتہ ان کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ ازاں بعد بلخ آئے اس جگہ شیخ احمد خضرویہ کی بڑی شہرت ہو رہی تھی۔ دس دن ان کی خدمت میں بسر کئے ان سے رخصت ہو کر دمشق پہنچے۔ اور شیخ وجیہہ الدین محمد کی زیارت کی۔ اُنہوں نے آپ پر بڑی شفقت فرمائی۔ اور اپنے ہاں رہنے کو کہا۔ لیکن بغداد کی کشش نے آپ کو وہاں ٹھہرنے نہ دیا۔ چنانچہ وہاں سے رخصت ہو کر خلفائے بنو عباس کے پایۂ تخت بغداد میں پہنچے۔ مستنصر باللہ کا زمانہ تھا۔ ہر طرف علمی درس گاہیں قائم تھیں۔ بڑے بڑے باکمال علماء اور مشائخ قال اللہ و قال الرسول کا درس دے رہے تھے۔ آپ نے حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر حاضری دی۔ رات کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ وہاں خواجہ خضرؑ بھی موجود تھے۔ حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ کا ہاتھ پکڑ کر خواجہ خضرؑ کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس رات کو بڑا فیض پہنچا۔ یہاں سے روانہ ہو کر جدّہ شریف آئے۔

اس جگہ کئی راتیں سخت ریاضت میں بسر کیں۔ ایک رات کو خواجہ خضرؑ تشریف لائے۔ اور فرمایا۔
"وجیہہ الدین ——— اُٹھو!"
آپ کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر بیت اللہ شریف میں پہنچا دیا ؎

اولیا را نسبت مشکل این چنین | میرونداندر دمے تا ملک چیں
برفرازند فلک چوں سے رود | پس چہ باشد پیشِ مرد حق زمیں

شیخ نے حرم میں پہنچ کر حنفی مصلّی پر سجدہ شکر ادا کیا۔ اور جو کچھ کہ مقدر میں تھا۔ وہ خواجہ خضرؑ سے حاصل کیا۔ حضرت نے چودہ سال مکہ مکرمہ میں گزارے اور چودہ حج کئے۔ ازاں بعد مدینہ عالیہ پہنچے اور چودہ سال حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کی مجاورت کی۔ یہاں بیشمار فیوض حاصل کئے۔ شیخ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ ہر وقت استغراق کا عالم رہتا تھا۔ تن بدن کا کچھ ہوش نہ تھا ؎

محو خیالِ یار چہ داند کہ در چمن
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

شیخ محمدؒ غوث کرخ میں ایک رات سرکارِ دو عالم روحی فداہ کی سرکار سے ملتان جانے اور وہاں تبلیغ اسلام کرنے کا اشارہ ہوا۔ چنانچہ حضرت ملتان کے ارادہ سے چل پڑے۔ جب کرخ[1] میں پہنچے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قریب کے جنگل میں دو شیروں نے اپنا مسکن بنا رکھا ہے۔ اور کوئی جاندار ان سے زندہ بچ کر نہیں گذر سکتا۔ حضرت نے لوگوں سے فرمایا۔
"مجھے وہاں لے چلو[2] ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے یہ مصیبت دفع ہو جائے ——!"

---

[1] یہ کرخ غالباً وہی شہر ہے جہاں حضرت معروف کرخی کا مزار ہے
؎ نہ دانی کہ در کرخ تربت بسے است
بجز گورِ معروفؒ معروف نیست

[2] تبائید و فضلِ خداوند پاک
بیائید و مارا نمائید زود
بہمین عنایات پروردگار
کنم ہردو شیران جنگی ہلاک
بخوانید بر مصطفےٰ ہاں درود
شود قدرتِ حق کنوں آشکار

ایک ہجوم ساتھ ہو پڑا۔ جب جنگل میں پہنچے حضرت نے فرمایا۔

"تم سب لوگ درختوں پر چڑھ جاؤ۔!"

اتنے میں جنگل سے شیروں کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی وہ دم اٹھائے برآمد ہوئے۔ سب لوگ ہراساں ہو کر درختوں پہ چڑھ گئے۔ لیکن حضرت بڑے اطمینان سے کھڑے رہے۔

شیر زقند بھرتے اور ڈکارتے آئے۔ مگر جونہی ان کی نظر حضرت کے چہرۂ اقدس پر پڑی سہم گئے۔ اور قریب پہنچ کر اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیا۔

حضرت نے گرج کر فرمایا۔

"سر اونچا کرو ——— !"

شیروں نے سر اونچا کیا۔ مگر اس وقت وہ ایک دوسرے سے ایسے بگڑے کہ ایک دوسرے کو پنجے مار مار کر ہلاک کر ڈالا۔

لوگ جو درختوں پر بیٹھے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اطمینان کا سانس لیتے ہوئے نیچے اترے اور حضرت کو بڑے ادب اور احترام کے ساتھ شہر میں لے گئے۔

ہامہ کا سفر انہی ایام میں ایک تجارتی قافلہ ہامہ کو روانہ ہونے والا تھا۔ کرخ اور ہامہ میں چند دنوں کا سفر تھا۔ اور راستے میں ڈاکے پڑتے تھے۔ جب انہیں حضرت کی کرامت کا علم ہوا تو انہوں نے باہم مشورہ سے طے کیا۔ کہ کسی طرح منت سماجت کر کے حضرت کو اپنے ہمراہ لے چلیں۔ تاکہ ان کی برکت سے قافلہ بخیریت منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ چنانچہ سب نے حاضر ہو کر شیخ سے ہامہ چلنے کی درخواست کی۔ آپ کا تو پہلے سے ارادہ ہی یہی تھا۔ بلا تامل راضی ہو گئے۔ عشاء کی نماز کے بعد کوچ ہوا۔ اور جب صبح صادق ہوئی تو اہلِ قافلہ نے کیا دیکھا کہ شہر ہامہ نظر آ رہا ہے۔ ہر شخص حیرت و استعجاب میں ڈوب گیا۔

اہلِ بامہ نے بھی تعجّب کیا۔ قافلے والوں کا مال اچھی قیمت پر فروخت ہو گیا۔ اور انہیں بڑا نفع ہوا۔

شیخ عیسیٰ قادریؒ سے ملاقات اس شہر میں حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے فرزند ارجمند شیخ عیسیٰ رحمتہ اللہ علیہ سکونت رکھتے تھے۔ آپ کا چرچا سن کر ملاقات کو آئے۔ دورانِ گفتگو میں انہوں نے آپ کی جبینِ قدس سے قطبیت اور غوثیت کی تجلیات منعکس ہوتے دیکھیں تو نورِ باطن سے معلوم کر لیا۔ کہ ان کی پشت سے کسی غوث الاغوات کو دنیا میں منتقل ہونا ہے۔ ان کی صاحبزادی سیدہ فاطمہؒ جوان ہو چکی تھیں۔ آپ اس کی شادی کی فکر میں تھے۔ شیخ کو دیکھ کر انہوں نے یہ اثر لیا۔ کہ معصومہ کو اس سے بہتر شوہر کا ملنا دشوار ہے۔ یہ خیال ذہن میں لے کر رخصت ہوئے۔ دوسرے دن جب شیخ ملاقات کو آئے تو حضرت نے یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ مگر شیخ نے پاس ادب سے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت نے بصفائی باطن معلوم کر کے فرمایا کہ :۔

"آپ اور ہم دونوں ہاشمی ہیں۔ قبائل کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔[1] آپ اس پیوند کو منظور کر لیں"۔

اور ساتھ ہی یہ روایت پیش فرمائی۔

وَلَا یُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ بَیْنَ قُرَیْشٍ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَوَّجَ بِنْتَیْہِ مِنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَزَوَّجَ عَلِیٌّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ بِنْتَہٗ اُمَّ کُلْثُوْمَ مِنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ (انتھی علی قدر حاجتہ)

یعنی قریش کے قبائل کا آپس میں ایک دوسرے پر افضل ہونے کا دعویٰ کچھ وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی لختِ جگر ام کلثوم حضرت عمرؓ سے بیاہ دی تھی۔

---

[1] درمیان ما و شما حسب و نسب صحیح تفاوتے نیست کہ ہر دو ہاشمی ہستیم۔ خلاصۃ العارفین قلمی (خطاط ضیاء الدین ملتانی) ۱۳۰۲ھ

انجام کار شیخ نے مجبور ہو کر قبول کر لیا۔ اور نکاح ہو گیا۔ صاحب منبع البرکات کی تحقیق بموجب شیخ چھ ماہ وہیں مقیم رہے۔ اس کے بعد مع اہل و عیال منازل و مراحل طے کر کے شاہ کھر وڑ آ پہنچے۔

شیخ احمد غوث کی شادی | شیخ محمد غوث کے سفر پر چلے جانے کے بعد کھروڑ کا نظم و نسق سلطان احمد غوث نے سنبھال رکھا تھا۔ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا۔ کہ شیخ المشائخ سلطان علی حجرہ میں تشریف فرما ہیں۔ کہتے ہیں۔ بیٹا اُمور مملکت میں کیوں عمر برباد کرتا ہے۔ سوائے علم لدنیؔ کے دنیا میں کچھ نہیں۔ تجھے حضرت جمال الدین سلیمان سے مراد حاصل ہوتی ہے۔ وہاں پہنچنے کی کوشش کر[1]۔"

بقول صاحب منبع البرکات اسی روز علی الصباح امور مملکت شیخ حسن کے سپرد کر کے سلطان احمد غوثؒ کھوتوال کو روانہ ہو گئے۔ ایک ہفتہ کی مسافت کے بعد شیخ اس قصبہ میں داخل ہوئے اور مرشد کی خدمت میں پہنچ کر قدمبوس ہوئے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ

"سلطان علیؒ کے اشارہ پر آئے ہو۔؟"

عرض کی "حضرت سے کیا پوشیدہ ہے۔!"

فرمایا "تسلی رکھ۔ انشاء اللہ بامراد جاؤ گے۔"

اُسی وقت حجرہ مرحمت فرمایا۔ اور روزہ کا حکم ہوا۔ دو سال کے عرصہ میں چالیس مجاہدے کرائے گئے۔ اور اس کے بعد جو نصیبہ حضرت جمال الدین سلیمان کے پاس امانت چلا آتا تھا مل گیا۔ الغرض تین سال کے عرصہ میں عرفان کی نعمت سے مالا مال ہو کر شیخ احمد غوث اپنے وطن مالوف میں تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ بعد شیخ محمد غوث نے

[1] اے فرزند! در مخاطرہ دنیا اوقات عمر چرا حرف می نمائی۔ بغیر علم لدنی ہمہ لے جا است۔ و نصیب شما از خدمت جمال الدین سلیمان از حضرت صمدیت مقرر است و در قصبہ کھوتوال سکونت دارند۔ برو خدمت ایشاں الزامی دار ہر چہ نصیب است تو خواہد رسید۔ (منبع البرکات حقانی بحوالہ مکاتیب شیخ حسن دیپال پوری)

اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرزمین کہروڑ کو مفتخر فرمایا۔ مدت کے بچھڑے ہوئے بھائی گلے لگ کر ملے۔ اور بہت خوش ہوئے۔ کوٹ کروڑ کے گھر گھر میں چراغاں ہوا۔ چند یوم کے بعد شیخ احمد غوث نے فرمایا۔ کہ

"اے بھائی! شیخ عیسیٰؒ کی دوسری معصومہ میرے نکاح میں آئے گی۔ کیونکہ لوحِ تقدیر میں اسی طرح لکھا ہے"۔

شیخ محمد غوث نے یہ معاملہ اپنی اہلیہ محترمہ کے آگے رکھا۔ وہ اس رشتہ سے بہت خوش ہوئیں اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں خط لکھ کر شیخ احمد غوث کے لئے سفارش کی۔ وہ بھی رضامند ہو گئے۔ چنانچہ دونو بھائی مع بی بی فاطمہؒ کے بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ اور بی بی جنت خاتون کو بیاہ لائے۔ ملبع البرکات کے الفاظ یہ ہیں۔

چوں شیخ محمد غوث مع قبائل از بغداد رسید۔ بعد از چند روز شیخ احمد فرمود۔ "اے برادر! معصومہ دوئم شیخ عیسیٰ نصیب ما ست کہ در لوحِ ایں چنیں است"۔ شیخ محمد غوث باندرونِ پردہ ظاہر ساخت۔ او شاں آمنّا کردہ خط بخدمت شیخ عیسیٰ ارسال کردند شیخ جیلانی ایں معنی را قبول کرد۔ ہر دو برادران واندرونِ پردہ مستعد گشتہ بسمت شیخ مراجع کردیدند۔ وکار خیر کردہ معہ قبائل باز گشتند۔

دونو بھائیوں کی آپس میں اس قدر محبت تھی۔ کہ ایک ہی محل میں بسر اوقات کرتے تھے۔ شیخ احمد غوث نے شیخ محمد غوث کو کوٹ کہروڑ کی زمامِ حکومت سنبھالنے کے لئے کئی بار اصرار کیا۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ آخر بضد ہو کر خزانہ تقسیم کرنے کو کہا۔ شیخ نے اس امر کو بھی پسند نہ کیا۔ اور فرمایا "بیجا باشد" شیخ احمد غوث جب مرشد کی خدمت میں تشریف لے گئے تھے انہوں نے کوٹ کہروڑ کی حکومت شیخ حسن کے سپرد فرمائی تھی۔ اور اب تک وہ بحیثیت نائب السلطنت کے کام کر رہے تھے۔ جب شیخ محمد غوث نے امور مملکت کو اپنے ہاتھ میں لینے پر رضامندی کا

اظہار نہ کیا۔ تو انہوں نے شیخ حسن کو مستقل طور پر نائب مقرر کر دیا۔ اور خود درواثے فقرا وڑھ کر گوشہ نشین ہو بیٹھے۔

شیخ شرف الدین لاہوری اس اجمال کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"شیخ احمد غوث بخدمت شیخ محمد غوث ساعی شد کہ ایشاں بر سلطنت فایض شوند لیکن شیخ ہیچ التفات نے کرد۔ عاقبت الامر برائے قسمت خزانہ التجا آوردند ایشاں فرمودند یکجا باشد۔ ہر چند جد و جہد نمودند شیخ قبول نہ کرد۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"شیخ احمد غوث ہمہ بقیہ عمر در فقیری گذرانید۔"

اسی زمانے میں قرامطہ نے پھر سر اُٹھایا۔

قرامطہ

یہ لوگ عبداللہ میمون ایرانی کے پیروکار تھے جس نے ادیانِ عالم کو مٹانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ سارے مذاہب بیہودہ ہیں۔ دنیا اور عقبیٰ میں نیک اعمال کی جزا ہے نہ بد اعمال کی سزا۔ احمد قرمط اسی عبداللہ کا مُرید تھا۔ اس نے وحشی اقوام کو جو عقل سے عاری اور مذہب سے بیگانے تھے۔ اپنے دین کی طرف بلایا اور اعلان کیا کہ۔

۱۔ نماز کی صرف چار رکعتیں ہیں۔ طلوعِ شمس اور غروبِ شمس سے پہلے دو دو رکعات ادا کیجائیں۔

۲۔ بجائے بیت اللہ کے بیت المقدس کو منہ کر کے نماز ادا کی جائے۔

۳۔ سال بھر میں روزے صرف دو ہیں۔ مہرجان اور نیم روز کے دن۔

۴۔ شراب حرام خمر حلال۔

۵۔ جنابت سے غسل کرنا لازم نہیں۔

۶۔جس جانور کے کچلی اور دانت ہوں۔ان کا کھانا درست ہے۔

۷۔جمعہ کی جگہ اتوار یوم السبت ہے۔

اس فرقہ نے ۲۹۰ھ میں شام پر ہولناک حملہ کیا۔۳۱۱ھ میں بصرہ اور کوفہ کو لوٹا۔اور ابوطاہر کو اپنا پیشوا بنا کر ۳۱۹ھ میں مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا۔بے شمار مسلمان قتل ہوئے حجر اسود اکھاڑ لے گئے۔اور بیس برس تک اُسے اپنے قبضے میں رکھا۔

ابوریحان بیرونی کے بیان کے بموجب قرامطہ گھٹا کی طرح وادی سندھ پر چھا گئے تھے۔ اور انہوں نے ہی ملتان پہنچ کر بڑے بُت (سورج مندر) کو توڑا تھا۔

مولانا ذکاء اللہ اس فرقہ کے ناشائستہ اعمال کا ذکر کرنے کے بعد چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

"محمود غزنوی نے اس فرقے کا ملتان سے منہ کالا کیا۔مگر وہ یہاں سے بالکل خارج نہیں ہوئے تھے۔دیہات میں ان کا ہمہ گیر اثر موجود تھا۔جگہ جگہ ان کے نقیب اور داعی منفرد تھے۔جو لوگوں میں کفر اور الحاد کا پرچار کرتے پھرتے تھے۔یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلاطین غزنوی کمزور ہو چکے تھے۔اور کوٹ کہروڑ کی ریاست بھی اتنی مضبوط نہ تھی۔کہ وہ اس سیلاب کا مقابلہ کر سکتی۔مسلمان بالکل اقلیت میں تھے ان ملحدوں نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔وہ بچارے خانہ بدوشی کی حالت میں مارے مارے پھرتے تھے۔لیکن انہیں کہیں امان نہ ملتی تھی۔"

صبح سعادت

قدرت کا ازل سے یہ اصول چلا آیا ہے۔ کہ جب کوئی چیز منتہائے کمال کو پہنچ جاتی ہے اُسی وقت سے اُس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ کئی بار ہمارے مشاہدہ میں آیا ہے۔ کہ جب گرمی شدت اختیار کر لیتی ہے۔ اور حبس سے خلقِ خدا کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اس وقت رحمتِ کاملہ ایک ٹکڑۂ ابر کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسی بارش ہوتی ہے۔ کہ ہر طرف پانی ہی پانی دکھائی دینے لگتا ہے۔ نیز اسی طرح خزاں کے موسم میں جب درختوں کے پتے گر جاتے ہیں۔ اور چمن کی حسن و خوبی برباد ہو جاتی ہے تو بادِ بہاری نوجوانانِ چمن کے لئے "حیاتِ نو" کا پیغام لے کر آتی ہے۔ ناظورۂ عالم کے کونے کونے میں زندگی کی ایک نئی روح دوڑ جاتی ہے۔ سبزۂ "سطحِ ارضی" پر از سرِ نو مخملی فرش بچھا دیتا ہے مُرجھائے ہوئے پودے ——— پھر ہرا بھرا لباس پہن لیتے ہیں۔ اور ڈالی ڈالی پر کلیاں رقص کرنے لگتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب شمال مغربی ہند کا گوشہ گوشہ کفر و الحاد کی گھٹاؤں سے تیرہ و تار ہو گیا۔ تو قدرت نے مولانا وجیہ الدین محمد غوث کے مشکوئے معلّی سے ایسے "گلِ سرسبد" کو پیدا کیا جس سے ربع مسکون کا چپہ چپہ معطر ہو گیا۔ اس مردِ کامل نے نصف صدی کے عرصہ میں اس سرزمین کو نہ صرف قرامطہ کے اثرات سے پاک کیا بلکہ لاکھوں سرکش اور تند مزاج کافروں کو نورِ ایمان سے مالا مال کر کے مسلمانوں کی "اقلیت" کو "اکثریت"[1] میں بدل دیا۔ اور وہ لاکھوں خون آشام تلواریں جو سالہا سال تک غزنی کے مجاہدوں سے ٹکراتی رہی تھیں۔ اسلام کی محافظ بن گئیں۔

---

[1] یعنی جس اکثریت کی بنا پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا ہے۔ یہ حضرت غوث العلمینؒ کی شرمندۂ احسان ہے۔

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

شیخ البرکات کی روایت کے مطابق نکاح کے تین سال بعد زبیدہ جیلانی کے بطن عفت سے
حضرت غوث العلمین بہاؤالحق والدین ابو محمد زکریا قدس سرہ العزیز پیدا ہوئے۔ شیخ الاس
سید جلال بخاری نوراللہ مرقدہٗ نے حضرت کی ولادت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے
"مولد شیخنا و مخدومنا شیخ بہاؤالحق والشرع والدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ السابع
والعشرین من شہر رمضان المبارک فی لیلۃ القدر وقت الصبح لیلۃ الجمعہ فی التاریخ الہجریہ
المصطفویہ المکنۃ المدینہ ست وستین وخمس مایۃ در خطہ کوٹ کروڑ ولایت دیپال است"
یعنی میرے پیر طریقت حضرت بہاؤالحق والدین ابو محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ رمضان المبارک ۵۶۶ھ
کو پیدا ہوئے تھے۔ لیلۃ القدر، شب جمعہ، ـــــــــــــــ ، ماہ صیام
طلوع سحر کا وقت سبحان اللہ! مولود مسعود کے وقت تمام برکتیں جمع ہو گئیں۔ ایک مؤرخ
حضرت کی ولادت باسعادت کی یہ تاریخ لکھی ہے

بتاریخ تولد غوث عالم
دُر از بحر قدم آمد بعالم
۵۶۶ھ

حضرت مادرزاد ولی تھے۔ چونکہ رمضان کے ایام تھے۔ اس لئے جب تک شوال کا چا
نظر نہ آیا۔ حضرت نے دودھ نہ پیا۔

وبعد از و نہ مکید شیر از پستان مادر تا روز عید شد (مخدوم بخاریؒ)

صاحب خلاصۃ العارفین لکھتے ہیں۔ کہ غوث العلمینؒ کی ایک اور ماں بھی تھی۔ حضرت کی
ولادت پر اُسے رشک ہوا۔ اور وہ غمگین رہنے لگی۔ شیخ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں تسلی دی

لہ وہ دل جسے خوبرو جوان اپنی طرف مائل نہ کر سکے تھے۔ ایک دیرینہ سال پیر مرد نے اسے ایک نظر میں لوٹ لیا۔

اور فرمایا:-

"اے نیک بخت! کوئی غم نہ کر۔ یہ تیرا ہی بچہ ہے۔ اسے گود میں لے اور دودھ پلا[1]۔"

یہ کہہ کر حضرت کو اس مخدومہ کی گود میں ڈال دیا۔ خدا کی قدرت سے اُسی وقت پستانوں میں دودھ اُتر آیا۔ اور حضرت نے ہمک ہمک کر پینا شروع کر دیا۔

مصنفِ علّام نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ جب حضرت محمد غوثؒ قرآن مجید پڑھنے بیٹھتے۔ یہ نو مولود دودھ پینا چھوڑ دیتا۔ اور اس طرح سے حضرت کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ گویا قرآن سن رہا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ماں باپ خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ ایک ارادتمند نے اس صورتِ حال کو یوں موزوں کیا ہے ؎

جبکہ قرآن پڑھتے تھے والد تیرے	کان تھے تیرے بھی بس اس پر لگے
ذوق تھا تجھ کو بہت قرآن کا	شوق تھا تجھ کو بہت رحمان کا

ولادت مخدوم عبدالرشید حقانیؒ حضرت غوث العلمین کی ولادت کو تین سال گذرے تھے۔ کہ اس خانوادہ کے مطلعِ شریعت و طریقت سے ایک اور آفتاب نے طلوع کیا یعنی شیخ احمد غوث کے مشکوئے معلیٰ میں بی بی جنت خاتون کے بطنِ عفت سے مخدوم عبدالرشید پیدا ہوئے۔ منبع البرکات حقانی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اس حرم سے حضرت احمد غوث کے تین اور صاحبزادے شیخ عبدالرحمن، شیخ طاہر، شیخ سادھن اور ایک صاحبزادی رشیدہ خاتون المعروف بصراں بی بی بھی تولد ہوئی تھی۔ شیخ موسیٰ نواب، شیخ راول دریا اور شیخ مُلّا فقیر دوسری بی بی سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت غوث العلمینؒ کی تعلیم و تربیت ابھی حضرت بہت چھوٹے سے ہی تھے۔ کہ شیخ محمد غوث نے آپ کو مولانا نصیر الدین بلخیؒ کے پاس پڑھنے بٹھایا۔ آپ کی طبع رسا اور ذہن خداداد

---

[1] اے بی بی! ہیچ غم مخور کہ ایں فرزند فرزندِ تست۔ بگیر و شیر بنوشاں خ ع

کا یہ عالم تھا۔ کہ سات سال کی عمر میں قرآن شریف ہفت قرآت کے ساتھ حفظ ہو گیا۔ اس
بعد درسی کتب کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ابھی صرف و نحو کی بحث ہی میں تھے کہ "انشراح
ہو گیا۔ ۵۷۷ھ میں شیخ محمدؒ غوث نے سفر آخرت[1] اختیار کیا۔ عم بزرگوار شیخ احمدؒ غوث نے

[1] حضرت غوث العلمین قدس سرہ العزیز کے والد ماجد حضرت مولانا وجیہہ الدین محمدؒ غوث اور جد بزرگوار حضرت
کمال الدین ابوبکر کے مزارات ملتان میں بیان کئے جاتے ہیں۔ مفتی غلام سرورؒ صاحب خزینۃ الاصفیا میں لکھتے
مزارات پدر و جد بزرگوار شیخ الاسلام ھم در ملتان در مزارات پیران تتری واقع اند۔ ونیز ہماں مقام ولا
پُر انوار بی بی راستی والدہ ماجدہ شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ واقع است واز مقام سینہ مزار جد بزرگوار شیخ الاسلام
پیدا شدہ بود۔ کہ بر ہر برگ آں درخت اسم مبارک اللہ از غیب نوشتہ بود۔ تا مدت مدید خلق خدا ازاں درخت
بے انتہا بر داشت۔ بہر بیمارے و مجنونے کہ برگہائے آں درخت مے خورانیدند۔ شفا مے یافت۔ آخر روزے
بحالتِ جنابت بآں درخت رسید۔ و برگ درخت جدا کرد و بخورد۔ ازاں روز درخت خشک شد و باز برگ نیاورد (۲۵

مولانا جمالی رحمۃ اللہ علیہ کا مشاہدہ | یہ بزرگ شیخ سماء الحق سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حج پر جاتے ہوئے
دادا پیر کے مزار پُر انوار پر حاضری دینے کے لئے ملتان رُک گئے ان دنوں شیخ صدر الدین شہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ سجاد
تھے۔ وہ جب دہلی تشریف لے گئے تھے۔ تو مولانا جمالی سے بڑا ارتباط اور میل جول رہا۔ اس لئے جب یہ حا
ہوئے تو حضرت بہت خوش ہوئے۔ اور اسی حجرہ خاص میں کہ جہاں حضرت شیخ الاسلام مصروف عبادت رہا کرتے
انہیں رہنے کی اجازت دی۔ اور یہیں کھانا منگوا کر یکجا تناول کرتے تھے۔ مولانا جمالیؒ لکھتے ہیں۔ کہ میں نے ا
پاک میں چلہ پورا کیا۔ اور زیارت غوث العلمین سے مستفیض ہوا۔ اس کے بعد روضہ مبارکہ حضرت رکن العالم پر
اختیار کی۔ حضرت سجادہ نشین ازراہ درویش نوازی یہاں بھی تشریف لاتے تھے۔ اس جگہ ایک باخدا درویش سے
ہوا۔ یہ عوام میں مولانا کمال الدین اُچی کے نام سے مشہور تھے۔ بڑی عمر کے تھے۔ اور اسی خاندان سے نسبت
تھے۔ انہوں نے فرمایا:۔

"مزار جد بزرگوار حضرت سلطان المشائخ بہاء الملۃ والدین زکریا قدس سرہ در مزارات پیران تتری است کہ در
ملتان واقع است و حظیرہ بی بی راستی صدر آں مزار است۔ ودر انجا گورے است کہنہ و بر سینہ آں درخت
برگد واقع است و بر شاخ او لفظ "اللہ" بر آمدہ است۔ چنانچہ ایں حقیر از پیر دستگیر استماع داشت۔ کہ در مزارات
پیران تتری بر سر مزارے درخت برگد است کہ بر تنہ و شاخہائے او لفظ "اللہ" بر آمدہ است" (باقی صفحہ ۹۱ پر)

باندھا آپ کو آباؤ اجداد کی مسند پر لا بٹھایا۔ علماء، مشائخ اور زمینداران نے حاضر ہو کر مراسم تعزیت ادا کیں۔ خادم حشم، نوکر چاکر سلام کو حاضر ہوئے۔ خزانہ کے محافظ نے موجودات کے جائزہ لینے کی درخواست کی۔ حضرت نے سات پشتوں کے خزانہ کو جو جواہرات اور طلائے خالص سے معمور تھا۔ اُچٹتی ہوئی نظر سے دیکھا۔ اور پھر صندوق مقفل کرا کے چابیاں اسکے حوالے کر دیں۔ چچا جان سے آبدیدہ ہو کر کہا۔

"آپ بمنزلہ والد کے ہیں۔ یہ تمام کارخانہ آپ سنبھالیں۔ میرے پڑھنے کے دن ہیں مجھے اطمینان سے تحصیل علم کا موقعہ عنایت فرمائیں۔"

حضرت احمد غوثؒ کی تو خواہش ہی یہی تھی۔ انہوں نے بڑے بڑے متورع اور منتہی علماء کوٹ کروڑ میں جمع کر دیئے۔ جن سے آپ اکتساب فیض کرتے رہے۔ کچھ عرصہ آپ نے ملتان میں گذارا۔ اور یہاں کے علماء اور مشائخ کے آگے زانوئے ادب تہ کیا۔ مرور زمانہ نے ان حضرات کا کوئی نشان باقی نہیں رکھا۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ خوش نصیب اساتذہ کون تھے اور کہاں جا کر پیوند خاک بنے۔ محلہ کٹڑہ (ملتان) کے اندر ایک مسجد کے جنوبی حجرہ میں مولانا عبدالرشید کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بتایا جاتا ہے "سرزمین ملتان" کا دعویٰ ہے کہ یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"چوں ایں حقیر در ملتان رسید۔ از مردماں حالات آں درخت بر پرسید۔ و معاینہ نمود۔ فی الواقع ہمچناں بود —!
حضرت مولانا کمال الدین اُچی رحمۃ اللہ علیہ گفتہ کہ آں مزار جد بزرگوار حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الملۃ والدین است کہ در سینہ او ایں درخت بر آمدہ است۔

تاریخ کے اوراق یہ بتانے سے قاصر ہیں۔ کہ یہ دونوں بزرگوار ملتان میں کیوں دفن ہوئے فرشتہ کا بیان ہے۔ کہ مولانا کمال الدین علی شاہ مکہ معظمہ سے خوارزم اور وہاں سے ملتان تشریف لائے لیکن منبع البرکات حقانی سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی اور نہ ہی حضرت کے خاندانی ریکارڈ سے توثیق ہوتی ہے اگر کوئی نیا انکشاف ہوا تو دوسرے ایڈیشن میں درج کیا جائیگا

حضرت غوث العلمین کے استاذ تھے۔

طلبِ علم میں بخارا کا سفر بہرحال جب یہاں کے علماء سے استفادہ کرلیا۔ تو پھر خراسا
کا رُخ کیا۔ کیونکہ ان دنوں وہاں کی درس گاہوں کا بڑا چرچا تھا۔ ایک قافلے کے ہمراہ وہا
پہنچے۔ اور سات برس تک علماء اور مشایخ سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔ یہا
سے بخارا آئے اور کئی سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپ کے اکتسابِ علم کا طریقہ یہ
کہ پہلے ایک اُستاذ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور ان کے سینہ میں جس قدر علم ہوتا۔ دو تین
میں اس کا مکاشفہ کرلیتے۔ پھر دوسرے اُستاذ کے ہاں پہنچتے۔ اور جس قدر علم ان کی وسعت
امکان میں ہوتا۔ اس کا کشف کرلیتے۔ اسی طرح ایسے چار سو چوالیس باکمال اساتذہ کے آگے
زانوئے تلمذ تہ کرکے سندِ فضیلت حاصل کی۔ جو علم و فضل اور زہد و ورع کے لحاظ سے یگانۂ روزگار
صاحب خلاصۃ العارفین لکھتے ہیں:۔

"علم ظاہر بخدمت چندیں اساتذہ بایں طریق خواندہ اند۔ کہ یک اُستاذ را ہر قدرے علم کہ
در سینۂ او بودے یک یا دو سہ روز بتائیدِ الٰہی مکاشفہ کردے باز پیش دیگرے خواندے
و ہر قدرے علم کہ در وسع امکان او بودے۔ در دو سہ روز درس مے کردے۔ و ہمہ علم
را کشف مے نمودے۔ تا ہم چنیں بخدمت چہار صد و چہار و چہل اساتذہ زانوئے تلمذ
تہ کردہ سندِ فضیلت حاصل کردند۔"

تحصیل علم کے دوران میں آپ کے پاس دو ہزار سے زیادہ علمی کتب جمع ہوگئی تھیں۔ اس
زمانہ میں جبکہ طباعت کا یہ انتظام نہیں تھا۔ ہزار ڈیڑھ ہزار صفحات کی دو ہزار کتب کو ایک بہت
بڑا علمی خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ مؤلف تذکرۂ اولیائے کرام کا بیان ہے۔ کہ حضرت نے بخارا
میں آٹھ برس قیام فرمایا۔ اور یہاں کے لوگ آپ کے خصائل حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ سے
اتنے متاثر ہوئے۔ کہ آپ کو "بہاؤالدین فرشتہ" کہنے لگے۔ صاحب خزینۃ الاسرار کے الفاظ یہ ہیں:۔

"درخراسان وبخارا شہرتے عظیم یافتند کہ اہل آنجا ایشاں را بہاؤالدین فرشتہ مے گفتند"

عبادت وریاضت حضرت غوث العلمین خراسان اور بخارا کی تمام درسگاہوں سے استفادہ کے بعد تزکیہ نفس میں مصروف ہوئے اور بیس سال تک لگاتار اس قدر سخت مجاہدہ کیا کہ اس کے حالات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ صاحب خلاصتہ العارفین لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت غوث العلمینؒ سے عرض کی کہ کوئی واقعہ اپنے مجاہدہ کا بیان فرمایئے۔ ارشاد ہوا اپنے مجاہدہ اور ریاضت کی کیفیت بیان کرنا مناسب نہیں۔ کہ اس سے غرور کا اظہار ہوتا ہے۔ اور طالب کو خوف ہوتا ہے۔ کہ کہیں اس کی محنت برباد نہ ہو جائے۔ مگر پھر بھی آپ کی خاطر اتنا ظاہر کرنے میں تامل نہیں کرتا۔ کہ یہ فقیر بیس سال کامل ایک چھٹانک پانی اور ایک چھٹانک طعام پر روزہ افطار کرتا رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسا ادنیٰ مجاہدہ ہے۔ کہ جسے ہر مبتدی بیعت پر غلبہ پانے کے لئے بآسانی کر سکتا ہے۔ اس کے بعد مجھے حج کعبۃ اللہ کا شوق ہوا۔ اور ہر قدم پر دوگانہ ادا کیا۔ مولانا ضیاء الدین ملتانی نے ۱۳۰۲ھ میں خلاصتہ العارفین کا جو نسخہ نقل کیا ہے۔ اس میں اس مجاہدہ کی کیفیت یہاں تک درج ہے لیکن ایک اور نسخہ میں جس پر مولانا غلام نبی امام مسجد جموں والی (حسین آگاہی ملتان شہر) کے دستخط ہیں۔ اور تاریخ ار رجب المرجب ۱۲۷۷ھ مرقوم ہے۔ یہ روایت ذرا تفصیل سے درج ہے۔ بہر حال تفصیلی روایت کو دیکھا جائے یا مختصر روایت کو اس سے یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ حضرت غوث العلمین نے اتنا بڑا مرتبہ حاصل کرنے کی خاطر کس قدر بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں یہ درست ہے کہ حضرت غوث العلمین کو خزانۂ فقر اپنے پیر دستگیر رحمۃ اللہ سے بیعت

---

۵ مجاہدہ خود بزبانِ خود بیان کردن نشاید۔ اما مجاہدۂ کمینہ مبتدیانہ پیش تو بیان مے کنم۔ کہ ایں فقیر بیست سال طعام بیک درم آب و بیک درم طعام روزہ افطار کردہ۔ بعد ازاں مسافر شدم بہ نیت زیارت کعبۃ اللہ بہر گامے دوگانہ شکرانہ برائے یادِ یگانہ خود ادا ساختم آنگاہ دیگر گام نہادم۔

کے بعد مثناً حاصل ہو گیا تھا۔ اور اُس وقت حسب عادت تعزاز اُن سے مجاہدات لئے
کرائے گئے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت غوثؒ نے مجاہدات شاقہ کر کرکے
اپنی طبیعت کو پہلے ہی درست کیا تھا اور نورِ باطن سے وہ اس قدر مستنیر تھی کہ شیخ کی ایک
ہی نگاہ شفقت نے حجابات کے پرخچے اڑا دیئے اور غوث العلمین گویا ایک
نظر میں ایک ولی سے غوث الاغواث کے درجوں تک ترقی فرما گئے۔ بظاہر جو ترقی "د
اور آئی" معلوم ہوتی ہے حقیقتاً وہ انہیں ابتدائی مجاہدات کی مرہونِ منت ہے جو
نے اوّل اوّل کئے۔ مجاہدہ کیا چیز ہے اور اسکے اثرات کیسے ہوتے ہیں۔ وہ بھی حضرت ہی کی زبانی

مجاہدہ کی تعریف ایک مقرب نے دست بستہ عرض کی "حضور! مجاہدہ کی تعریف
کیا ہے ——— ؟"

فرمایا:-

"مجاہدہ این است کہ ہر چہ نفس آرزو کند تا بیست سال آں آرزو بدو نرساند ———"

یعنی نفس جس چیز کی آرزو کرے بیس سال تک وہ خواہش پوری نہ کی جائے۔

اس کے بعد فرمایا۔ کہ میں نے جو ابتدائی مجاہدہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ میرے نزدیک کچھ بھی نہ
ہے۔ کیونکہ یہ تو محض ابتدائی صورت ہے۔ ورنہ مردانِ خدا تو ستر سال تک نفس کو آب و طعا
کے نزدیک نہیں بھٹکنے دیتے۔ اور اسے شبانہ روز عبادت و طاعتِ الٰہی میں مقید رکھتے ہیں
البتہ یہ مجاہدہ کی صحیح تعریف ہو سکتی ہے۔ نیز فرمایا۔ کہ میں نے یہ مشقت اور ریاضت ربِ کعبہ
کی محبت اور رضا جوئی کے سبب سے کی۔ یہاں تک کہ ارضِ مقدس میں جا پہنچا۔ حج کیا
اور عرفات کی پہاڑی پر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے تین
سال کامل مجھے اپنی خدمت میں رہنے کا موقعہ بخشا۔ خداوند کریم کے فضل و احسان سے
اس دوران میں میں نے بڑا فیضان حاصل کیا۔ اس کے بعد جب احرام باندھ کر حضرت

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ پانچ سال یہاں رہ کر حضرت کے قدموں کی خاکِ پاک کی برکت سے انوارِ الٰہی کا ظاہری و باطنی مشاہدہ کیا۔ اور اسی پاک مقام سے ارشاد ہوا۔ کہ سلطان العارفین امام المحبوبین حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین محمد عمر السہروردی کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا نصیبہ حاصل کرو۔ چنانچہ پھر نیا احرام باندھا۔ اور قدم قدم پر شکرانے کا سجدہ کرتا پیر کی خدمت میں روانہ ہوا۔

غوث العلمینؒ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں

حضرت مولانا جمالی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت غوث العلمینؒ جب بخارا کے علماء و مشائخ سے خوب جی بھر کر استفاضہ کر چکے تو پھر ارضِ پاک کو روانہ ہوئے۔ مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اور پانچ سال تک جوارِ رسول میں زندگی بسر کی۔ ان دنوں مولانا کمال الدین محمد یمنیؒ جو اپنے عہد کے بہت بڑے محدث تھے۔ حرم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حدیث شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت ان کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے اور پانچ سال کامل زانو سے زانو جوڑ کر حدیث کا درس لیتے رہے۔ ہر سال حج کے موقعہ پر مولانا کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے۔ اور حج ادا کر کے واپس لوٹ آتے۔ جبکہ غوث العلمینؒ نے حدیث شریف کا تمام علم ازبر کر لیا۔ تو زمانے کی رسم کے مطابق مولانا سے حدیث پڑھانے کی سند حاصل کی اور اجازت لے کر بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ سند حدیث حاصل کرنے کے بعد بھی غوث العلمینؒ کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ حضرت حرم شریف میں قبہ مبارک

---

[1] مولانا کمال الدین محمد یمنیؒ خاندان صدیق کے نامور محدث تھے۔ مولانا جمالی لکھتے ہیں۔ مولانا کمال الدین محمد یمنی کہ یکے از محدثانِ کبار بودے پنجاہ و سہ سال در حرم رسول علیہ السلام مجاور بود ہر سال زیارت بیت اللہ حاصل کردے و باز بحرم رسول علیہ السلام رسیدے۔ چوں حضرت سلطان المشائخ (بہاؤالدین زکریاؒ) تمام علم احادیث پیش مولانا سند نمود و از بر فرمودہ مولانا مذکور حضرت را اجازت نامہ سبق احادیث گفتن عطا فرمود چنانچہ برسم محدثان اہل تحقیق است (سیر العارفین)

کے دائیں جانب ایک خاص مقام پر معتکف رہتے تھے۔ جو بعد میں آپ سے منسوب ہو کر رو
چنانچہ مولانا جمالی صاحب مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے بھی اسی مقام کو عباد
طاعت کے لئے پسند کیا۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"ایں احقر الانام کہ دراں ایام مجاور حرم رسول علیہ السلام بود بداں موضع مشغول شدے
وسے ماندے و فیض بردے"۔

اژدہا سے مقابلہ تمام مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ سے حضرت غوث ال
بیت المقدس تشریف لے گئے۔ یہاں کچھ عرصہ رہ کر انبیاء علیہم السلام کے مقابر کی زیارت کی
کے بعد دمشق پہنچے۔ یہاں شہر کے باہر ایک خوفناک اژدہا رہتا تھا۔ جو بے شمار آدمیوں کو ہلا
کر چکا تھا۔ ایک مرتبہ آپ بھی وہاں سے گذرے۔ اژدہا آپ کو دیکھ کر پھنکارتا ہوا باہر نکل
جب قریب آیا۔ حضرت نے اپنی چادر اس پر ڈال دی۔ اژدہا مر گیا۔ اور حضور آگے بڑھ گ
اس افعی نے بے شمار آدمیوں کو ہلاک کیا تھا۔ جب یہ خبر شہر میں پہنچی۔ تو لوگ جوق در جوق ت
کو حاضر ہوئے۔ پانچ سال تک دمشق کے علماء اور مشائخ آپ کے آگے زانوئے ادب ت
استفاضہ کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے سمرقند کا رخ کیا۔

ایک خدا یاد درویش سے ملاقات یہاں ایک باخدا درویش کا بڑا چرچا ہو رہا تھا
مرشد کی تلاش میں ملک ملک کا دورہ کرتے پھرتے تھے۔ جب لوگوں سے ان کی شہرت س
تو طویل سفر طے کرنے کے بعد اس خدا یاد درویش کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان پر استغرا
کا عالم طاری تھا۔ آپ ایک عرصے تک لگاتار ان کے پاس جاتے رہے۔ لیکن وہ متوجہ ن
ہوئے۔ دو برس کے بعد وہ بزرگ ہوش میں آئے۔ آپ پر نظر ڈالی۔ حضرت غوث العلمینؒ
اسی ساعت کے منتظر تھے۔ بڑھ کر قدمبوس ہوئے۔ فرمایا:۔

"آپ کا آنا مبارک ہو۔ آپ نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ مگر ہاں درویشوں کی خدمت

سے دونوں جہاں کی مرادیں ملتی ہیں۔[1]"

پھر فرمایا:۔

"بہاؤالدین! سن ——!! تیس سال ہو چکے ہیں کہ یہ فقیر بحر تجلّی میں مستغرق ہے۔ اور آنے جانے والوں سے بے خبر ہے۔ آج دوست کا حکم ہوا ہے۔ کہ آپ سے ہم کلام ہو کر اپنی حالت سے آگاہ کر دوں"!۔

"اے عزیز ——! درویش کے لئے مخلوق کی صحبت سے بڑھ کر اور کوئی چیز زیادہ مُضر نہیں کیونکہ وہ جس قدر خلقت سے نزدیک ہوتا ہے۔ اسی قدر خالق سے دور ہو جاتا ہے"۔

یہ کہہ کر اپنا مصلیٰ اور مٹھی بھر اشرفیاں حضرت کو عنایت کیں۔ اور فرمایا:۔

"یہ آپ کا زادِ راہ ہے۔ آپ کو بہت دُور جانا ہے۔ اب تشریف لے جایئے ——!"

ابھی یہ فقرہ پوری طرح سے بھی ادا نہ ہوا تھا۔ کہ وہ طالبِ صادق آنکھوں سے اوجھل ہو گیا

مرشد کے حضور میں حضرت غوث العلمینؒ کے لئے یہ بڑے اضطراب کا زمانہ تھا۔ سالہا سال سے مرشد کی تلاش میں صحرا نوردی کرتے پھرتے تھے۔ وہ برس جس اُمید اور آرزو میں بسر ہوئے تھے۔ آج اس پر بھی پانی پھر چکا تھا۔ نئی اُمنگ اور نئے ولولوں کے ساتھ ایک نا معلوم سمت کو چل کھڑے ہوئے۔ ذوق و شوق کی بیتابی اور نورِ وحدت کی کرنوں کی گدگدی نے آپ کو کسی ایک مقام پر ٹھہرنے نہ دیا۔ سچے جویائے حقیقت کی طرح کئی دن اور کئی راتیں لگاتار سرگرمِ سفر رہے۔ یہاں تک کہ بخت کی بیداری نے ایک دن آپ کو ادب اور "ہیبتِ حق" کے ایسے متبرک مقام پر لا کھڑا کیا۔ جہاں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ خالق کونین کی بھولی بھٹکی مخلوق کو نیکی کا راستہ دکھانے میں مصروف تھے۔ دیکھتے ہی فرمایا:۔

[1] اما در خدمت درویشاں مراد ہر دو جہان است۔"

"بہاؤالدین! دس سال سے میں تیری راہ دیکھ رہا ہوں۔ بڑی انتظار کرائی تو نے۔!"
حضرت غوث العلمینؒ کی متجسس نگاہوں کو شیخ الشیوخ کی ذات میں کچھ ایسے کمالات او مکاشفات نظر آئے۔ کہ انہوں نے پہلی ہی نظر میں تاڑ لیا۔ کہ یہی کعبۂ مقصود ہے۔ انتہائی ا واحترام سے قدموں میں جھک گئے۔ گلوگیر ہو کر عرض کی ؎

ما بعشق تو نہ امروز گرفتار شدیم
کہ گرفتاری ما باتو ز روز ازل است

شیخ الشیوخ نے حضرت کو اپنے گلے سے لگالیا۔ غوث العلمینؒ دیر تک اس سینہ بے کینہ سے جو انوار الٰہی کا معدن اور سرچشمہ تھا چمٹے رہے۔ جب طبیعت کو ذرا سکون ہوا تو ارادت وعقیدت کے ساتھ ہونہار طالب علم کی طرح دو زانو ہو بیٹھے۔
شیخ الشیوخ نے فرمایا:۔
"بہاؤالدین! دس سال گذرے ایک رات سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ فرمایا۔ معراج کی رات جب میں آسمانوں پر گیا۔ تو دیکھا۔ کہ عرش کے نیچے فرشتگان قدسی کے جھرمٹ میں کلاہ وپیراہن مصروف بہ رقص ہیں۔ اور ان سے اللہ ھُو کی آواز آرہی ہے۔ میں نے پوچھا۔

بھائی جبرائیلؑ ——— ! یہ آواز کس کی ہے ———؟؟
روح الامینؑ نے جواب دیا۔
"جب سے خداوند تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے۔ اور میری آمد و رفت شروع ہوئی ہے۔ میں برابر اس آواز کو سن رہا ہوں اور یہ کلاہ و پیرہن اس طرح رقص کرتے دکھائی دے رہے ہیں، مگر اصل حقیقت سے مجھے بھی آگاہی نہیں ہے ———!
اس وقت ندا آئی۔

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! یہ کلاہ اور پیراہن ہمارے خاص بندے کے ہیں جو آپ کی اُمت سے ہے۔ روزِ میثاق سے نعرہ اَلَستُ بِرَبِّکُم سُن کر شوقِ وصال میں مستغرق اور عالمِ وجد میں ہے۔ اسی کی رُوح سے ہی اللہ ھُو[1] کی یہ آواز آ رہی ہے۔ اس کا نام شیخ العالم غوث بہاؤالدین زکریاؒ ہے۔"

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ چراغِ ہدایت جو قیامت تک مجاہدہ اور سلوک سے روشن رہے گا۔ اور جس کی بتی احیائے سنت، آدابِ ظاہر و باطن اور میری شفاعت و محبت سے تیار کی گئی ہے۔ اُسے روشن کیجیے۔ تاکہ اس کی شعاع بندگانِ خدا صوفیا کے دلوں، موحدین کے سینوں، اُفق آسمان اور زمین کے گوشوں میں پھیل جائے۔

اس کے بعد فرمایا آگے بڑھو تاکہ میں چراغِ ہدایت کے اس فتیلہ کو روشن کروں ؎

حالیہ خوش آمدی صد مرحبا

در ولایت گشتۂ وارث مرا

ہمیں تاریخی طور پر پتہ نہیں چل سکا۔ کہ حضرت شیخ الشیوخؒ نے غوث العالمینؒ کو حلقۂ ارادت[2]

---

[1] خواندن این اسم ذاتی طریق غوثیہ است۔ بعضے جلی میخوانند و بعضے خفی و بعضے حبس سے کنند۔ و کمال این است کہ این اسم ذاتی در دل جاری مے شود اگرچہ کسے در کارے مشغول باشد (خ ع)

[2] **شجرۂ طریقت**

کتاب ہذا کے صفحہ ۲۴ پر سلسلہ سہروردیہ کا شجرہ دیا گیا ہے۔ یہاں ہم اس کی کچھ وضاحت کرتے ہیں۔ شیخ سعدالدین الفرغانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت غوث العلمینؒ کے پیر بھائی شیخ نجیب الدین علی بزغش شیرازی کے نامور مرید ہیں۔ اپنی کتاب مناہج العباد الی المعاد میں لکھتے ہیں۔ کہ مریدوں کا مشائخ کی طرف منسوب ہونا تین طریقوں سے ہوتا ہے۔ ایک تو خرقہ سے دوم تلقین ذکر سے، سوم صحبت، خدمت اور ادب سیکھنے سے۔ خرقے دو ہیں۔ ایک تو خرقۂ ارادت ہے۔ اور اس کو سوائے ایک شیخ کے دوسرے سے لینا جائز نہیں۔ دوم خرقۂ تبرک ہے۔ اور اسے تمام مشائخ سے تبرک کے طور پر لینا جائز ہے الٰہی ارادت کے خرقہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ:۔ (باقی ص ۱۰۱ پر)

میں شامل کرنے کی رسم کیونکر ادا فرمائی۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ شیخ نے بغیر کسی مجاہ
نفس اور عبادت و ریاضت کے حضور کو مرید کر لیا تھا۔ ایک ہی توجہ سے سارے حجاب نف
کے سامنے سے ہٹا دیئے۔ اور ایک ہی آن میں وہ جلوہ نظر آگیا۔ جو ہزاروں برس کی عبا
سے بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ اٹھارہ ہزار عالم بے حجاب دکھائی دینے لگے۔ اس کے بعد فرما

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹)

"میں نے شیخ نجیب الدین علی بزغش شیرازی قدس سرہ سے لیا ہے۔ انہوں نے شیخ الشیوخ شہاب الدین
سہروردیؒ سے اور انہوں نے اپنے چچا شیخ نجیب الدین سہروردیؒ سے اور انہوں نے اپنے چچا قاضی
وجیہہ الدینؒ سے انہوں نے اپنے باپ ابو محمد عمویہؒ اور اخی فرج زنجانی سے (دونو کا ہاتھ خرقہ
پہنانے میں شریک ہے) ابو محمد عمویہؒ نے احمد اسود دنیوریؒ سے خرقہ پہنا انہوں نے ممشاد دنیوری سے
انہوں نے ابو القاسم جنیدؒ سے

لیکن

اخی فرج زنجانیؒ نے ابو العباس نہاوندؒ سے انہوں نے عبداللہ خفیف شیرازیؒ سے انہوں نے شیخ
احمد رویم بغدادیؒ سے انہوں نے جنید رحمتہ اللہ علیہ سے"

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ نے خرقہ کی نسبت کو ابو القاسم جنیدؒ سے بڑھ کر
آگے ثابت نہیں کیا۔ اور حضرت جنیدؒ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے سلسلہ کو صحبت سے نسبت دی ہے
خرقہ سے نہیں لیکن شیخ مجد الدین بغدادی قدس سرہ اپنی کتاب تحفتہ البررہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

خرقوں کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح حدیث متصل معنعن کے ساتھ ثابت ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ
نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو خرقہ پہنایا ہے۔ اور انہوں نے حسن بصریؒ کو انہوں نے کمیل بن زیاد کو انہوں نے
عبدالواحد بن زیدؒ کو، انہوں نے ابو یعقوب نہر جوریؒ کو انہوں نے عمرو بن عثمان مکیؒ کو انہوں نے ابو یعقوب طبری کو
انہوں نے ابو القاسم رمضانؒ کو انہوں نے ابو العباس بن ادریسؒ کو انہوں نے داؤد خادمؒ کو۔ انہوں نے محمد مانکیلؒ
کو انہوں نے شیخ اسمٰعیل قصریؒ کو انہوں نے شیخ نجم الدین کبریٰؒ کو انہوں نے مزین فقیر یعنی مجد الدین بغدادی کو
بنا بریں خرقوں کی نسبت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر اس کے آگے تابعین کی نسبت کو زیر بحث لاتے ہیں۔ چونکہ شیخ سعد الدینؒ شیخ الشیوخ کے مرید ہیں رباقی صلا پہ

"اے بہاؤ الدین۔ !جب شیخ نجیب الدین کبریٰ مجھے خرقہ عطا کرنے لگے۔ تو فرمایا۔ یہ خرقہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمایا تھا۔ ارشاد ہوا سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھ۔!

جب میں نے اوپر کی طرف نظر اٹھائی تو مجھے عرش کے نزدیک ستر خرقے آویزاں دکھائی دیئے۔ فرمایا۔ اے شہاب الدین! ان میں سے ایک خرقہ تو تم لے چکے۔ باقی بھی تجھے عطا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰)

اس لئے تلقین کی اس تفصیل کا اطلاق حضرت غوث العلمین قدس سرہ العزیز پر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ خود سعد الدین الفرغانیؒ فرماتے ہیں:۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے اپنے شیخ خرقہ ابوالنجیب سہروردی سے ذکر کی تلقین حاصل کی۔ انہوں نے ابوبکر نساج سے، انہوں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی سے انہوں نے ابو عثمانؒ مغربی سے، انہوں نے ابو علی کاتب سے انہوں نے ابو علی رودباری سے، انہوں نے سید الطایفہ جنید قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم سے۔

صاحب خلاصۃ العارفین نے بیعت کی نسبت کو سید الطائفہ جنید بغدادیؒ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک اس طرح پہنچایا ہے۔ شیخ جنید بغدادی۔ شیخ سری سقطی۔

شیخ سری سقطی نے دو جگہ بیعت کی۔ اول:۔

شیخ سری سقطی۔ شیخ معروف کرخی۔ امام علی موسیٰ رضاؒ۔ امام موسیٰ کاظمؒ۔ امام محمد جعفر صادق۔ امام محمد باقرؒ امام زین العابدینؒ۔ امام حسین علیہ السلام۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوم:۔ شیخ سری سقطیؒ۔ شیخ داؤد طائیؒ۔ شیخ حبیب عجمیؒ۔ شیخ بصریؒ۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔

نسبت موروثی:۔ محولہ بالا سلسلوں کے علاوہ حضرت غوث العلمینؒ کا اپنا آبائی شجرہ طریقت حسب ذیل ہے:۔

حضرت غوث العلمین شیخ بہاؤ الدین ابو محمد زکریا رحمتہ اللہ علیہ (آپ نے خرقہ پہن کر سجادہ نشینی اپنے والد بزرگوار مولانا وجیہ الدین محمد غوث سے حاصل کی۔ اور انہیں کے مرید ہوئے) مولانا وجیہ الدین محمد غوثؒ۔ کمال الدین ابو بکرؒ۔ جلال الدینؒ قاضی شمس الدین حسین۔ عبداللہ حسین مطرف۔ حاتلیہ۔ حازم۔ تاج الدین المطرف۔ عبدالرحیم۔ عبدالرحمٰن۔ ھبار۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ہوں گے۔

حضرت غوث العلمینؒ کا بیان ہے کہ اس کے بعد شیخ الشیوخؒ نے حکم دیا۔ کہ "آج رات خلوت کرو۔ اور جو کچھ مشاہدہ میں آئے۔ اس سے ہمیں آگاہ کرو۔"
ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ کے حکم کے بموجب میں نے خلوت کی۔ آدھی رات گذری تھی کہ خواب میں شیخ الشیوخ نظر آئے۔ کہ عرش کے قریب کھڑے خدائے بزرگ و برتر کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ میں نے بھی اپنے آپ کو عرش کے قریب پایا۔

شیخ نے مجھے دیکھ کر اشارہ سے بلایا۔

میں قریب گیا۔ دیکھا کہ عرش کریم کے نیچے ستر خرقے آویزاں ہیں۔ حضرت نے ان میں سے ایک خرقہ اُتار کر مجھے پہنایا۔ اور ٹوپی میرے سر پر رکھی۔ اس وقت مجھ پر اس قدر عنایات اور اس قدر تجلیات مشاہدہ میں آئیں کہ ان کی ہیبت سے میری آنکھ کھل گئی۔ ٹوپی اب تک سر پر موجود تھی۔ پیر طریقت کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے حجرہ سے نکلا۔ ابھی چند قدم چلا تھا۔ کہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کا خادم خاص میری طرف لپکا چلا آتا ہے۔ کہا۔ آپ کو شیخ الشیوخ یاد فرماتے ہیں۔ جب میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا دائیں طرف دیکھ۔

میں نے ادھر نظر کی۔

ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے خرقہ تھام رکھا تھا۔

فرمایا۔ اے بہاؤالدین! حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دست مبارک سے خرقہ سنبھال ——— !

میں نے خرقہ کو سنبھالا ہی تھا۔ کہ ہاتھ گم ہو گیا۔

فرمایا

یہ خرقہ حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر تجھے عنایت فرمایا ہے۔ اور عالم

ب میں جو خرقہ تجھے عطا ہوا ہے۔ وہ قادر ذوالجلال نے اپنے فضل عظیم سے تجھے مرحمت کیا ہے۔

شیخ الشیوخ نے اُس وقت جو خرقہ زیب تن کر رکھا تھا۔ اپنے بدن مبارک سے اُتار کر ے سر پر رکھ دیا۔ فرمایا عظمت، رحمت اور برکت کے یہ تینوں خرقے اپنے سر پر رکھ لے۔ اس قسم ے تین خرقے اسی ترتیب سے آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔

اپنا مصلّٰی جس پر حضرت نے ستر برس تک حق تعالٰی کی عبادت کی تھی۔ اور وہ خرقہ جو حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت کو مشائخ سلسلہ کے توسل سے پہنچا تھا۔ دونو اس کسار کے سپرد فرمائے۔

گیارہ سو ارباب حال جو معرفت الٰہی میں خاص مقام رکھتے تھے۔ اور سب کے سب عارف حسن ازل کے سچے پرستار تھے۔ شیخ کی اس کرم بخشی پر سخت حیران ہوئے۔ اور کہا:۔

"بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ اس سندھی درویش نے ایک رات دن میں تمام دولت و نعمت سمیٹ لی۔ لیکن ہم لوگ جو سالہا سال سے اس دروازہ پر پڑے ریاضت و مجاہدہ کر رہے ہیں۔ ہم میں سے کسی پر ایسی توجہ نہیں ہوئی"۔

آپ کو جب اس ماجرے کی اطلاع ہوئی۔ تو سب کو بُلا کر ایک ایک کبوتر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ سے ایسی جگہ ذبح کرو۔ جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو"۔

سب مرید کبوتر لے کر چلے گئے۔ اور پیر طریقت کی ہدایت کے مطابق مقام تلاش کرنے لگے۔ ام کار کبوتروں کو اپنے اپنے حجروں میں گھُس کر ذبح کر لائے۔ مگر حضرت غوث العلمین نے ذبح یا۔ اور اسی طرح زندہ واپس لے آئے۔ سب درویشوں نے کہا۔ کہ یہ سندھی تو کوئی نادان آدمی ہے کہ کبوتر کو بغیر ذبح کے واپس لے آیا ہے۔ آج پیر طریقت اس پر ضرور ناراض ہوں گے۔ جو نعمت و دولت حاصل کر چکا ہے سب سلب ہو جائے گی۔

الغرض سب شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے بہاؤالدین
تو نے کبوتر ذبح کیوں نہیں کیا۔؟"

آپ نے دست بستہ عرض کی۔"قبلہ عالم۔ حضور نے فرمایا تھا۔ ایسے مقام پر ذبح
جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔ میں جہاں گیا وہیں اللہ تعالیٰ کو حاظر و ناظر پایا۔ اس لئے کبوتر کو
واپس لے آیا۔" شیخ دوسرے درویشوں کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور غوث العلمینؒ کو شاباش
درویشوں کے شک کو رفع کرنے کی غرض سے معاً یہ حکم دیا۔ کہ سب چلے جاؤ۔ اور گھ
کا ایک ایک پشتارہ لے آؤ۔ تاکہ خانقاہ کے صحن میں بچھایا جائے۔ سب درویش جنگل
نرم نرم سبز گھاس کاٹ کر لے آئے۔ لیکن حضرت غوثؒ سوکھی گھاس اُٹھا لائے۔ حضرت
شیخ الشیوخ نے پوچھا۔ کہ تم ہری گھاس کیوں نہیں لائے۔؟"

آپ نے عرض کی۔ غریب نواز! جنگل میں ہری گھاس کی تو کمی نہیں تھی۔ لیکن میں جہاں
گیا۔ اسے یاد الٰہی میں مصروف پایا ؎

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہ گوید

اس لئے مجھے مناسب معلوم نہ ہوا۔ کہ اسے یاد الٰہی سے محروم کر دوں اور چونکہ خشک گ
ذکر سے فارغ تھی۔ اس لئے اُسے کاٹ لایا ہوں ؎

اگرچہ آورد نہ دیگر کاہ تر | یافتند ایشاں نہ ہرگز ایں خبر
کاہِ تر مخواست در یادِ خدا | مے کند تسبیح ہر صبح و مسا،

یہ جواب سن کر سب درویش شرمندہ ہوئے۔ اور حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا۔ اے دو
تم گیلی لکڑی کی مانند تھے جس پر آگ جلدی اثر نہیں کرتی۔ لیکن شیخ بہاؤالدین سوکھی لکڑی کی
طرح ہیں۔ کہ عشق الٰہی کی آگ نے انہیں فوراً اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یعنی ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اے درویشو! بہاؤالدین پر رشک نہ کرو۔ یہ اعلیٰ مرتبے پر پہنچ چکا ہے۔ تمہارے مراتب انتہا اس کے مدارج کی ابتدا کے برابر ہے۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ نے فرمایا:۔

"اے بہاؤالدین! تو نے میرے بھائی شیخ جلال تبریزی کو کبھی دیکھا ہے ——؟

عرض کی۔ "ہاں غریب نواز —— دیکھا ہے"۔

پھر پوچھا "شیخ ابوسعید کو کبھی دیکھا ہے"؟

عرض کی "ہاں غریب نواز —— دیکھا ہے"۔

فرمایا:۔

اے شیخ بہاؤالدین! چھ ہتر سال سے ان بزرگوں کا یہ طریقہ چلا آتا ہے۔ کہ ہر روز ایک کھجور سے روزہ افطار کرتے ہیں۔ اور ہر رات ایک ہزار رکعت نفل ادا کرتے ہیں۔ ریاضت اور شفقت کی کیفیت ان سے پوچھ تاکہ تجھے عبرت حاصل ہو۔

حضرت غوث العلمینؒ فرماتے ہیں۔ کہ پیر طریقت کے حکم پر میں نے ان بزرگوں کی ملاقات کے لئے دوبارہ سفر اختیار کیا۔ مگر اس شان سے کہ ہر قدم پر دوگانہ ادا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ پانچ سال کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں۔ کہ دونوں غار کے اندر یاد الہٰی میں مشغول ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا ؎

فَحُبُّكَ رَاحَتِیْ فِیْ كُلِّ حِیْنٍ
وَذِكْرُكَ مُوْنِسِیْ فِیْ كُلِّ حَالٍ

تیری محبت ہر وقت باعث راحت ہے۔ اور تیری یاد ہر حال میں میری غم خوار ہے

القصہ دونوں بزرگوں نے اپنا مصلیٰ میری طرف بڑھایا۔ اور فرمایا۔ کہ یہ برکت اب تم کو ملی ہے

چوہتر سال ہونے کو آئے۔ اس عرصہ میں ہم نے نہ ایک لحظہ آرام کیا۔ اور نہ خالقِ حقیقی کی
غافل ہوئے۔ ایک کھجور سے روزہ افطار کرتے رہے۔ اور راتیں قیام میں بسر کر دیں۔ آج
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام نعمت تمہارے حوالے کرتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے چٹائی کے نیچے سے ایک خربوزہ نکالا اور فرمایا۔ تین سال گذ
سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی۔ حضرت نے یہ خربوزہ عنایت کرتے ہوئے
"خدا کے حکم سے حضرت جبرائیل بہشت سے یہ پھل لائے ہیں۔ اسے اپنے پاس بطو
کے رکھ لو۔ جب بہاؤالدینؒ تمہارے ہاں آئے۔ اُسے دے دینا۔ چنانچہ اپنی امانت سنبھا

حضرت غوث العلمینؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس خربوزہ کے کھاتے ہی تمام بشری نقاب اور عن
حجاب پردۂ دل سے اُتر گئے۔ اور اس قدر صفائی قلب حاصل ہوئی کہ عرش اعظم سے تحت ال
تک سب کچھ بے حجاب نظر آنے لگا۔ اور قرآن مجید کے دقائق و معارف مجھ پر خود بخود روشن
اس کے بعد میں نے عرض کی کہ سلوک کی کوئی حکایت بیان فرمایئے۔

ارشاد ہوا۔ کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ نے بیس سال کامل مدینہ منورہ میں بڑ
مستعدی سے عبادت کی ہے۔ اس عرصے میں نہ تو رات کو سوئے نہ دن کو آرام کیا۔ ہر رات
ہزار رکعت نماز پڑھتے اور ایک مرتبہ قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ دن بھر روزہ سے رہتے
اور شام کو پان کے دو پتوں سے افطار کرتے۔ زاں بعد حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و
نے اپنا خرقہ شیخ الشیوخ کو مرحمت فرمایا۔ اور ارشاد ہوا۔ کہ اس خرقے کو پہن لے۔ اور ج
اس خرقہ کو پہنے گا۔ اللہ تعالےٰ اسے دس کرامتیں عنایت کرینگے۔

خرقے کی خصوصیات اوّل۔ اس پر جملہ حجابات منکشف ہو جائیں گے۔

دوم۔ اُسے میں اپنا دوست بنا لوں گا۔

سوم۔ اس سے جو شخص میل جول رکھے گا۔ اُسے بھی میں اپنی ضمانت میں لے لونگا۔

چہارم۔ اس کی زبان سے حکمت کی گفتگو جاری ہو گی۔
پنجم۔ اُسے لوح محفوظ کا مخفی علم حاصل ہو گا۔
ششم۔ عرش سے فرش تک کی تمام پوشیدہ چیزیں اس پر ظاہر ہو جائیں گی۔
ہفتم۔ اُسے عارفوں کے مقام و قیام کا علم حاصل ہو گا۔
ہشتم۔ دنیا کی محبت اُس کے دل سے اُٹھ جائے گی۔
نہم۔ اُسے قرآن و حدیث کے علوم کا ادراک حاصل ہو گا۔
دہم۔ اُسے مجاہدہ و مشاہدہ اور صحو و تزکیہ میں انتہائی کمال حاصل ہو گا۔ اور عجیب و غریب اسرار اس پر منکشف ہوں گے۔ یہ سب کچھ اس خرقہ کی وجہ سے ہو گا۔

اس کے بعد غوث العلمین ان مردانِ خدا سے مرخص ہو کر بغداد کو واپس لوٹے۔ اور مرشد طریقت کا شرف نیاز حاصل کیا۔

دین و دنیا پر قبضہ حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں آئے چند دن ہی گذرے تھے۔ کہ ایک دن حضرت نے طلب فرمایا۔ ایک کٹا ہوا انار حضرت کے ہاتھ میں تھا۔ دے کر فرمایا۔ کہ کھا لیجئے۔ جب غوث العلمینؒ نے وہ انار لیا۔ تو اس میں سے ایک دانہ گر پڑا۔ آپ نے فوراً اُٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔

شیخ الشیوخ نے فرمایا۔ "بہاؤالدین ——— ! یہ دانہ دراصل دنیا تھی۔ میں نے چاہا۔ کہ تم اس کے جھمیلے میں نہ پڑو۔ اس لئے عمداً گرا دیا تھا۔ لیکن تو اُٹھا کر کھا گیا۔ اب دین و دنیا دونو تیرے قبضہ میں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔ کہ اب تم ملتان میں جا کر سکونت اختیار کرو۔ کہ اس ملک

شیخ جلال تبریزی کے باشندوں کی ہدایت تمہارے سپرد کی گئی ہے۔ سید جلال تبریزی کے نام سے ایک بزرگ حضرت شیخ الشیوخ کے آستانہ پر رہتے تھے۔ تین چار ملاقاتوں میں انضباط اس قدر بڑھا۔ کہ وہ بھی آپ کے ہمراہ چلنے کو تیار ہو گئے۔ اور حضرت شیخ الشیوخ سے عرض کی۔ کہ مجھے شیخ

بہاؤالدین زکریاؒ سے بڑی محبت ہے۔ اگر ارشاد عالی ہو۔ تو میں بھی ان کے ہمراہ چلا جاؤں۔
نے اجازت دے دی۔ اور دنیائے تصوف کے یہ شمس و قمر بغداد سے ملتان کو روانہ ہو گئے۔

عظمتِ مرشد ان دنوں بخارا کے راستے سے ملتان آنا پڑتا تھا۔ جب یہ بزرگوار سفر طے کر
نیشاپور پہنچے۔ تو شیخ جلال الدین تبریزی علماء و مشائخ سے ملنے کے لئے شہر میں تشریف لے
اور حضرت غوث العلمینؒ اپنی منزل گاہ میں مصروف عبادت رہے۔ ملاقات کے بعد واپس آ
تو حضرت غوثؒ نے ان سے پوچھا کہ آج کی سیر میں کس درویش کو سب سے بہتر پایا۔!

فرمایا۔ شیخ فرید الدین عطارؒ کو۔

پوچھا "کیا کیا باتیں ہوئیں"؟

کہا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ کہ

"آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا۔"؟

میں نے عرض کی۔ "بغداد سے آتا ہوں"۔

پھر پوچھا "وہاں کون درویش سب سے زیادہ عبادت الٰہی میں محو ہے ——— !

میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت غوث العلمینؒ نے فرمایا۔ کہ آپ نے اپنے مرشد شیخ الشیوخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ
کا ذکر کیوں نہ کیا۔

شیخ تبریزی نے جواب دیا "شیخ فرید الدینؒ کی عظمت میرے دل پر ایسی چھا رہی تھی۔ کہ ذہن
حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی طرف منتقل نہ ہو سکا"

یہ جواب حضرت غوث العلمینؒ کو نہایت شاق گذرا۔ فرمایا۔ جس کا ذہن اپنے مرشد کے معاملہ
میں سہو کا شکار ہو سکتا ہے اس سے ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر فوراً مصلیٰ کندھے پر رکھا
اور ملتان کو چل پڑے۔

عروس البلاد ملتان

غوث العالمینؒ کی زندگی

کا

تبلیغی دور

حضرت غوث العلمینؒ کی غیر حاضری میں عروس البلاد ملتان اور کوٹ کروڑ نے جو جو انقلابات دیکھے۔ وہ بجائے خود ایک لمبی داستان ہے ہم تفصیل میں نہیں جاتے مختصر یہ ہے۔ کہ ملتان کے قرامطہ کے اقتدار پر ۵۷۱ھ میں محمد غوری کے ہاتھوں کاری ضرب لگ چکی تھی۔ اگر انہیں لاہور کے حاکم خسرو ملک کی حمایت حاصل نہ ہوتی۔ تو کبھی کے ختم ہو چکے ہوتے۔ لیکن چونکہ ادھر سے برابر شہ مل رہی تھی۔ اس لئے دیہات میں ان کا پورا اثر موجود تھا۔ سلطان نے ۵۷۶ھ/۱۱۸۰ء میں لاہور پر یلغار کی لیکن خسرو ملک قلعہ بند ہو گیا۔ اور افواج سلطانی ناکام واپس لوٹ گئیں ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں سلطان پھر پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ اور سیالکوٹ پر قبضہ کر کے اس کے قلعہ کی مرمت کرائی ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں لاہور پر آخری حملہ ہوا۔ اور سلطان خسرو ملک کو گرفتار کر کے ہمراہ لے گیا۔ ۵۸۳ھ/۱۱۸۷ء میں خسرو اور اس کے تمام خاندان کو سلطان غیاث الدین کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے انہیں جرجستان کے قلعہ میں قید کیا۔ اور خوارزم شاہ کے حادثہ میں سب کو ٹھکانے لگا دیا۔ خسرو آل سبکتگین کا آخری چشم و چراغ تھا۔ دستور کے مطابق اس خاندان کا ستارۂ اقبال بھی دو سو سال میں اپنا دورہ پورا کر کے ایسا غروب ہوا۔ کہ پھر نہ اُبھرا۔

۵۹۹ھ/۱۲۰۲ء تک سلطان ہندوستان کے راجوں مہاراجوں سے سرگرم پیکار رہا۔ ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء میں خوارزم شاہ پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ اور خراسان کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کا ایک غلام ایبک نامی ہمراہ تھا۔ اس نے سمجھا کہ سلطان مارا گیا۔ اسے سندھ کی حکومت کا خیال پیدا ہوا۔ اُس نے بادشاہ کے مرنے کی افواہ ہر طرف پھیلا دی۔ اور خود دیگولہ بن کر ملتان پہنچا۔ یہاں سلطان کی طرف سے امیر حسن حکومت کرتا تھا۔ اُسے دربار میں جا کر ملا۔ اور کہا۔ کہ مجھے آپ کو بادشاہ کا پیغام

دنیا ہے۔ اور آج کل جو حوادثات گذرے ہیں۔ ان کی بابت کچھ بیان کرنا ہے۔ خلوت میں چلئے۔

امیر حسن بلا تامل اس کے ہمراہ محل میں چلا آیا۔ یہاں ایک ترکی غلام تاک میں بیٹھا تھا اس نے فوراً گردن اُڑا دی۔ پھر دربار میں آیا۔ اور ایک جعلی فرمان دکھا کر اعلان کیا۔ کہ امیر حسن سلطان کے حکم سے کیفرِ کردار کو پہنچا۔ آج سے میں اس ولایت کا حاکم ہوں۔ امراء نے بلا تامل اطاعت کر لی لیکن گکھڑوں کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو وہ لاہور پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے نکل پڑے۔ اور جہلم و سوہدرہ میں سخت ہنگامہ برپا کر دیا۔ سلطان شہاب الدین غوری تازہ دم ہو کر غزنی پہنچا۔ یہاں یلدوز بگڑا بیٹھا تھا۔ اس نے شہر میں نہ گھسنے دیا۔ یہاں سے ملتان پہنچا۔ ایبک مقابلے میں نکلا۔ ایک معمولی جھڑپ کے بعد سلطان نے اسے گرفتار کر لیا۔ پنجاب سے سپاہ جمع کر کے غزنی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور یلدوز کو مطیع کیا۔ انہی ایام میں خوارزم شاہ کا ایلچی آیا اور صلح ہو گئی۔ سنہ ۶۰۰ھ آزمائش اور ابتلا کا سال تھا۔ تمام سرداروں نے سلطان کی اطاعت کا جوا کندھے سے اُتار پھینکا تھا۔ صرف قطب الدین ایبک ہی وفادار رہا۔ سنہ ۶۰۲ھ میں سلطان نے گکھڑوں سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ قطب الدین ایبک بھی دلّی سے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دونوں نے مل کر گکھڑوں کی خوب گوشمالی کی۔

گکھڑوں کا مذہب گکھڑوں کا کوئی مذہب نہ تھا۔ جس کے ہاں لڑکی ہوتی۔ وہ دروازے پر لے کر کھڑا ہو جاتا۔ اور پکارتا۔ کہ کوئی اسے اپنی زوجیت میں لینے کو تیار ہے؟ اگر کوئی قبول کرتا تو اس کے حوالے کر دیتا۔ ورنہ جان سے مار ڈالتا۔ ایک ایک عورت کئی کئی خاوند کرتی تھی مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا بڑا ثواب سمجھتے تھے۔ اگرچہ شاہی فوج نے انکا کچومر نکال دیا تھا۔ مگر پھر بھی یہ اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ سلطان یہاں سے لاہور چلا گیا تھا۔ جتنے دن وہاں قیام رہا گکھڑ مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے رہے۔ لاہور اور غزنی کی سڑک ان کے علاقے سے ہو کر گذرتی تھی۔ یہ راستہ مسلمانوں پر بند ہو گیا۔

گکھڑوں کا قبولِ اسلام انہی ایّام میں ایک مسلمان گکھڑوں کے ہاں قید ہو کر آیا۔ اس نے گکھڑوں کے سردار کے سامنے اسلام کی خوبیاں اس طرح سے بیان کیں۔ کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔ اس نے کہا۔ کہ اگر مَیں سلطان کے پاس جا کر اسلام قبول کر دوں۔ تو وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔

قیدی مسلمان نے جواب دیا۔ کہ مَیں اس امر کا ذمہ دار ہوں کہ وہ تیرے ساتھ شاہانہ سلوک کرے گا۔ اور اس پہاڑی علاقے کی حکومت تجھے دے دیگا۔

گکھڑوں کا رئیس اس بیان پر مسلمان ہونے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ قیدی مسلمان نے یہ صورتِ حال سلطان کی خدمت میں لکھ بھیجی سلطان نے فوراً خلعت فاخرہ اور مرصع کمر بند سردار کے لئے ارسال کئے۔ اس پر وہ بے جھجک سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا سلطان نے قیدی مسلمان کے وعدہ کو ایفا کرتے ہوئے کوہستانی علاقے کی حکومت اس گکھڑ کے سپرد کی۔ وہ فرمان لے کر اپنے وطن میں واپس آیا۔ اور اپنی قوم کے بہت سے آدمیوں کو مسلمان بنایا۔ انہی دنوں میں دریائے سندھ اور غزنی کے درمیانی علاقے کے پہاڑی باشندے بھی مسلمان ہو گئے۔

قرامطہ کی تباہی سلطان لاہور سے ملتان پہنچا۔ یہاں ابھی تک قرامطہ غالب تعداد میں موجود تھے۔ چُن چُن کر ان کا خاتمہ کرایا۔ اور ملتان کی سرزمین کو کفر و الحاد کی اس لعنت سے ہمیشہ کیلئے پاک کر دیا جب سارے ملک میں امن ہو گیا۔ تو سلطان نے غزنی جانے کا ارادہ کیا۔ اور والیِ بامیاں کے نام حکم ہوا۔ کہ دریائے جیحون کے کنارے پر لشکر جمع کرے اور پل تیار رکھے کیونکہ ہم ترکستان کے کافروں سے جہاد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ غرض کوکبۂ اجلال حرکت میں آیا۔ اور ۲ شعبان کو سراپردۂ شاہی دریائے سندھ کے ایک پُر فضا مقام پر نصب ہوا۔ ایک رات قرامطی گکھڑوں کے چند بدمعاش نوجوان جن کے اعزا و اقارب لشکرِ شاہی کے ہاتھوں مارے

...گئے تھے۔ دریا کو عبور کر کے آدھی رات کے وقت خیمہ میں گھس گئے۔ اور سلطان کو خنجروں سے شہید کر ڈالا۔

بادشاہ کا جنازہ بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت سے غزنی کو روانہ ہوا۔ بڑے بڑے ...ن اور امیر ہمراہ تھے۔ کندھا دیتے تھے۔ اور آہ و بکا کرتے تھے جب جنازہ غزنی کے قریب ...۔ تو حاکم غزنی تاج الدین یلدوز استقبال کو آیا۔ اس نے دفور رنج سے زرہ بکتر پھینک دیا۔ ...ں کو بکھیرا۔ اور سر میں خاک دھول ڈال لی۔ کم و بیش یہی کیفیت باقی امراء کی تھی۔

...دوم عبدالرشیدؒ کی ہجرت کوٹ کروڑ کی ولایت شیخ احمد غوثؒ کے انتقال پران کے بڑے ...جزادے مخدوم عبدالرشیدؒ کے حصے میں آئی تھی ——— آپ از خود کوٹ کروڑ کا انتظام ...ان کے نائب علی کرماج کے حوالے کر کے مع خدم و حشم اور خزائن دولت ملتان ہجرت کر آئے ...حب منبع البرکات اس تفصیل کے اجمال کو یوں بیان کرتا ہے۔

"حضرت مخدوم عبدالرشید بحکم ایزدی بہ کمالات و برکات بطرف ملتان جنت المکان قدوم ارزانی فرمودند"۔

مخدوم عبدالرشید کی شادی خانہ آبادی حضرت غوث العالمینؒ کی ہمشیرہ معصومہ بی بی کمال خاتون ——— سے بی بی فاطمہؒ کی زندگی میں ہی ہو چکی تھی۔ بلکہ شیخ ابوبکرؒ اور شیخ محمدؒ کے ...م سے دو نواسے بھی ان کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے۔ شیخ عیسیٰؒ کی دو نوں صاحبزادیوں کا کوٹ ...وڑ میں انتقال ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئیں[۱]۔

مخدوم عبدالرشید نے ملتان پہنچ کر اس مقام پر قیام فرمایا۔ جہاں اس وقت حضرت غوث العالمینؒ ...روضہ مبارک ہے۔ پہلے یہاں ترسنگ پسر ایسر تہا دیو کا استھان تھا۔ گھڑیالی دروازہ کے قریب تودہ ...ال کے دامن میں شیخ الاسلام محمد یوسف گردیزی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے ایک کنواں چلا

[۱] دختران شیخ عیسیٰ گیلانی بجوار رحمت قریب گشتہ در کوٹ کروڑ مدفون شدند۔ "منبع البرکات"

آنا تھا۔ جو بغیر بیلوں کے چل رہا تھا۔ ایک روز حضرت کا ادھر سے گذر ہوا۔ اس پر جو توجہ فرمائی۔ اس کا چلنا موقوف ہو گیا۔ ملتان کے لوگ اس واقعہ سے چونک اُٹھے۔ آپ کے ہاں خواص و عوام کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ اور جو آبا تھا لی کر دیا گیا۔ صاحب منبع البرکات لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ پچاس جاہلوں اور گمراہوں کا ایک گروہ حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے گوشۂ چشم سے جو ذرا نظر کی۔ انہیں شاہدِ حقیقی کا جمالِ بے مثال دکھا دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"طائفہ جہال، گمراہ و کم ہمت را کہ در امر معروف یکسر بودند۔ ارشاد مے فرمودند تا بجدے کہ پنجاہ جہل کس را بیک نظر بکمالِ وصال سے رسانیدند۔"

حضرت مخدوم عبدالرشید کے علم و فضل کا چرچا ہر طرف پھیل گیا۔ اکنافِ عالم سے سعید روحیں کھچ کھچا کر یہاں جمع ہونے لگیں۔ قال اللہ و قال الرسول سے ملتان کے در و دیوار گونج اُٹھے قلیل عرصہ میں آپ نے ستر آدمیوں کی دستار بندی کرائی۔ اور سینکڑوں نے آپ کی نظرِ کیمیا اثر کے فیضان سے قطب و ابدال کا درجہ پایا۔

خوابِ بشارت ایک رات حضرت مخدوم العالمؒ کے ہاں علماء و مشائخ کا اجتماع تھا بحث و مناظرہ میں تین پہر گذر گئے۔ اجلاس برخواست ہونے پر دفعتہً آپ پر غنودگی طاری ہوئی اور عالم رویا میں کیا دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت احمد غوثؒ تشریف لے آئے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:۔

"بیٹا چوتھے دن تیرے چچا زاد بھائی حضرت شیخ بہاؤالدین دین و دنیا کی سعادتوں سے مالا مال ہو کر ملتان میں داخل ہوں گے تمہیں لازم ہے۔ کہ اپنی ہمشیرہ کو ان کے حبالۂ نکاح میں دے دو۔ اور خود حرمین شریفین کو روانہ ہو جاؤ۔ روزِ ازل سے جو سعادت و نعمت تیرے حصے میں مقدر ہو چکی ہے۔ وہاں سے حاصل کرو۔ اور باقی کے لئے تجھے ہمدان کے شہر میں جد و جہد کرنا ہو گی۔

مخدوم عبدالرشید خواب سے بیدار ہوئے ـــــ برادر بزرگوار کے آنے کی بشارت سے شادمان

ہوئے۔ اور بڑی بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔

غوث العلمینؒ کی آمد حضرت غوث العلمینؒ سکون و اطمینان سے ملتان کو چلے آرہے تھے جب غزنی کے مضافات میں پہنچے معلوم ہوا کہ ملتان کے فرمانروا سلطان ناصرالدین قباچہ اور غزنی کے خلجیوں کے مابین لڑائی چھڑ چکی ہے۔ اسلئے آگے جانے کا کوئی راستہ محفوظ نہیں ہے خلجیوں کے بے شمار قبائل جنوب مشرقی افغانستان میں آباد تھے۔ اور کافی منظم تھے روزانہ ہزاروں مردانِ کارآزما بھرتی کر کے محاذ جنگ پر بھیجے جا رہے تھے۔ حضرت چپ چاپ یہ کیفیت دیکھتے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ کا ورود ایسے گاؤں میں ہوا جہاں سے قباچہ کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ یہ پُرفضا اور کوہستانی مقام تھا۔ آپ چند ایام کے لئے یہیں رہ پڑے اور حالات کا جائزہ لینے لگے۔ اس نواح میں آپ کی تشریف آوری کا چرچا ہوا۔ تو لوگ جوق در جوق رشد و ہدایت کے اس سرچشمہ پر جمع ہونے لگے۔ ہزاروں فاسق و بدکار آپ کی توجہ سے صراط المستقیم پر گامزن ہوئے۔ اور سینکڑوں نے جنیدؒ اور بایزیدؒ کا مرتبہ پایا۔ کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا۔ کہ خلجیوں کو اس جنگ میں سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور اب وہ دہلی کے تاجدار سلطان شمس الدین التمش کے پاس امداد کے لئے اُڑے چلے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے سلطان کی بڑی تعریف کی اور بتایا کہ اس کی عسکری طاقت بہت مضبوط ہے دو سال پہلے غزنی کے حاکم تاج الدین یلدوز نے جب اس سے ٹکر لگائی تھی۔ تو اسے منہ کی کھانا پڑی تھی۔ ناصرالدین قباچہ سے بھی اس کے تعلقات اچھے نہیں یقیناً گھمسان کا رن پڑیگا اور اس سے ملتان کا متاثر ہونا لازمی ہے۔ چند ماہ بعد اطلاع ملی۔ کہ سلطان خلجیوں کی مدد کو بڑھا چلا آتا ہے۔ حضرت ملتان کو روانہ ہونے والے تھے۔ کہ یہ خبر سُن کر رُک گئے۔ اگرچہ یہ انتشار کا زمانہ تھا۔ اور عوام سیاسی پیچیدگیوں کے سبب پریشان سے ہو رہے تھے۔ اس کے باوجود حضرتؒ کے گرد و پیش ہزاروں سعید روحیں مور و ملخ کی طرح جمع رہتی تھیں۔ حضرت غوث العلمین بہت جلد

ملتان پہنچنے کے آرزومند تھے۔ اس لئے روز پتہ کرتے تھے۔ کہ ملتان کا رستہ کھلا ہے یا نہیں
ایک دن خبر ملی کہ دریائے چناب کے کنارے دو بادشاہوں کا سخت مقابلہ ہوا ہے۔ اور
قباچہ شکست کھا کر سندھ کو بھاگا چلا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اب ملتان کی خیر نہیں۔ دوسرا
معرکہ یقیناً اس شہر میں ہوگا۔ لیکن حضور نے اس خیال کی تردید فرمائی۔ کہ التمش دیندار بادشاہ
ہے۔ وہ ناحق بندگان خدا کا خون نہیں گرائے گا۔ چنانچہ تیسرے دن حضرت کے ارشاد گرامی
کی تصدیق بھی ہوگئی۔ محاذ جنگ سے آنے والوں نے بتایا۔ کہ سلطان دہلی کو واپس لوٹ گیا
ہے۔ اور انہوں نے کوکبہ شاہی کو اپنی آنکھوں سے واپس جاتا دیکھا ہے۔ یہ سنتے ہی
حضرت غوث العلمینؒ اپنی مسند پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں اب یہاں اور قیام نہیں کر سکتا
مجھے بہت جلد ملتان پہنچنا ہے۔ یہ کہہ کر سب سے رخصت ہوئے۔ اور تن تنہا ملتان کو چل دیئے۔
انوار غوثیہ کے بیان کے بموجب حضرت ۶۱۴ھ میں بغداد سے روانہ ہوئے تھے یہ گمان اغلب
یہی ہے کہ حضرت نے ۶۱۵ھ کے آغاز میں ہی اس مینو سواد خطہ سے ملتان کا رخ کیا ہوگا۔
مقام آپ کے نام کی رعایت سے شیخ بہاؤ الدین مشہور ہو گیا تھا۔ آج کل شیخ بدین کہلاتا ہے
اور صوبہ سرحد کا صحت افزا مقام ہے۔

قران السعدین | شیخ شرف الدین قریشیؒ لکھتے ہیں۔ کہ مخدوم عبدالرشیدؒ کے رویا کے مطابق
ٹھیک چوتھے دن حضرت غوث العلمینؒ ملتان میں داخل ہوئے۔ عصر کا وقت تھا۔ حضرت دیو
دروازہ کے باہر بیٹھے سستا رہے تھے۔ وضو کے لئے پانی درکار ہوا۔ کنواں ترش و تلخ تھا
اور ڈول موجود نہ تھا۔ حضرت کنوئیں کی منڈیر پر آئے۔ جھانک کر دیکھا۔ قدرت الٰہی سے پانی
اوپر آگیا۔ آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ وہ میٹھا ہو گیا۔ وضو کر کے نماز میں مصروف ہو
لوگوں نے یہ کرامت دیکھی۔ تو آپس میں چرچا کیا۔ اڑتی اڑتی یہ خبر حضرت مخدوم عبدالرشیدؒ تک
پہنچی۔ وہ تو انتظار میں تھے۔ فرط خوشی سے اچھل پڑے۔ فوراً گھوڑا منگوا، سوار ہو، تشریف لے

آئے حضرت ابھی تک مصلیٰ پر بیٹھے تھے۔ مخدوم عبدالرشیدؒ آپ کو دیکھ کر گھوڑے سے اُترے اِدھر حضرت کو بھی "ابنِ عم" کے آنے کا احساس ہوا۔ فوراً کھڑے ہو گئے۔ مخدوم عبدالرشیدؒ قریب آچکے تھے۔ دونوں بھائی بے اختیار بغلگیر ہو گئے۔ ایک لمحے تک حسنِ ازل کے ان "نورانی پیکروں" پر یہ صورتِ حال قائم رہی۔ خدا شناس آنکھوں میں خوشی کے آنسو مچل رہے تھے اور نظروں میں کوٹ کروڑ کا وہ نقشہ پھر رہا تھا جبکہ مخدوم احمد غوث کی آغوشِ شفقت میں یہ نونہال پروان چڑھ رہے تھے۔ اور خدا شناس ماؤں نے ممتا کا سایہ کر رکھا تھا۔ اس کے بعد دونوں نامور بھائی ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے دولت خانہ کو روانہ ہوئے۔ آگے ذکر جا کر اور اعزا واقارب انتظار میں تھے۔ سب سے مصافحہ و معانقہ کرنے کے بعد خلوت میں تشریف لے گئے اور والدہ ماجدہ کو یاد کر کے بہت روئے۔

کاسۂ شیر | صاحب خزینۃ الاصفیا اس خبر کا ذمہ دار ہے۔ کہ جب حضرت ملتان میں تشریف لے آئے۔ اور طالبانِ حق فوج در فوج حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ تو اکابرِ ملتان کو آپ کی عالمگیر شہرت پر حسد ہوا۔ اور دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ خدمتِ اقدس میں ارسال کیا۔ اس سے اشارہ یہ تھا۔ کہ "ملتان اس پیالہ کی طرح مشائخ اور علماء سے بھرا پڑا ہے آپ کی یہاں گنجائش کہاں۔!"

حضرت کے آگے اس وقت گلاب کے پھول رکھے تھے۔ آپ نے ایک پھول اس پیالے میں ڈال کر واپس بھجوا دیا۔ گویا جواب یہ تھا۔ کہ "اس پھول کی طرح ہم نہ صرف یہاں سما سکتے ہیں۔ بلکہ ہماری شہرت اور نیک نامی یہاں کے جملہ باخدا درویشوں پر غالب آئے گی[1]

مخدوم عبدالرشید کا عزمِ سفر | جب سفر کی کوفت دُور ہو گئی۔ تو مخدوم عبدالرشیدؒ نے والد

---

[1] جائے من دریں شہر بطور یکہ گل بالائے شیر است خواہد بود (خ ا)

بزرگوار کی وصیت کے بموجب اپنی ہمشیرہ رشیدہ خاتون المعروف بصراں بی بی کی شادی حضرت غوث العلمینؒ سے کر دی۔ اور اموال وخزائن جو صدیوں سے اس خاندان میں متوارثاً چلے آتے تھے۔ اور سالہا سال تک آپ نے بحیثیت "امین" کے ان کی نگہداشت فرمائی تھی۔ آخری کوڑی تک حضرت غوث العلمینؒ کو سنبھال دیئے۔ اور اراضی کی معافیات کے پٹے اور حکمنامے بھی جو سلطان شہاب الدین غوری کی طرف سے آپ کو کوٹ کروڑ کی حکومت کے معاوضے میں ملے تھے۔ وہ بھی حضرت غوث العلمینؒ کے آگے رکھ دیئے۔ اور حجاز جانے کے لئے اجازت طلب کی حضرت نے فرمایا۔

"اے بھائی! ایک مدت آں عزیز کے فراق میں بسر ہوئی۔ خدا خدا کر کے آج یہ موقعہ نصیب ہوا ہے۔ اب تو کسی قیمت پر آپ کا فراق گوارا نہ ہوگا۔"

مخدوم عبدالرشیدؒ نے دست بستہ عرض کی۔ کہ:۔

"جس مقدس اور اہم فریضہ کے پیشِ نظر آں بزرگوار نے اعزا واقارب کا فراق گوارا کر کے طویل مدت کا سفر اختیار فرمایا تھا۔ وہی جذبہ اب مجھے کشاں کشاں لئے جاتا ہے۔ کامیابی کے لئے دعا فرمایئے۔!"

یہ کہہ کر حضرت غوث العلمینؒ سے بغلگیر ہوئے۔ آپ نے سینے پر پتھر کی سل رکھ کر بھائی کو الوداع کہی۔ اور مخدوم عبدالرشیدؒ اپنے سات فداکار خادموں کے ہمراہ ارضِ مقدس کو روانہ ہو گئے۔

حضرت کے معمولات

حضرت غوث العلمینؒ اب متاہل ہو چکے تھے۔ مخدوم عبدالرشیدؒ کے اہل وعیال اور انکے ناموس بھائی بھی آپ کے دامن سے وابستہ تھے۔ ایک بہت بڑا خزانہ جو اسلاف سے ترکہ میں ملا تھا۔ تن آسانی اور عیش کوشی کی دعوت دینے کو موجود تھا۔ لیکن وہ "پیکرِ نور" جسے عنفوانِ شباب

میں دنیا کے رنگ و روغن کی ملمع کاری دھوکہ نہیں دے سکی تھی۔ اب اس کے فریب میں کیسے آ سکتا تھا۔ پرانے قلعہ پر محل تعمیر ہوا۔ مگر اہل و عیال کے لئے حجرے اور سرائیں معرض وجود میں آئیں لیکن فقرا اور مشایخ کے لئے۔ حضرت کی اپنی حالت یہ تھی۔ کہ لاکھوں اشرفیاں قدموں میں پڑی جھکا کرتی تھیں۔ لیکن حضور ان سے بے پرواہ ہو کر "جبینِ نیاز" "خاکِ عبدیت" پر رکھے اپنے عجز و انکسار کا اعتراف کرتے دکھائی دیتے تھے۔ سنہری روپہلی سکوں کے اس بڑے خزانے کو اس ذات مقدس کی نگاہوں میں کبھی خزف ریزوں کے ڈھیر سے زیادہ مقام حاصل نہ ہوا۔ گویا ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

تبلیغی جماعتیں آپ نے دیکھا۔ کہ حاکم سست اور بے پرواہ ہے۔ اور قرامطہ کی ملحدانہ تعلیم غیر شعوری طور پر عوام کے قلب و دماغ پر چھائی جا رہی ہے۔ شہر کے مقابلے میں دیہات اس مرض کا زیادہ شکار نظر آیا۔ اس لئے حضور نے قرامطہ کے اثر و نفوذ کو مٹانے اور نوعِ انسانی کو اسلام سے متعارف کرانے کا ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ آپ کا دروازہ ہر کہ و مہ کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اس لئے آپ سے ملنے والوں میں ہر قسم کے آدمی ہوا کرتے تھے۔ علماء۔ زہاد اور فقہا بھی فقراء، مشایخ اور مجذوب بھی۔ حضرت نے واعظین اور مبلغین کرام کی کئی جماعتیں ترتیب دیں۔ اور انہیں ایک پروگرام کے ماتحت سندھ اور مکران تک دورہ کرنے پر مقرر فرمایا۔ کئی جماعتیں کشمیر اور دہلی کو روانہ ہوئیں اور کئی افغانی قبائل میں حرکت کرنے لگیں حضرت کی آمد سے پہلے سلطان سخی سرور رحمتہ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعتیں مصروفِ کار تھیں۔ مگر صحیح قیادت میسر نہ ہونے کے سبب ان میں سستی اور بے راہروی سی پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت نے انکی سرپرستی بھی قبول فرمائی۔ دس دس میلوں کے فاصلے پر ان کی قیام گاہیں مقرر ہوئیں۔ جہاں سرسبز اور

گھنے درختوں کے سایہ تلے کئی کئی دنوں تک وعظ و نصیحت کی مجالس گرم رہتی تھیں۔ سال کے خاتمہ پر مبلغین کے یہ گروہ جو اب تک سنگ اور "جماعت" کے نام سے مشہور ہیں پانچ پانچ سو کی تعداد میں قال اللہ و قال الرسول سے لوگوں کے دلوں کو گرماتے ملتان حاضر ہوتے اور اپنی سالانہ رپورٹ پیش کرتے۔ دوران سال میں انہیں جو دقتیں پیش آتیں۔ وہ بیان کرتے حضرت غوث العلمین اور آپ کے فاضل رفقا نہ صرف ان مشکلات کو حل کرتے بلکہ جہاں جہاں ضرورت محسوس فرماتے وہاں خود بھی تشریف لے جاتے تھے۔ بالعموم گرمی کے موسم میں سرحد۔ کشمیر۔ افغانستان۔ بخارا اور نیشاپور کی طرف دورہ ہوتا۔ اور سردی کے دنوں میں پنجاب سندھ اور راجپوتانہ میں اپنے خلفاء اور احباب کے ہمراہ سفر کرتے تھے۔ ہر منزل پر ایک دو یوم (ضرورت کے مطابق) قیام کرکے تبلیغی مجالس ترتیب دیتے۔ صاحب حال صوفی اور نامور مشایخ اثر میں ڈوبی ہوئی تقریریں کرتے کسی عارف کے قول کے مطابق ؎

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

ان مجالس میں دلوں کی کائنات ہل جاتی تھی۔ فولادی طبایع نرم ہوکر موم بن جاتی تھیں خشونت آمیز نگاہوں سے خشیت الٰہی کی دھاریں پھوٹ پڑتیں۔ بڑے بڑے سنگدل انسان خدا کے قہر و غضب اور اس کی بے پناہ گرفت سے ڈر کر کانپ اُٹھتے۔ اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگتے۔ ایک ہی نشست میں ہزاروں فاسق و بدکار تائب ہوکر قطب و ابدال بن جاتے تھے۔ یہ تبلیغی گروہ کسی پر اپنے نان نفقہ کا بوجھ نہیں ڈالتے تھے۔ بلکہ حضرت غوث العلمینؒ کی طرف سے ان کو لاکھوں کا سامان تجارت خرید کر دیا جاتا تھا۔ ہر پڑاؤ پر دو کانیں کھل جاتیں نانبائی کھانا تیار کرتے۔ بزاز کپڑوں کی دوکانیں کھول بیٹھتے۔ اور پنساری قسم قسم کا سامان لے بیٹھتے۔ محافظ دستہ جنگی مظاہرے کرکے نوجوانوں کو جہاد کے لیے اُبھارتا۔ زور آزمائی ہوتی۔ گھوڑ دوڑ۔ نیزہ بازی اور شمشیر افگنی کے کمالات سے مردہ دلوں میں زندگی کی ایک نئی

روح دوڑنے لگتی تھی۔ حضرات علما ایک جانب لاکھوں کے ہجوم میں قرآن و حدیث کا وعظ
کرتے نظر آتے۔ دوسری طرف گپھے دار جھاڑیوں میں عارفانِ حق کا حلقہ دکھائی دیتا جس
میں زنگ آلود دل نہ صرف صیقل ہوتے۔ بلکہ تزکیہ نفس، استغراق، مراقبہ اور عباداتِ شرعیہ
کے لئے انہیں تیار کیا جاتا تھا۔ صاحب بزم صوفیہ لکھتے ہیں۔ کہ

لہ تبلیغی جماعتوں کا یہ سلسلہ حضرت کے زمانہ سے اب تک جوں کا توں قائم ہے لیکن چونکہ ان پر صالح قیادت
کا کنٹرول نہیں رہا۔ اس لئے ان کی صورتِ حال وہ نہیں رہی جو غوث العلمین یا ان سے ایک صدی بعد
تک تھی۔ فروری اور مارچ کے مہینوں میں یہ جماعتیں سندھ اور وادی کشمیر سے چلتی اور منزل بمنزل قیام
کرتی اپنے مرکز پہنچتی ہیں۔ اور وہاں چند یوم قیام کر کے واپس لوٹ جاتی ہیں۔ جو جماعتیں حضرت سخی سرور
رحمتہ اللہ کے مزار پر سالانہ حاضری دیتی ہیں۔ انہیں سنگ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ ایک قافلے
کی صورت میں چلتی ہیں۔ ہر پڑاؤ پر زبردست میلہ لگتا ہے۔ دوکانیں کھلتی ہیں۔ گھوڑ دوڑ اور کشتی ہوتی ہے
اب فلم اور تھیٹر کا انتظام بھی ہونے لگا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن اگر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ تو وہ وعظ
اور تبلیغ ہے جس کے لئے یہ جماعتیں منظرِ عام پر آئی تھیں۔ یہاں تک کہ "سخی سرورؒ" کے مقام پر بھی یہ اجتماعات
محض تفریح و تفنن کا موجب بن کر رہ جاتے ہیں۔ اگر حکومت ان اجتماعات سے اصلاحِ اعمال اور تبلیغ
دین کی خدمت لینے کا تھوڑا سا انتظام کر دے تو ملک اور ملت کی بہت بڑی خدمت انجام دی جا سکتی ہے۔
دوسری جماعتیں جو حضرت غوث العلمین کی بارگاہ سے وابستہ ہیں۔ ان کی صورتِ حال سخی سرورؒ
کے سنگ سے بالکل مختلف ہے۔ یہ جماعتیں مکران۔ بلوچستان اور سندھ کے مضافات سے چلتی ہیں۔
اور قال اللہ و قال الرسول سے دلوں کو گرماتی ملتان پہنچتی ہیں اور چند یوم حضرت کے آستانِ قدس پر ٹھیر کر
واپس لوٹ جاتی ہیں۔ یہ حضرت غوث العلمینؒ کے سچے عاشق ہیں۔ آج کل تو سفر چند گھنٹوں کا رہ گیا ہے
لیکن سات سو برس تک جبکہ تین چار دریا عبور کرنے پڑتے تھے۔ یہ لوگ سندھ کے جنوبی اضلاع سے
ننگے پاؤں چل کر آتے تھے۔ اب بھی گاڑیوں کے ڈبے ان سے بھرے ہوتے ہیں اور گاڑی میں نعرہ
"جاء الحق و زہق الباطل ان الباطل کان زہوقا" کے نعرے لگاتے اور حمد و نعت کے ترانے گاتے ہیں۔ ملتان میں جوتا نہیں پہنتے
ہر شخص کے پاس معمولی سامان اور ایک لاٹھی ہوتی ہے۔ حفاظت جان کے لئے پہلے تلوار لے کر
چلتے تھے۔ خالصہ دور میں مسلمانوں کے لئے شمشیر ممنوع قرار پائی۔ تو انہوں نے لاٹھی لے لی۔ جواب
تک برابر ان کی رفیق و ہمدم چلی آتی ہے تبلیغی سرگرمیوں کا یہاں بھی فقدان ہے (باقی صفحہ ۱۲۲ پر)

ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے متور ہو گیا تھا۔ اور ان کا عہد خیر الاعصار کہا جاتا ہے۔

شیخ محمد نور بخش سلسلۃ الذہب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے، علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منتسب ہوئے۔ لوگوں کو رشد و ہدایت کی تلقین فرمائی اور انہیں کفر سے ایمان کی طرف معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے اور ان کی شان بڑی تھی (بحوالہ اخبار الاخیار)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱)

اس کی واحد وجہ یہ ہے۔ کہ نواب مظفر خاں کے شہید ہو جانے پر جب ملتان سکھوں کے قبضے میں آیا۔ تو انہوں نے اہل بلدیہ کے ساتھ ساتھ حضرت غوث العلمینؒ کے گھرانے کو بھی لوٹ لیا۔ علمی ذخیرے نذر آتش کر دیئے گئے اور جوش جنون میں حضرت رکن عالم رحمتہ اللہ علیہ کے مقبرے کو بھی آگ لگا دی گئی۔ ایسے عالم میں تبلیغی تنظیم کہاں قائم رہ سکتی تھی۔ تیس برس کا طویل عرصہ اس شہر پر سکھوں کا تسلط رہا۔ اور جماعتوں کا آنا جانا نہ ہو سکا۔ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ اس دور میں اگرچہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی مل گئی۔ لیکن پھر بھی ایسے اجتماعات کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جس میں چند مسلمان لاٹھیوں سے مسلح ہو کر شامل ہوتے ہوں۔

اب جبکہ اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ تبلیغ کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں رہی۔ حضرت غوث العلمین کے نیک دل اور ہر دلعزیز سجادہ نشین نواب مخدوم مرید حسین قریشی اور ان کے جواں سال فرزند میاں سجاد حسین صاحب اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ چند سالوں سے حضرت کے عرس پر تبلیغی مجالس منعقد کی جاتی ہیں اور فروری و مارچ میں جو جماعتیں زیارت کیلئے آستانِ عالیہ پر حاضر ہوتی ہیں۔ انہیں سجادہ نشین صاحب اصلاحِ اعمال اور اتباعِ شریعت کی تلقین کرتے ہیں۔ روضہ مبارکہ پر مدرسہ تعمیر کرنے اور ایک جید عالم کے تقرر کا معاملہ بھی زیر غور ہے۔ امید ہے عنقریب جماعتوں میں بہت جلد تبلیغی کام اچھے معیار پر ہونے لگے گا۔

صاحب سفینۃ الاولیاء کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت بہاءالدین زکریا شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے۔ اور یہیں توطن اختیار کیا۔ رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے تو بہت سے لوگوں نے ان کی ہدایت کی برکت پائی۔ اور اس دیار کے تمام لوگ ان کے مرید اور معتقد ہو گئے۔ اس دیار میں تمام مریدان ہی کے ہیں۔ (صفحہ ۱۹۷)

کسب حلال

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ غوث العلمینؒ نے اپنے خزانہ کو تجارت میں لگا دیا تھا۔ اس زمانے میں راوی قلعہ سے ٹکرا کر گذرتی تھی۔ اس کے ذریعے بڑی بڑی کشتیوں پر سامانِ تجارت سکھر۔ بکھر۔ ٹھٹھہ۔ منصورہ اور پھر وہاں سے عراق، عرب اور مصر تک جاتا تھا۔ خشکی کے راستہ سے کابل، ایران، دہلی اور لاہور سے تجارت ہوتی تھی۔ حضرت اپنی جاگیر کی پیداوار، ملک کی خام اجناس اور مصنوعات معتمد خدام کی معرفت دساور کو بھجواتے تھے۔ انہیں ہدایت ہوتی تھی۔ کہ کم نفع پر بیچو۔ اور دیانت داری سے معاملہ کرو۔ حضرت کے کارندے جن میں اکثر اہل اللہ اور خدا یاد بزرگ تھے۔ نہایت دیانتداری سے معاملات طے کرتے تھے۔ جس سے آپ کو بیش از بیش نفع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کوٹ کروڑ میں حضرت کی جو ذاتی جاگیر تھی۔ اس سے بھی بڑی آمد ہوتی تھی۔ تحصیل لودھراں میں واہی غوث الملک اور قلعہ پیر کے نام سے اب تک حضرت کی جاگیر چلی آتی ہے۔ حضرت کے زمانہ میں دریائے بیاس انہیں سیراب کرتا تھا۔ اور ان کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا۔ اس وقت ان جاگیروں کا پانی بھی میٹھا تھا۔ بعد میں دریا کے رُخ بدلنے سے ان علاقوں کا پانی کڑوا ہو گیا۔ یہ بہ نہایت سیر حاصل رقبے تھے۔ لاکھوں روپوں کی ان سے سالانہ یافت ہوتی تھی۔

نظام اوقات حضرت اپنے زمانہ کے بہت بڑے عابد تھے۔ کلام پاک کی تلاوت سے آپ کو بڑا شغف تھا۔ آپ نے عمر سو سال کے قریب پائی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی آپ نے یہ معمول بنا لیا تھا۔ کہ ہر رات کو قرآن شریف کا ایک ختم کرتے تھے۔ ایک بار اپنے خلفار کے ساتھ کسی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے۔ جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر دے حاضرین میں سے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی۔ آخر آپ نماز کو کھڑے ہوئے اور رکعت اول میں قرآن شریف ختم کر کے دوسری رکعت میں چوتھائی حصہ پڑھ کر سلام پھیر دیا۔[له]

حضرت غوث العلمینؒ کی صحت آخر عمر تک قابل رشک رہی۔ چھیا نوے برس کی عمر میں بھی بالاخانے سے اُتر کر جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ روزانہ فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد دیوان خانہ میں مسندِ ارشاد پر جلوہ فرماتے۔ اس وقت تمام علما اور مشائخ بالالتزام حاضر ہوتے۔ اور سلوک و معرفت کے دقائق بیان ہوتے۔ ملازمین۔ تجارت، زراعت اور لنگر خانہ کے حسابات پیش کرتے۔ آپ ان کی پڑتال کرتے اور مناسب ہدایات فرماتے۔ اسی دوران میں شہر اور مضافات کے غربار اور مساکین پیش ہوتے۔ انہیں درہم و دینار، اجناس اور خلعتوں سے مالا مال کیا جاتا۔ دوپہر کو دولت خانہ میں تشریف لے جا کر غذا تناول فرماتے۔ جو بالعموم چھوٹے سے قرص پر مشتمل ہوتی تھی۔ آج کل کے بسکٹ کے برابر اندازہ کر لیجئے۔ اسی ایک قرص اور چند گھونٹ پانی پر آٹھ پہر قناعت فرماتے تھے۔ خانگی امور بھی اسی وقت پیش ہوتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے۔ ظہر کی اذاں ہوتی۔ تو حضرت مسجد میں تشریف لا کر باجماعت نماز ادا فرماتے۔

اس کے بعد قریب کے ایک مکان میں چلے جاتے۔ اور کافی دیر تک اوراد و اذکار میں

له منقول از محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء دہلوی

مصروف رہتے۔ ازاں بعد پھر مجلس ہوتی۔ اس میں تبلیغی جماعتوں سے ملاقات کرتے۔ انکی کارگزاریوں کو سنتے اور ان کی مشکلات کو حل فرماتے۔ طالبان علم بھی بعض اہم مقامات لے کر پیش ہو جاتے۔ حضرت انہیں درس دیتے اور زیر بحث مسائل پر تقریر کرتے تھے۔ اس وقت کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ہر شخص سر جھکائے ادب سے سنتا رہتا۔ اور یوں محسوس کرتا۔ گویا آسمان سے کوئی صحیفہ اُتر رہا ہے۔

عصر کی اذان سن کر پھر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ اور عام مسلمانوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر نماز ادا فرماتے۔ اس کے فوراً بعد منبر پر تشریف لے جاتے۔ قرآن و حدیث کا وعظ ہوتا۔ سامعین کی تعداد سَو دو سَو نہیں۔ ہزار دو ہزار نہیں بلکہ بعض اوقات چالیس پچاس ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ وہ چبوترہ جس پر حضرت نے عصر کے بعد بلا ناغہ وعظ فرمایا ہے۔ وہ اب تک روضہ مبارک کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں مشایخ کرام نے حضرت کا وعظ سن کر وجد کئے ہیں۔ عام مسلمانوں نے ہدایت پائی ہے اور ہزارہا غیر مسلم دین اسلام سے مشرف ہوئے ہیں۔ جن خوش نصیب حضرات کو زندگی میں کسی باعمل عالم کے وعظ سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت غوث العلمینؒ کے وعظ کی کیا کیفیت ہو گی۔ علمائے ربانی کی آواز محض حلق سے نہیں نکلتی تھی۔ بلکہ دل کی عمیق گہرائیوں سے اُٹھتی تھی۔ یہی قدسی نفوس علماء مسجدوں کے محراب میں کھڑے ہو کر دعوتِ عمل دیتے تو افراد قوم میں بجلی کی سی تڑپ پیدا ہو جاتی۔ اور آنکھوں کے ڈھیلے فرط جوش سے خونیں نظر آنے لگتے۔ بارہا ایسا ہوتا کہ یہی حرب نا آشنا مٹھی بھر مسلمان خطبہ سُن مسجد سے نکلتے اور سیاسیات عالم کا چہرہ پلٹ کے رکھ دیتے۔ انہی تاثرات کے پیش نظر شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے فرمایا تھا ؂

صاحبدلے بمدرسہ آمد ز خانقاہ بشکست عہد صحبت اہلِ طریق را

گفتم میانِ عابد و عالم چہ فرق بود   تا اختیار کردی ازاں ایں طریق را
گفت آں گلیم خویش مے برد ز موج
ویں جہد مے کند کہ بگیرد غریق را

لیکن یہ حضرت غوث العلمینؒ کا ہی مقام تھا۔ کہ آپ اپنے عہد کے بہت بڑے عابد بھی تھے اور بے پناہ عالم بھی۔ حجرہ میں بیٹھ کر ارادتمندوں کو تزکیہ نفس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ اور مسجد کے محراب و منبر کی زینت بن کر لوگوں کے دلوں کو گرماتے بھی تھے۔ بسا اوقات ایک ہی نشست میں ہزارہا غیر مسلموں نے دین اسلام قبول کر لیا۔ اور یہ تو روز کا مشاہدہ تھا۔ کہ کوئی نہ کوئی دنیا دار فاسق وعظ سُن کر چیخ اُٹھتا۔ اور مال و اسباب خدا کی راہ میں لٹا کر حضرت کے خدام میں شریک ہو جاتا۔

غروب آفتاب سے قدرے پہلے مضافات میں ہوا خوری کے لئے تشریف لے جاتے کبھی سواری پر۔ کبھی پیادہ اور کبھی ہوادار میں۔ خاص خاص خدام اور ارادتمند ہمراہ ہوتے مغرب کو واپسی ہوتی۔ اور باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد تخلیہ میں چلے جاتے۔ اور دیر تک اوراد و اذکار میں مصروف رہتے۔

عشا کی نماز پڑھنے کے لئے پھر مسجد میں تشریف لے آتے۔ اور نماز پڑھ کر ڈیڑھ پہر رات تک پھر عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ اوراد و اذکار سے فارغ ہو کر حضور دولت خانہ میں تشریف لے آتے۔ اور غذا تناول فرما کر کچھ دیر استراحت کرتے۔ ایک تہائی رات لے کر پھر بیدار ہوتے۔ اُس وقت تہجد ادا فرمانے علاوہ ازیں خلوتی اوراد و اذکار بھی ختم کئے جاتے زاں بعد صبح کی نماز تک حجرہ شریفہ سے اسم ذات کے ذکر کی آواز سننے میں آتی اور کسی کسی وقت ایک آہ جگر دوز ــــــــ جس کا اظہار ذیل کی رباعی سے ہوتا ہے۔ جو دن کے وقت کبھی کبھی حضور کی زبان مبارک سے سنی جاتی تھی ؎
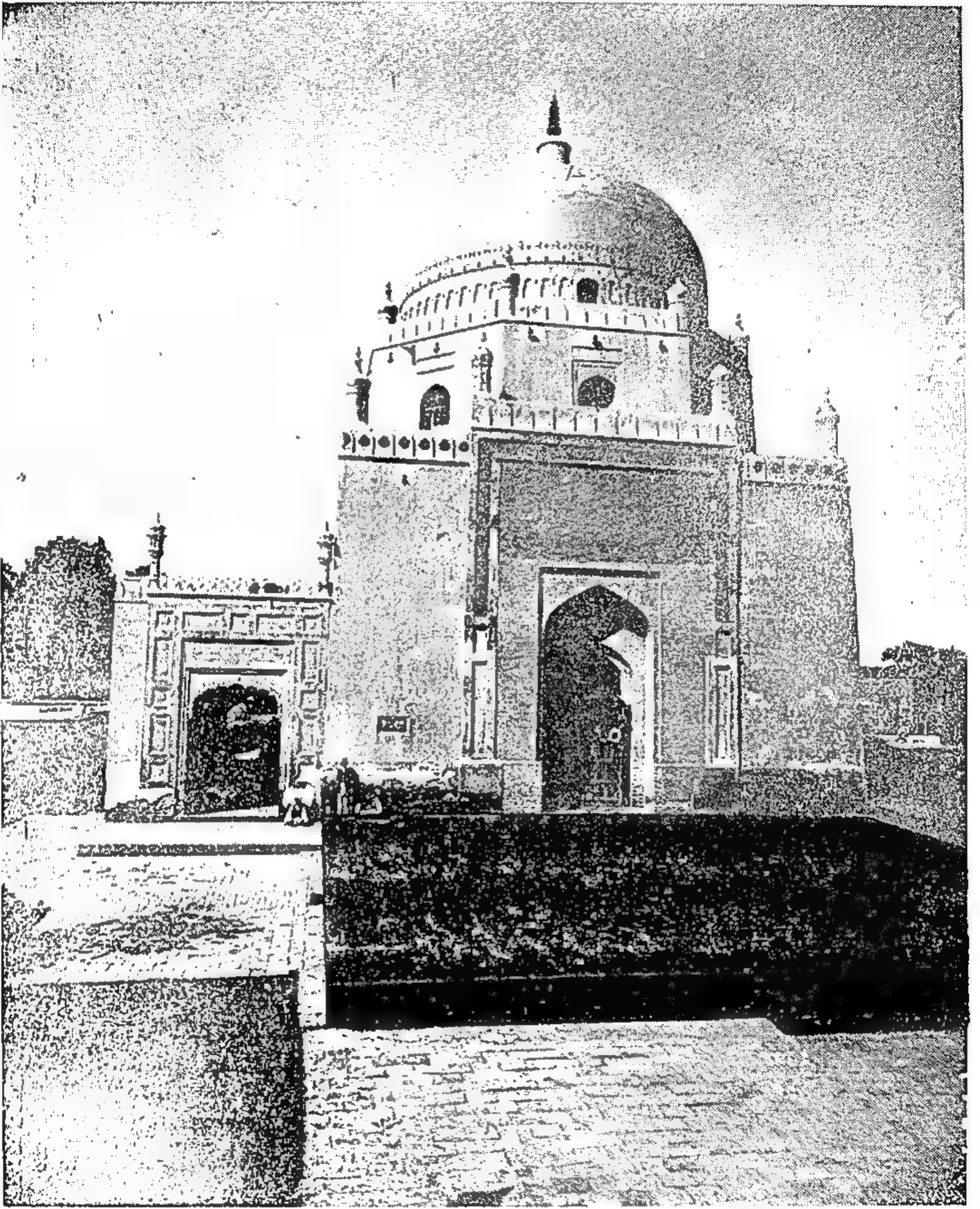
روضۂ غوث العالمینؒ کا وہ تاریخی چبوترہ جس پر حضرت نے بیس برس کامل عصر کے بعد وعظ فرمایا ہے۔ ان مواعظ میں دلوں کی کائنات ہل جاتی تھی۔ فولادی طبائع نرم ہو کر موم بن جاتی تھیں خشونت آمیز نگاہوں سے خشیتِ الٰہی کی دھاریں پھوٹ پڑتیں اور ہزاروں فاسق بدکار تائب ہو کر قطب و ابدال بن جاتے تھے ✤

دریا دِ تو اے دوست چناں مدہوشم | صد تیغ اگر بزنی سر نخروشم
آہے کہ بزنم بیادِ تو وقتِ سحر | گر ہر دو جہاں دہند واللہ نفروشم

سلطان ناصرالدین قباچہ

(سندھ کا مغرور تاجدار)

جب حضرت غوث العلمینؒ کی شہرت دُور دور تک پھیل گئی۔ تو سندھ اور ملتان کے تاجدار سلطان ناصرالدین قباچہ کو آپ کے ملنے کا شوق ہوا۔ اسے فقراء اور مشائخ سے عقیدت نہ تھی۔ اس لئے ایک دن امتحان کی غرض سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کہ ولی کی شناخت کیا ہے؟

اس وقت اتفاق سے ایک مکھی سلطان کی ناک پر آ بیٹھی۔ اس نے اُڑا دیا۔ پھر آ بیٹھی۔ الغرض کئی مرتبہ یہ نوبت آئی۔ کہ وہ ناک سے مکھی کو اُڑاتا۔ مگر وہ پھر آ بیٹھتی۔ حضرت غوث العلمین کیفیت ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اسی اثنا میں قباچہ نے دوبارہ سوال کیا۔

"نشانِ اولیاء چیست؟"

شیخ الاسلام نے فرمایا۔ کہ ولی کی شناخت یہ ہے۔ کہ اُس پر مکھی نہیں بیٹھتی لیکن تیری ناک پر بیٹھتی ہے۔ قباچہ کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے اقرار کیا۔ کہ واقعی آپ ولی ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے۔ کہ شیخ الاسلام کے بدن اور لباس پر کسی نے عمر بھر مکھی کو بیٹھتے نہیں دیکھا۔

فیاضی

قباچہ کے عہدِ حکومت میں ایک بار سخت قحط پڑا۔ حضرت کے لنگر خانہ میں گندم کی کافی مقدار

موجود تھی۔ اس نے آپ سے کچھ گندم طلب کی ———— آپ نے فرمایا۔ کہ فلاں سٹور کی گندم دے دی جائے۔ جب سلطان کے نوکر آئے اور سٹور سے گندم اُٹھانا شروع کی۔ تو اس میں سے نقری سکوں کے سات کوزے برآمد ہوئے۔ سلطان کو اطلاع ہوئی تو اس نے حکم دیا۔ کہ یہ کوزے حضرت غوث کی خدمت میں واپس کر دئیے جائیں۔ کیونکہ یہ غلہ سے برآمد ہوئے ہیں۔ لیکن حضرت نے فرمایا ہمیں ان کوزوں کا پہلے سے علم تھا۔ اور گندم کے ساتھ ہم نے چاندی کے یہ کوزے بھی بخش دیئے[1]

علامہ قطب الدین کاشانی

سلطان ناصر الدین قباچہ حضرت غوث العلمینؒ کے بے پناہ اثر و نفوذ کو اپنی حکومت کے لئے مستقل خطرہ خیال کرتا تھا۔ اس نے بڑے سوچ و بچار کے بعد کاشان کے علامہ قطب الدینؒ کو ملتان آنے کی دعوت دی۔ وہ بھی فقرا اور مشائخ کے چنداں معتقد نہ تھے۔ علامہ بڑی شان سے ملتان میں داخل ہوئے۔ حکومت نے جامع مسجد کے ساتھ بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا۔ اور مولانا اس کے شیخ الدرس مقرر ہوئے۔ قباچہ ان کا بہت بڑا ادب کرتا تھا۔ اور امرائے دربار کو بھی حکم تھا۔ کہ ان کا زیادہ سے زیادہ احترام کریں۔ حضرت شیخ الاسلام کو سب کچھ معلوم تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے محل سے چل کر جامع مسجد میں پہنچتے اور ان کی اقتدا میں صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ ایک دن علامہ نے عرض کی "حضور نماز اپنی مسجد میں ہی ادا فرمالیا کریں۔ اس قدر تکلیف کی کیا ضرورت ہے"۔ فرمایا "میں اس حدیث پاک پر عمل کرتا ہوں۔ من صلّیٰ خلف عالم فکانما صلّیٰ خلف نبی مرسلٍ یعنی جس نے کسی باعمل عالم کے پیچھے نماز پڑھ لی گویا اس نے نبی مرسل کے پیچھے نماز ادا کی"۔ مولانا خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ جب حضرت غوث العلمینؒ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ مولانا

[1] سیر العارفین از مولانا جمالی

ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ حضرتؒ دوسری رکعت میں شریک ہوئے۔ لیکن ابھی علامہ نے پہلا سلام ہی ادا کیا تھا۔ کہ غوث العالمینؒ کھڑے ہو گئے۔ نماز کے بعد علامہ کو کسی نے یہ معاملہ بتا دیا۔ انہوں نے حضرت سے سوال کیا۔ کہ آپ نے میرے دوسرے سلام کا انتظار کیوں نہ فرمایا۔ اگر مجھے سہو ہو جاتا۔ تو پھر آپ کیا کرتے۔ فرمایا کہ اگر کسی کو نورِ باطن سے معلوم ہو جائے۔ کہ امام کو سہو نہیں ہوا۔ تو وہ پہلے سلام پر ہی کھڑا ہو سکتا ہے۔ علامہ نے فرمایا۔

"ہر وہ نور جو احکام شرع کے موافق نہیں ہے ظلمت ہے"[1]

حضرت غوث العالمینؒ کو یہ جواب شاق گذرا، اور پھر کبھی اس مسجد میں تشریف نہ لائے۔

مولانا جمالیؒ لکھتے ہیں۔ کہ انہی ایام میں مولانا کے کسی بے تکلف دوست نے ان سے پوچھا۔ کہ فقراء پر آپ کے اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے ایک درویش ایسا دیکھا ہے کہ کوئی دوسرا اس جیسا نظر نہیں آتا۔[2] اور پھر اس کا ذکر شروع کیا۔ فرمایا:۔

ایک دفعہ میں کاشغر میں مقیم تھا۔ ایک عمدہ اور نفیس چاقو اپنی جیب میں رکھتا تھا اچانک اس کا دُنبالہ ٹوٹ گیا۔ میں اُسے بازار میں لے گیا۔ تمام کاریگروں سے ملا۔ اور انہیں کہا کہ جس طرح یہ پہلے تھا۔ اُسی طرح بنا دیجئے۔ سب نے جواب دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پہلے سے کچھ نہ کچھ تو ضرور کم ہو گا۔ میں اسی جھمیلے میں کوچہ گردی کرتا پھرتا تھا۔ کہ ان میں سے ایک شخص نے مجھے بلا کر کہا۔ کہ فلاں دکان پر چلے جائیے۔ وہاں ایک پیرمرد ملے گا۔ وہ بڑا کاریگر اور صاحبِ کمال ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے ہاتھوں تیرا چاقو درست ہو جائے۔" میں یہ جواب سُن کر اس دوکان پر پہنچا۔ ایک پیرمرد دیکھا۔ جس کے

---

[1] ہر نورے کہ موافق احکام شرع نیست آں ظلمت است

[2] درویش را کہ من دیدہ ام دیگر ہیچناں سے یا بم "سیر المتاخرین"

چہرہ سے بزرگی ظاہر تھی۔ اور پیشانی نور سے جگمگا رہی تھی۔ میں نے سلام کے بعد تمام قصہ ان کی خدمت میں عرض کیا۔

اس بزرگوار نے نظر اُٹھا کر مجھے دیکھا۔۔۔ چاقو طلب کیا۔ اور فرمایا۔

"تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کر لو۔"

میں نے ان کے کہنے پر ظاہر آنکھیں بند کر لیں لیکن گوشۂ چشم سے دیکھتا رہا۔ کہ یہ بزرگ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ

وہ حضرت چاقو کو ہونٹ تک لے گئے۔ اور زیر لب کوئی دُعا پڑھ کر دم کی۔ اور پھر واپس لوٹا دیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اب وہ پہلے سے بھی کئی درجے بہتر ہو گیا ہے۔ میں ان کے قدموں میں گر گیا۔ ایک روپیہ ان کے آگے رکھا۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ میں نے بڑی منت سماجت کی۔ فرمایا۔ تمہارا چاقو درست ہو چکا ہے۔ اب مجھے کیوں پریشان کرتے ہو۔

جب مولانا نے یہ حکایت ختم کی۔ ان کے دوست نے کہا۔ کہ

"اے قطب الدین! وہ کاریگر جس نے آپ کا چاقو درست کر دیا تھا۔ نجم الدین سیف ہے۔ اور وہ حضرت غوث بہاؤالدین زکریاؒ کے ادنیٰ مریدوں میں سے ہے۔"

مولانا کاشانیؒ یہ سن کر دم بخود رہ گئے۔ حضرت غوث العلمینؒ کی بلند شخصیت کا رعب کچھ اس طرح سے اثر انداز ہوا۔ کہ ملتان میں رہنا ان کے لئے از بس مشکل ہو گیا۔ نماز کے سلسلے میں جو گفتگو حضرت سے ہوئی تھی وہ بار بار ذہن میں آکر کوفت کا موجب بنتی۔ انتشار اور انفعال کی اسی کیفیات میں ملتان چھوڑ دہلی کو روانہ ہو گئے۔[1]

---

[1] حضرت غوث العلمینؒ کی وفات کے بعد علامہ کاشانی پھر ملتان تشریف لائے۔ اور زندگی کے بقیہ ایام یہیں بسر کئے دارالعلوم کے مشرق میں دفن ہوئے۔ آپ کا مدرسہ آپ کے بعد بھی سالہا سال تک قائم رہا۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری میں جب مولانا حسین بخش مدظلہ کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا وجیہ الدینؒ ملتان تشریف لائے (باقی صفحہ ۱۳۱

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں خوارزم شاہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱)

تو آپ اس درسگاہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ کافی عرصہ درس و تدریس میں بسر کرنے کے بعد فوت ہو کر علامہ کاشانی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ملا نادرؒ نے جو ملتان کے قاضی القضاۃ تھے۔ اپنی منظوم تاریخ کے اندر مولانا وجیہہ الدینؒ کا ذکر اس طرح سے کیا ہے ؎

بود آں علامۂ دورِ زماں، بحر فیض علم زد گشتہ رواں
درس گفت و عالمے شد فیض یاب، خود نظیر خویش بود عالی جناب
بعد ازاں آورد رو در ملتاں، بود درس قاضی قطب الدین رواں
اندروں نہاد رخت و شد مقیم، عالمے را داد او فیضِ عمیم،
آخر اندر نہ صد ہفتاد یک جاں پاکش بود در جنت ملک،
سوئے مشرق در مدرسہ جائے او
متصل قاضی قطبؒ ما وائے او

محولہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ۹۷۱ھ تک علامہ کاشانی کی یونیورسٹی میں کافی رونق تھی۔ علامہ رحمۃ اللہ کو اس درس گاہ سے جو نسبت تھی۔ اس کا تقاضا یہی تھا۔ کہ مر کر بھی اسی میں دفن ہوں لیکن ان کے بعد صرف مولانا وجیہہ الدینؒ کو ہی یہ شرف حاصل ہوا۔ ان کے علاوہ کسی اور مدرس کے یہاں دفن ہونے کا تاریخی طور پر کوئی ثبوت نہیں ملتا جیسن آگاہی سے کھڑے ہو کر شمالی درس گاہ کی جانب نظر دوڑائیں تو پرانے قلعہ کے ایک مرتفع چبوترے پر دو سادہ مگر باعظمت مزار نظر آتے ہیں یہی ان بزرگوں کی آخری آرام گاہیں ہیں اسلامی دور میں ان پر خوبصورت اور ان کے شایانِ شان مقبرہ تھا۔ سامنے وسیع و عریض درس گاہ اور پاس ہی عظیم الشان جامع مسجد تھی جس میں حضرت غوث العلمینؒ مولانا کاشانیؒ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ جہاں ملتان شہر اور قلعہ کی مسلم آبادی آکر جمعہ کی نماز ادا کیا کرتی تھی۔ جہاں صبح کو روزانہ درس قرآن ہوتا تھا۔ اور ہزاروں سعید روحیں قال اللہ و قال الرسول سے دلوں کو گرماتی تھیں۔ سکھوں کے زمانہ (باقی صفحہ ۱۳۲ پر)

تباہی و بربادی کا اجمالاً ذکر ہو چکا ہے۔ اس کا نوجوان اور اولوالعزم ولیعہد سلطان جلال الدین آخر دم تک مغلوں سے بے جگری اور بہادری سے لڑتا رہا جب اسے ایران اور افغانستان سے کوئی کمک نہ ملی۔ تو وہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔ چنگیز خاں بھی لاؤ لشکر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱)

میں مسجد اور مقبرہ کو بارود سے اُڑا دیا گیا۔ مخدوم شیخ سید محمد یوسف صاحب سجادہ نشین شاہ گردیز اپنی تاریخ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قبر و قبہ اش در قلعہ ارک متصل جامع مسجد بود، در روز انہدام مسجد مذکور از بارود قبر و قبہ اش نیز برباد رفت"

ملا نادر کے اشعار سے علامہ کاشانی کے مدرسہ اور مسجد کے محل وقوع کا سراغ ملتا ہے۔ یعنے وہ عظیم الشان درس گاہ علامہ کی قبر کے مغرب میں واقع تھی۔ اور جامع مسجد اس کے متصل بیان کی جاتی ہے (مخدوم سید محمد یوسف کا بیان ملاحظہ ہو) میرے خیال میں جہاں نمائش کے زیر اہتمام موت کا کنواں بنا ہوا ہے۔ یہی مدرسہ کا صحیح محل وقوع ہے۔ اور مسجد اس کے شمالی جانب تقریباً اس مقام پر ہو گی۔ جہاں بیت الخلا واقع ہے۔

بھارت میں تو آٹھ سو برس کے بعد سومنات بڑے اہتمام سے دوبارہ تعمیر ہو۔ اور ملک کے صدر الصدور اس کا جا کر افتتاح کریں۔ اور ہمارے ہاں علامہ کاشانی کی مسجد اور ان کی یونیورسٹی کی جگہ موت کا کنواں اور بیت الخلا نظر آئے۔ یا للعجب!!

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیح شیخ
اور تنک سے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

قلعہ کی کھدائی اور اسکی تزئین و آرائش کا کام شروع ہے۔ اگر سید منظور حسین صاحب ایڈمنسٹریٹر اوران کے معتمد سید محمد حسن صاحب گردیزی ادھر ذرا سی توجہ دیں۔ تو ان عمارتوں کے آثار کا مکمل آنا کوئی مشکل امر نہیں۔ اور اگر آثار نہ بھی نکلیں تو بھی محل وقوع ظاہر ہے یہیں ایک جامع مسجد اور یونیورسٹی علامہ کاشانی کی یادگار کے طور پر تعمیر کرا دی جائے تو اس سے نہ صرف قلعہ کی زیب و زینت میں معتد بہ اضافہ ہو گا۔ بلکہ ایک مقدس ترین قطعہ ارضی بے ادبی سے محفوظ ہو جائیگا۔ اور ہزاروں لوگ یہاں رب العزت کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کے لئے جمع ہوں گے۔

بہت پیچھے لیکا چلا آتا تھا۔ سندھ کے قریب پہنچ کر جلال الدین نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور دریا کے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا تھا۔ کہ اگر بخت یاوری کرے۔ تو مغلوں کی فوج پر جا پڑے۔ مغلوں نے اس کے تعاقب میں اپنے گھوڑے دریا میں ڈالنے چاہے۔ لیکن چنگیز خاںؒ اس کی ہمت و شجاعت کو دیکھ کر ایسا خوش ہو رہا تھا۔ کہ اس نے سواروں کو وہیں روک لیا اور بیٹوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ

ما درِ گیتی ایسے فرزند گاہے گاہے پیدا کرتی ہے۔ اگر قسمت نے اس کا ساتھ دیا۔ تو یہ اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے گا

---

٥ چنگیز خاں از فرقہ کفار تاتار است نام پدرش یسوکی بود۔ در ۵۴۹ھ متولد شدہ در سنہ ۶۰۲ھ بپادشاہی سربرآوردہ در سنہ ۶۱۵ھ بملک چین و تاتار مستولی گشتہ بعد ازاں رخ بطرف ایران نمودہ بر سر محمد خوارزم شاہ کہ سلطان غزنہ و خوارزم بود رفت، و بعد محاربہ متواتر در سنہ ۶۱۸ھ او را مستاصل ساخت چندے با پسرش سلطان جلال الدین جنگ ہا داشت آن کہ او را نیز کشتہ تمامی ملک غزنہ خوارزم، بخارا، سمرقند وغیر آنہا در عرصہ قلیل بدست آورد و پس از سلطنت بست دو سال بعمر ہفتاد و پنج سال روز یکشنبہ ۵ ار مضان سنہ ۶۲۴ھ درگذشت (مفتاح التواریخ)

شجرہ چنگیز خاں و اولادش این است:-

- چنگیز خاں — وفات سنہ ۶۲۴ھ
  - تغلق خاں — 〃 ۶۲۸ھ
    - ہلاکو خاں — 〃 ۶۶۳ھ
      - اباقا خاں ۶۶۳-۸۱ھ
        - ارغون خاں ۶۸۳-۹۰
          - غازان خاں سلطان محمود ۶۹۴-۷۰۳
          - اوجایتو سلطان خدابندہ ۶۹۰-۹۴
            - سلطان ابوسعید ۷۱۶-۳۶
        - کیخاتو خاں ۶۹۰-۹۴
      - طرغائی
        - بایدو خاں ۶۹۴ھ
      - نکودار احمد
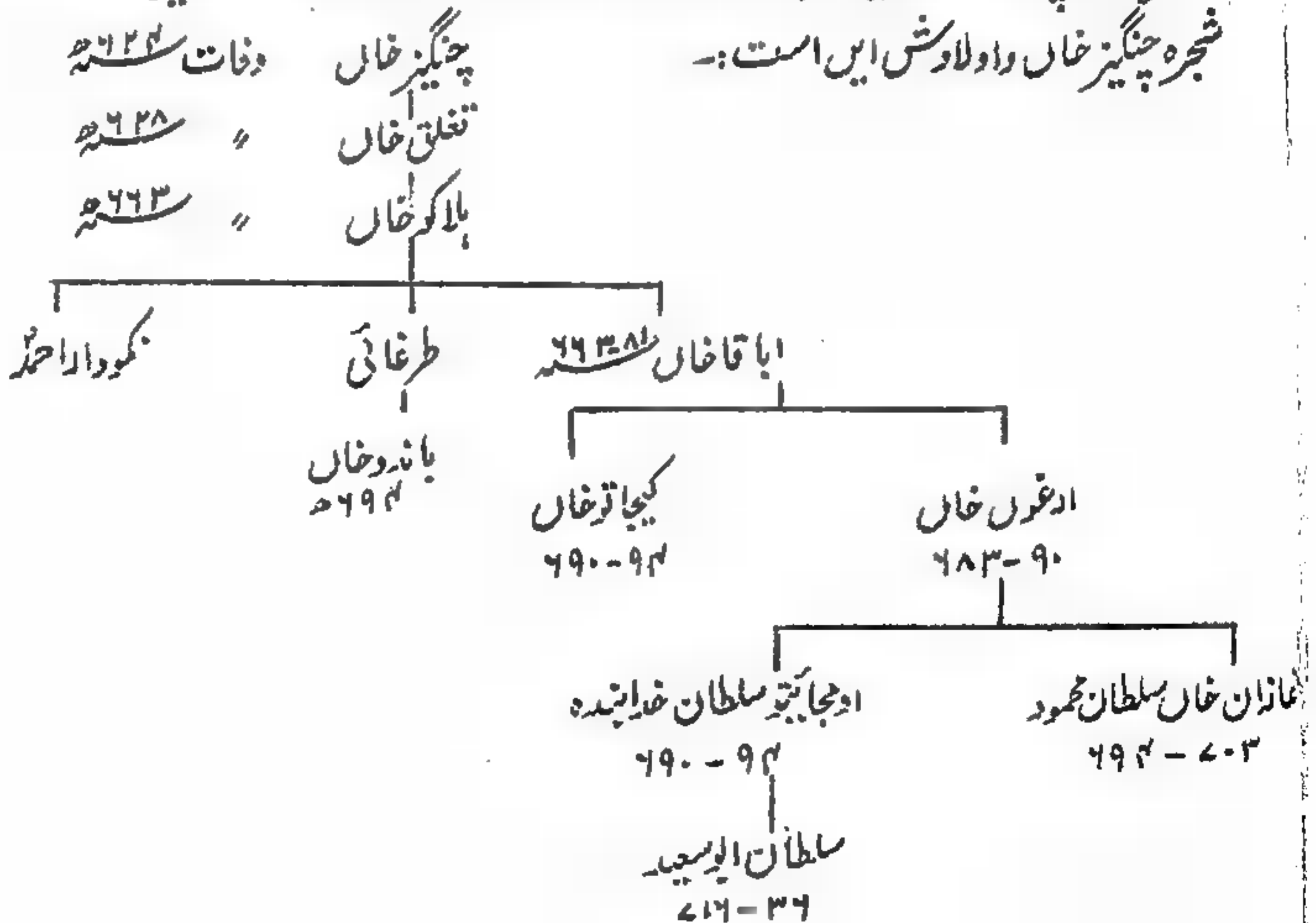
جلال الدین نے لاہور پہنچ کر سلطان شمس الدین التمش اور ناصر الدین قباچہ سے امداد طلب کی۔ مگر وہ چنگیز جیسے سفاک دشمن سے لڑائی مول لینے کو تیار نہ تھے۔ جس کا ایمان ہی یہی تھا۔ کہ جہاں جاتے۔ وہاں انسان کی نسل مٹا ئیے۔ التمش نے جلال الدین کے نام پیغام بھیجا۔ کہ یہاں کی آب وہوا آپ کو راس نہ آئے گی۔ جلال الدین اس بات کو سمجھ گیا۔ اور سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ ناصر الدین قباچہ کو علم ہوا۔ تو وہ پورے لشکر کے ساتھ مقابلے میں نکلا۔ سلطان کے جرنیل ازبک پائی نے کھوکھروں کی مدد سے اوچ شریف کے مقام پر قباچہ سے ٹکر لگائی جس میں اُسے شکست ہوئی۔ اور وہ بھکر کی طرف بھاگ گیا۔ سلطان ملتان کو روانہ ہوا۔ قباچہ یہ خبر سن کر فوراً ملتان آیا۔ اور قلعہ بند ہو بیٹھا۔ اُزبک پائی نے ملتان کا بھی محاصرہ کیا۔ لیکن سلطان کی حمیت نے مسلمانوں کی خونریزی کو گوارا نہ کیا۔ اور یہ جنگجو مگر حوصلہ مند نوجوان اپنی قسمت سے ایک بار پھر ٹکرانے کے لئے سیوستان کی راہ سے اپنے اپنے ملک کو واپس لوٹ گیا۔ جہاں وہ آخر دم تک مغلوں سے برسرِ پیکار رہا۔ آج تک پختہ طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ اس شجاع اور جری سلطان کا کیا حشر ہوا۔ اغلب گمان یہی ہے کہ اس نے مغلوں کے کسی معرکہ میں بہادری سے لڑتے ہوئے اپنی جان ملک اور ملت پر قربان کر دی ہو گی۔

مغلوں کا ملتان پر حملہ تمام تاریخوں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ چنگیز خاں نے دریائے سندھ کو عبور نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کا جرنیل طرطائی[1] سندھ کو عبور کر کے بھیرہ تک آ پہنچا۔ اور اس شہر کی کل آبادی کو حکم دیا۔ کہ فوج کے لئے کشتیاں تیار کرے۔ چنانچہ تھوڑے سے عرصہ میں کشتیاں تیار ہو گئیں۔ طرطائی نے ان کشتیوں کو دریائے جہلم میں ڈال دیا۔ اور بڑے بڑے پتھر[2] ان میں بھروائے۔ تاکہ ان سے ملتان پر حملہ کر سکے۔ جب یہ فوج ملتان پہنچی تو

[1] آئین اکبری میں اس جرنیل کا نام "ترم تائی" لکھا ہے [2] تاریخ روضۃ الصفا

اس نے منجنیقوں[1] سے قلعہ پر سنگباری شروع کی فصیل جگہ جگہ سے شکستہ ہو گئی۔ باورتھ صاحب کے بیان کے بموجب طرطائی کے ساتھ مغل شہزادہ "بیلا" بھی تھا ــــــ یہ دونوں جرنیل فوج کو لڑا رہے تھے۔

قباچہ درویشوں کی پناہ میں ان ایام میں غوث العلمینؒ شیخ الشیوخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے لیئے سخت فکر مند ہو رہے تھے۔ مغلوں کی فوج نے اسلامی ممالک میں جو دھاندلی مچائی تھی۔ طوفانِ نوحؑ کے بعد یہ بہت بڑی مصیبت تھی۔ جو نوع انسانی پر نازل ہوئی تھی۔ منگولیا کی اس تند و تیز آندھی نے ہزاروں شہروں کو بے چراغ کر دیا تھا۔ حضرت غوث العلمینؒ پریشانی کے اسی عالم میں بغداد کو روانہ ہوئے۔ ابھی ایک منزل چلے تھے کہ سید جلال الدین[2] تبریزی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ملاقات ہوئی۔ جو بغداد سے چلے آتے تھے شیخ جلال الدین تبریزی نے فرمایا "شیخ الشیوخ کا فرمان یہی ہے۔ کہ آپ واپس چلے جائیں[3]" مرشد کی خیر و عافیت سن کر آپ کو اطمینان ہوا۔ اور اپنے باکمال مہمانوں کے ہمراہ ملتان کو واپس لوٹ آئے۔

---

[1] تاریخ جہانکشائے جوینی

[2] شیخ جلال الدین تبریزی اگرچہ شیخ ابوسعید کے مرید تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد وہ بغداد میں چلے آئے اور اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہنے لگے۔ ہر سال ان کے ہمراہ حج کو جاتے اور زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے۔ شیخ الشیوخ جب بوڑھے ہو گئے۔ تو توشہ دان کے ہمراہ لے کر چلتے تھے۔ ٹھنڈا ہو جانے کے سبب ان کے مزاج کے موافق نہ رہتا۔ اس لیئے شیخ جلال الدین ہمیشہ شیخ کے محافہ کے ہمراہ چولھا و دیگ سر پر اُٹھائے پیدل چلا کرتے تھے۔ اور جب شیخ کو کھانے کی اشتہا ہوتی۔ وہیں طعام گرم کر کے حضرت کے پیش کرتے۔ پہلی مرتبہ غوث العلمینؒ کے ہمراہ بغداد سے خراسان آئے تھے۔ لیکن جب غوث العلمینؒ انہیں چھوڑ کر ملتان چلے آئے۔ تو وہ پھر بغداد میں پہنچے اور شیخ الشیوخ کی خدمت میں رہنے لگے ــــ جب قطب الاقطاب بختیار کاکی بغداد سے ہندوستان کو روانہ ہوئے۔ تو یہ بھی ساتھ ہو لیئے [3] فوائد الفواد جلد اول صفحہ ۴۳

شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج فرماتے ہیں۔ کہ جن دنوں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ المسلمین بہاوالدین زکریاؒ یکجا ملتان میں مقیم تھے۔ تینوں بزرگوار عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ اور نوافل میں پورا قرآن مجید ختم کرتے[1] تھے الغرض لیل و نہار میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ کہ مغلوں نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ سنگباری سے قلعہ کی دیواریں مسمار ہوگئیں۔ قباچہ گھبرا کر غوث العلمین کی خانقاہ میں آیا۔ اور عرض کی۔

"اے خدایا در درویشو! کوئی چارہ گری کرو۔ خدا کی قسم اگر مغل شہر میں گھس آئے۔ تو ایک متنفس بھی زندہ نہ بچے گا۔

اسی وقت قطب الاقطاب نے ایک تیر منگوایا۔ اور قباچہ کے حوالے کرکے فرمایا۔

"یہ تیر لے جاؤ اور رات کے اندھیرے میں اسے برج پر سے دشمنوں کی طرف پھینک دو۔"

حضرت فریدالدین مسعودؒ فرماتے ہیں۔ کہ قباچہ وہ تیر لے کر چلا گیا۔ اور حسب الارشاد رات کو کمان لے کر قلعہ کے ایک برج پر پہنچا۔ اور چلہ چڑھا کر پوری قوت سے مغلوں کی فوج پر سے پھینکا۔ خدا کی شان! کہ رات کی تاریکی میں وہ بے پناہ لشکر اس طرح غت ربود ہوا۔ کہ صبح کو اس کا نشان تک نہ رہا۔ مولانا جمالیؒ اس واقعہ کو اپنے الفاظ میں اس طرح لکھتے ہیں:۔

نقل است از حضرت سلطان الاولیا نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ در آنچہ حضرت سلطان العاشقین شیخ قطب الدین اوشی و برہان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ الاسلام بہاوالدین زکریا قدس سرھم در یکجا مے بودند۔ یکایک ہزار ہا ملاعین

---

[1] شیخ فریدالدین فرمود کہ وقتے شیخ قطب الدین بختیار اوشی و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ بہاؤالدین غوث العالمین رحمتہ اللہ علیہم یکجا بودند۔ ہر سہ بزرگوار شب نماز ختم قرآن مجید مے کردند۔ وہمداں وضو نماز بامداد مے گذاردند۔ (خلاصۃ العارفین)

از جانب خطا و ختن رسیدند و حصن ملتان را در محاصرہ کشیدند چنانچہ خلق ملتان دست از جان بشستند۔ و آں قباچہ بیگ توجہ بحضرت خواجہ قطب الدین اوشی نمود۔ و دعائے از بہر دفع آں بلا از حضرت ایشاں درخواست۔ حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ تیرے طلبیدہ و بدست قباچہ داد و فرمود کہ چوں نماز شام درآید۔ بہ برج حصار برآر۔ و بجانب کفار فجار بیندازد۔ قباچہ مذکور آں تیر را گرفت و بہ برجے برآمد و آں تیر را بکمانے درآوردہ بجانب آں ملاعین برتاب داد۔ و بجا آمد۔ بفرمان خداوند تعالیٰ شبا شب آں قوم شوم از نواحی آں بوم چناں غائب و نایاب شدند کہ اثرے از ایشاں پدید نگشت۔"

اس واقع کا قباچہ کے معتقدات پر یہ اثر ہوا۔ کہ وہ درویشوں کو ملک کے لئے "سایہ رحمت" سمجھنے لگ گیا۔ چنانچہ چند روز بعد جب حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی دہلی کو اور شیخ جلال الدین تبریزی غزنی کو روانہ ہونے لگے۔ تو اس نے بڑی منت خوشامد سے انہیں کچھ اور عرصہ ٹھہرانے کی کوشش کی۔ اور عرض کی۔

"چند گاہ دیگرے سایۂ برکت دریں مقام ارزانی فرمایند۔"

لیکن حضرت قطب الاقطابؒ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ہم لوگ زیادہ عرصہ یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ مقام[۱] حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی تحویل میں دیا جا چکا ہے اور ہمیشہ ان کی پناہ میں رہے گا۔ یہ کہہ کر دونوں بزرگوار اپنے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

---

[۱] ایں مقام در ذمہ و حوالہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا است و ہموارہ در پناہ او خواہد بود (سیر العارفین)

سوانح

۶۲۱ھ تا ۶۲۵ھ

۶۲۱ھ میں حضرت غوث العلمینؒ کے مشکوئے معلی میں حضرت صدرالدین عارف پیدا ہوئے
اس تقریب سعید پر ارادتمندوں نے بڑی خوشیاں منائیں اور حضرت غوث نے اہل ملتان کے
غربا و مساکین کے دامن زر و جواہر سے بھر دئے۔ اس زمانہ میں حضرت کا دسترخوان بہت
وسیع ہو گیا تھا۔ اور اس پر نہایت پرتکلف اور مختلف النوع کھانے ترتیب دئے جاتے
تھے۔ اس پر سینکڑوں علماء و مشایخ اور ہزاروں فقراء دو نو وقت کھانا کھاتے تھے۔ حضور
مہمانوں کو شریک طعام دیکھ کر نہایت مسرور اور محظوظ ہوتے تھے۔ اور جس قدر لوگ زیادہ
آتے تھے۔ اتنی رخ انور پر بشاشت زیادہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ ایک روز جبکہ بے شمار
درویش حاضر تھے۔ اسی اثناء میں دسترخوان بچھایا گیا۔ حضرت غوث العلمین بھی کھانے کے
دوران میں کسی درویش کے ساتھ شریک طعام ہو گئے۔

اسی دوران میں ایک درویش کو دیکھا۔ کہ نوالہ شوربا میں تر کر کے کھا رہا ہے۔ آپ نے
خوش ہو کر فرمایا۔ سبحان اللہ! اتنے بڑے مجمع میں یہی شخص بہترین کھانا کھا رہا ہے۔ حضرت
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ثرید کو باقی کھانوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے
جیسے مجھے انبیاء علیہم السلام پر اور عائشہؓ کو مستوراتِ عالم پر۔ الغرض حضرت غوث العلمینؒ
ان بزرگوں میں سے تھے۔ جن پر یہ آیت صادق آتی ہے۔ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوا
صَالِحًا یعنی پاک کھانا کھاؤ۔ اور نیک عمل کرو۔ آپ کا دسترخوان بھی شاندار تھا۔ اور ذوق عبادت
بھی۔

لطیفہ | ایک مرتبہ ایک یاوہ گو آدمی ایسے وقت غوث العلمین کی خدمت میں آیا۔ جبکہ

کھانے کی کوئی چیز آپ کے پاس موجود نہ تھی۔ اُس نے کہا حضرت! کیا یہ حدیث صحیح ہے مَنْ زَارَ حَیًّا وَلَمْ یَذُقْ مِنْهُ شَیْئًا فَكَاَنَّمَا زَارَ مَیِّتًا۔ یعنی جس نے کسی زندہ کی زیارت کی۔ اور اس کی کوئی شئے نہ چکھی۔ گویا اس نے مردہ کی زیارت کی۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا۔ "ہاں! صحیح ہے۔!!" مگر عوام اس حدیث کے معنی نہیں جانتے۔ کیونکہ خلق کی دو قسمیں ہیں۔ عوام و خواص۔ عوام سے مجھے غرض نہیں۔ خواص جب آتے ہیں اپنی استعداد کے مطابق فیض پاتے اور ذوق حاصل کرتے ہیں۔ اس حدیث شریف کے یہی معنی ہیں[1]۔

ایک مقروض کی امداد: حضرت کا خزانہ غرباء اور مستحقین کے لیے ہر وقت کھلا تھا۔ محتاج اور مساکین آتے تھے۔ اور حضرت کے دربار سے مالا مال ہو کر جاتے تھے۔ بعض اوقات یہ داد و دہش اعجاز کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت حجرہ شریف میں مصروف عبادت تھے۔ چند درویش بھی چپ چاپ پاس بیٹھے تھے۔ دفعتہً حضور دامن سمیٹتے ہوئے مصلّٰی سے اُٹھے۔ اور ایک تھیلی روپوں کی ہاتھ میں لیے باہر نکل گئے۔ درویش بھی حیرانی کے عالم میں لپک کر ساتھ ہو لیے۔ باہر آ کر دیکھا۔ کہ چند آدمی ایک غریب الحال شخص کو اپنے قرضہ کی وصولی کے لیے تنگ کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس آدمی کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ حضرت نے انہیں بلا کر فرمایا۔ یہ تھیلی لے لو۔ اور جس قدر روپے اس شخص سے لینے ہیں۔ نکال لو۔

قرضخواہ نے اپنے قرض سے کچھ روپے زیادہ لینے چاہے۔ فوراً اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ چلّا کر بولا "حضور معاف فرمائیے۔ میری زیادہ لینے سے توبہ ہے۔"

---

[1] مرا با عوام کار نیست و زیارت ایشاں را اعتبار سے نہ۔ اما چوں خواص بر من مے آیند بقدر حال خویش فیضے مے یابند و ذوقے مے گیرند معنی حدیث این است (سیر العارفین)

مگا ہاتھ درست ہو گیا۔
مفلوک الحال مقروض حضرت کو دعائیں دینے لگا۔ آپ درویشوں کے ہمراہ خلوت خانہ کو واپس تشریف لے آئے۔ اور فرمایا۔ کہ خداوند کریم نے مجھے اس شخص کی امداد کے لئے بھیجا تھا۔ الحمد للہ کہ اس کا مطلب پورا ہو گیا۔

چور اندھے ہو گئے ایک دفعہ چند ڈاکو چوری کے ارادہ سے حضرت کے حجرہ میں گھس آئے۔ آپ مصلّی پر بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ جونہی حضور کی نظر چوروں پر پڑی سب کے سب اندھے ہو گئے۔ اور فریاد کرنے لگے۔ کہ "خدا کے لئے ہمیں اس عذاب سے نجات دلائیے۔ آئندہ کے لئے چوری سے ہماری توبہ ہے"۔
غوث العلمینؒ نے رحم کھا کر جو توجہ فرمائی۔ سب کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اور فسق و فجور سے توبہ کر کے بڑے مرتبہ کے درویش بن گئے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد

افطاری میں شرکت ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینے میں شہر کا حاکم آپ کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کی۔ کہ میرا ایک مصاحب اہلِ علم ہونے کے باوجود اولیاء کی کرامت کا قائل نہیں۔ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ حاکم نے مکرر سہ کرر یہ ماجرا بیان کیا۔ اور التجا کی کہ براہ کرم اسے گمراہی سے نکالنے کے لئے کوئی تجویز کی جائے۔
آپ نے ایک خادم کو بلا کر فرمایا۔ شہر میں اعلان کرا دو۔ کہ آج کوئی شخص بغیر ہمراہی بہاوالدین کے روزہ افطار نہ کرے۔ اور افطاری کے وقت پر ہر شخص اپنے گھر میں مقیم رہے۔
الغرض اس دن حضرت غوث العلمینؒ شہر کے تمام مسلمانوں کے ساتھ افطاری میں شریک ہوئے۔ اور حاکم[1] شہر کے مصاحب کے ساتھ ساتھ سینکڑوں دوسرے آدمی بھی اہل اللہ

[1] تذکرہ نگاروں نے حاکم کا نام نہیں لکھا۔ اغلب گمان یہی ہے کہ سلطان ناصرالدین قباچہ نے ہی آپ سے یہ التدعا کی ہوگی۔

کی کرامت پر ایمان لے آتے۔ کہ یہ خاصانِ خدا کا تصرف ہے۔ ہر آدمی کو ایسا کرنے کی طاقت نہیں۔

قباچہ کی بے راہروی سلطان ناصر الدین قباچہ درشت خو انسان تھا۔ روزانہ لوگ اس کے مظالم کی آکر فریاد کرتے تھے۔ حضرت غوث العلمینؒ کبھی تو قباچہ کو سفارش فرماتے اور کبھی انہیں خلعت و دینار دے کر راضی کر دیتے۔ بجائے اس کے کہ قباچہ حضرت کی کرم بخشی کا معترف ہوتا۔ الٹا حضور سے بدگمان رہتا اور حضور کے اثر و نفوذ کو اپنے حق میں زہر ہلاہل خیال کرتا تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ حضرت غوث العالمینؒ سلطان التمش کے دوست تھے۔ لیکن اب تک حضور نے قباچہ سے کبھی کوئی دشمنی نہیں کی تھی۔ التمش سے دوستی کی بڑی وجہ یہ تھی۔ کہ اُسے غوث العلمین کے مرشد شیخ الشیوخ[1] نے دعا کی تھی۔ اور وہ خود

---

[1] مولانا سراج منہاج صاحب طبقات ناصری لکھتے ہیں۔ کہ شمس الدین التمش ترک نوجوان تھا جب یہ گرفتار ہوا۔ خواجہ جمال الدین بخاری اسے خرید کر تجارت کے سلسلہ میں بغداد لے گیا۔ اس وقت یہ پندرہ سال حسین و جمیل نوجوان تھا۔ خواجہ نے اسے کھانا لینے کے لئے بازار بھیجا۔ اچانک اس کا گذر حضرت شیخ الشیوخ خانقاہ سے ہوا۔ اس کی نظر جونہی حضرت کے چہرے پر پڑی بے اختیار اندر چلا گیا۔ اور چند پیسے جو اس وقت جیب میں رکھتا تھا۔ نکال کر آگے رکھ دیئے۔ اور طالب دعا ہوا۔ حضرت شیخ الشیوخ نے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھا اور اسے دیکھ کر فرمایا۔ کہ مجھے اس نوجوان کے چہرہ میں بادشاہی کی تجلیات روشن دکھائی دیتی ہیں دمن در این شخص انوارِ سلطنت لامع مے بینم) شیخ اوحدالدین کرمانی پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے بھی شفقت کی نظر التمش کو دیکھا۔ اور فرمایا۔ کہ آپ کی برکت سے دنیاوی سلطنت میں اس کا دین بھی محفوظ رہے گا۔ یہ انہیں بزرگوں کی دعا کا صدقہ تھا۔ کہ دہلی کا تاجدار ہونے کے باوجود التمش اپنے زمانے کا بہت بڑا درویش تھا۔ قطب الدین بختیار کاکی کا محبوب مرید کہ جب حضرت کا انتقال ہوا۔ تو جنازہ اسی درویش صفت تاجدار نے پڑھایا ہے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دینداراور پارسا انسان تھا۔ قباچہ اُوچ شریف ملتان اور ٹھٹھہ کا حاکم تھا۔ یہ صوبے قدیم سے دہلی کے تابع چلے آتے تھے۔ لیکن قباچہ بیگ نے نہ صرف خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ بلکہ اس نے سلطان التمش کے خلاف سازشوں کے جال پھیلانے شروع کئے۔ احکام شرع کی ترویج میں سستی ہونے لگی۔ بادشاہ کے متعلقین نے فسق و فجور شروع کیا۔ اتفاق سے انہی دنوں حضرت غوث العلمینؒ کے غریب ہمسایہ کو ایک ہزار تنکہ کے عوض گرفتار کرا لیا۔ اس کا بوڑھا باپ روتا ہوا آیا۔ آپ نے ایک ہزار تنکہ کی تھیلی اسے مرحمت فرمائی۔ کہ بادشاہ کو ادا کر کے بیٹے کو چھوڑا لائے۔ اسی قسم کی اور بہت سی شکایتیں جمع ہو گئیں۔ حضرت غوث العلمینؒ نے قباچہ کو بہت کچھ سمجھایا۔ لیکن جب کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا۔ تو حضرت نے سلطان التمش کو ایک خط لکھا۔ کہ یہاں شریعت کی بہت بے حرمتی ہو رہی ہے۔ اور نیز قباچہ آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ان دنوں ملتان شہر کے حاکم قاضی شرف الدین اصفہانی تھے۔ وہ بھی عالم باعمل اور متدین ہونے کے سبب قباچہ کی حرکتوں سے نالاں تھے انہوں نے بھی اس نہج کا ایک خط سلطان کے نام ارسال کیا۔ سوء اتفاق سے دونوں خطوط پکڑے گئے۔ قباچہ انہیں پڑھ کر سخت مشتعل ہوا۔ اور ایک محضر کے ذریعے دونوں کو طلب کیا۔

غوث العلمین قباچہ کے دربار میں

اتفاق سے حضرت غوث العلمینؒ و قاضی شرف الدین بیک وقت دربار میں پہنچے۔ قباچہ استقبال کے لئے کھڑا ہو گیا۔ حضرت کو تو تخت پر اپنے دائیں جانب بٹھایا۔ اور قاضی صاحب کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور ان کا خط جیب سے نکال کر ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی صاحب خط کو دیکھ کر دم بخود چپ ہو رہے۔ قباچہ نے جھنجھلا کر جلاد کو اشارہ کیا۔ اُس نے بڑھ کر قاضی صاحب کا سر اڑا دیا۔ اس کے بعد قباچہ نے دوسرا خط نکالا۔ اور حضرت غوث العلمینؒ کے آگے رکھ دیا۔ حضرت

نے دیکھتے ہی فرمایا۔ ہاں یہ میرا خط ہے۔ میں نے خدا کے حکم سے لکھا ہے۔ اور یہ صحیح لکھا ہے تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو۔! قباچہ نے جب یہ سنا تو سوچ میں پڑ گیا۔ اشارہ کیا۔ کہ کھانا لاؤ۔ اس خیال پہ کہ اگر شیخ کا دل صاف نہیں ہوگا۔ تو وہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائیں گے اس طرح انہیں ایذا پہنچانے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ لیکن جب کھانا لایا گیا۔ تو حضرت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے۔ یہ دیکھ کر قباچہ شرمندہ ہوا۔ اور اس نے حضرت کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا[1]۔

قباچہ کا عبرت ناک انجام | مولانا ذکاؤاللہ لکھتے ہیں کہ:۔

"سلطان ناصرالدین قباچہ کو جب جلال الدین کی لوٹ کھسوٹ سے فرصت ملی۔ تو اس نے پھر سلطان التمش سے پرخاش شروع کی۔ اس لئے سلطان ۶۲۵ھ میں دہلی سے اوچ کو روانہ ہوا۔ ناصرالدین قباچہ قلعہ اوچ کو محکم کر کے خود قلعہ بھکر کی طرف بھاگ گیا۔ اور اپنے وزیر عین الملک حسین اشعری کو حکم دیا۔ کہ خزانہ کو قلعہ اوچ سے منتقل کر کے بھکر میں پہنچا دے۔ سلطان التمش نے خود قلعہ اوچ کا محاصرہ کیا۔ اور اپنے وزیر نظام الملک جنیدی کو ناصرالدین قباچہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ایک مہینہ تک قلعہ اوچ کا محاصرہ رہا۔ پھر صلح سے فتح ہو گیا۔"

ناصرالدین قباچہ کے سر پر جو گذری۔ وہ تاریخ ملتان کے مؤلف مخدوم شیخ سید محمد یوسف صاحبؒ کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔

وملک قباچ در بھکر نیز توقف خود مقرون بصلاح ندیدہ از انجا بعزم فرار مع اہل و عیال در کشتی سوار شدہ خواست کہ بساحل نجات رسد۔ اما چوں سفینہ او میانِ دریا رسید غرقِ بحرِ فنا گردید و فتح و ظفر نظام الملک را نصیب شد۔"

---

[1] سیر العارفین و فوائد الفواد

یعنی وہ فرعون جو ملتان کے تخت پر بیٹھ کر سلطان التمش کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ جس نے قاضی شرف الدین اصفہانی کو دربار میں طلب کر کے بے گناہ شہید کیا تھا۔ اس قدر ہراساں ہوا کہ سلطان کے مقابلے میں بھی نہ نکل سکا۔ تاب مقاومت نہ لا کر اوچ سے ملتان اور ملتان سے بھکر پہنچا لیکن جب نظام الملک نے قشون قاہرہ کے ساتھ تعاقب کیا۔ تو بھکر میں بھی نہ ٹھہر سکا۔ اپنے اہل و عیال سمیت کشتی میں سوار ہوا۔ تاکہ سندھ کی طرف نکل جائے لیکن قاضی شرف الدین اصفہانی کے جبار خدا کی "بطش شدید" نے اسے عین منجدھار میں اس طرح لا پکڑا۔ کہ سنبھلنے تک کی مہلت نہ دی۔ سندھ کی خوفناک لہریں ڈائن کی طرح اسے بال بچوں سمیت نگل گئیں۔ مصر کے فرعون کی لاش تو بچ رہی تھی لیکن ملتان کے فرعون کا ایک بال بھی اس گرداب سے نہ بچ سکا۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

یاران طریقت

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت غوث العلمینؒ کی زندگی میں جن قدسی نفوس کو آپ کی مصاحبت کا شرف حاصل ہوا ہے ان میں حضرت گنج شکرؒ زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ محبت اور اخوت کا یہ رشتہ دونو بزرگوں میں اخیر دم تک قائم رہا۔ اس یگانگت اور مودّت سے بعض مؤرخین کو عجیب غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے انہیں خالہ زاد بھائی مشہور کر دیا۔ یہاں کہ حضرت محدثؒ دہلوی بھی "اخبار الاخیار" میں "مے گویند" کی آڑ لے کر یہی کچھ کہہ گئے۔ حالانکہ یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔

صاحب بزم صوفیہ نے حضرت گنج شکر کی تاریخ ولادت ۵۸۲ھ لکھی ہے لیکن سیرالاولیا اور دوسری تقفہ تاریخوں میں ۵۶۹ھ مرقوم ہے۔ حضرت کے روضہ مبارکہ پر بھی یہی تاریخ کندہ ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بیعت کے وقت حضرت کی عمر شریف اٹھارہ برس تھی۔ اور بیعت کے بعد تقریباً اسّی برس تک زندہ رہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کی تاریخ ولادت ۵۸۲ھ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت کی تاریخ وفات بالاتفاق ۶۶۴ھ ہے۔ حضرت گنج شکرؒ دیوان چاولی مشایخ (ضلع ملتان) کے بہت بڑے عالم مولانا جمال الدین سلیمان کے صاحبزادے تھے۔ ابھی آپ چھوٹے سے بچے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُتر گیا۔ حضرت کی والدہ نے آپ کو گاؤں کے عالم کے پاس پڑھنے بٹھایا۔ جب یہاں کی تعلیم پوری ہو گئی۔ تو تکمیل علوم کے لئے آپ کو ملتان بھجوا دیا۔ یہاں آپ

نے قرآن حفظ کیا۔ اور مولانا منہاج الدین کی مسجد میں فقہ کی مشہور کتاب "نافع" شروع کی۔
ایک دن حضرت اسی مسجد میں بیٹھے کتاب نافع کا مطالعہ کر رہے تھے۔ کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نماز پڑھنے کے لئے اس مسجد میں چلے آئے۔ آپ کو کتاب کے مطالعہ میں مصروف دیکھ کر پوچھا۔

"میاں صاحبزادے! کیا پڑھ رہے ہو۔؟"

آپ نے کتاب سے نظر اُٹھا کر دیکھا اور جواب دیا "حضرت! نافع پڑھ رہا ہوں"۔

خواجہ صاحب نے مسکرا کر دوبارہ سوال کیا۔

"کیا یہ کتاب تجھے نفع دے گی۔؟"

حضرت گنج شکرؒ نے عرض کی "حضور! اس کتاب نے تو کیا نفع دینا ہے۔ البتہ حضرت کی نظر کیمیا اثر سے نفع پہنچنے کی اُمید ضرور ہے"۔

یہ کہہ کر خواجہ صاحب کے چہرہ پہ دوبارہ نظر کی عجیب جاہ و جلال برستا نظر آیا۔ آنکھیں چار ہونی تھیں۔ کہ دل کی کائنات میں تہلکہ برپا ہو گیا۔ فوراً سر قدموں میں رکھ دیا۔ اور حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ صاحب بزم صوفیہ لکھتے ہیں۔ کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے بیعت کے وقت گنج شکرؒ کو مخاطب کر کے یہ رباعی پڑھی تھی ؎

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد   وز لطف تو ہیچ بندہ نومید نشد
لطفت بکدام بندہ پیوست دمے   کان ذرّہ بہ از ہزار خورشید نشد

مصور فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے دہلی میں آکر حضرت گنج شکر کو مرید کیا تھا۔ لیکن مولانا جمالی کا دعویٰ یہ ہے کہ بیعت ملتان میں ہوئی تھی۔ "ہمدران حین حضرت شیخ فریدالدین مسعود بشرف ارادت مشرف شد" سے اس امر کی صاف طور پر وضاحت ہوتی ہے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔ کہ "تحقیق پیوستہ است کہ حضرت فریدالدین مسعود

در ملتان بشرف بیعت حضرت زبدۃ الاسرار شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی مشرف شدہ"
اب بحث طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ کیا حضرت گنج شکرؒ نے اسی تقریب پر بیعت کی تھی
جبکہ مغلوں نے ملتان پر حملہ کیا تھا۔ یا کوئی اور موقع تھا۔ بقول سیر العارفین بابا صاحب کی
تاریخ پیدائش ۵۶۹ھ ہے۔ اور مغلوں کا حملہ ۶۱۸ھ میں ہوتا ہے۔ یعنی مغلوں کے
حملہ کے وقت آپ ۴۹ برس کے تھے لیکن تذکرہ نگار بیعت کے وقت آپ کی عمر ۱۸ برس بتاتے
ہیں۔ اور یہ امر اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ کتاب "نافع" کا مطالعہ اسی عمر میں ہی موزوں
معلوم ہوتا ہے۔ پھر خواجہ قطب صاحبؒ کا یہ کہنا کہ پہلے علوم ظاہرہ کی تحصیل میں کوشش کیجئے
کیونکہ بے علم زاہد مسخرہ شیطان ہے۔ اس سے بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ ابھی طالب علم
ہی تھے۔ اور طالب علم کی عمر ۱۸ برس ہی ہونی چاہیئے۔ اگر حضرت کی تاریخ پیدائش کو ۵۶۹ھ
تسلیم کیا جائے تو ۵۸۷ھ اور اگر ۵۸۲ھ تاریخ ولادت صحیح باور کی جائے۔ تو ۶۰۰ھ
میں حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے خواجہ قطب صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ہوگی۔ ہوسکتا ہے
کہ حضرت قطب الاقطاب ۵۸۷ھ یا ۶۰۰ھ میں ملتان سے گذرے ہوں۔ اور ۶۱۸ھ
میں اجمیر سے ہوکر دوبارہ ملتان تشریف لائے ہوں۔ اس پر بھی سید جلال الدین تبریزیؒ کی
معیت ایک اشکال بن کر سامنے آجاتی ہے۔ کیونکہ اگر قطب صاحب ۶۰۰ھ میں ہندوستان
آئے ہوں۔ تو سید جلال الدین تبریزی بھی لامحالہ ہمرکاب ہوں گے۔ تو کیا وہ اتنا طویل عرصہ
حضرت کے ہمراہ پھرتے رہے ہوں گے؟ بہرحال شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا ۶۱۸ھ میں
خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی کے ہمراہ ملتان تشریف لانا اور پھر یہ کہ بغداد سے ہی ہمراہ
چل کر ملتان پہنچنا مؤرخین کے لئے بحث کا ایک اور دروازہ کھول دیتا ہے۔ الغرض جب
حضرت بختیار کاکیؒ نے دہلی کا رخ کیا۔ تو شیخ فریدالدین مسعود بھی ہمرکاب روانہ ہوئے تین منزلیں
طے کی تھیں۔ کہ حضرت نے آپ کو طلب کر کے فرمایا۔

"ابھی یہاں ٹھہریئے۔ اور علوم ظاہرہ کی تحصیل میں پوری کوشش کیجئے۔ کیونکہ بے علم زاہد مسخرہ شیطان ہے"۔

چنانچہ حضرت فریدالملت مرشد کے حکم سے ملتان لوٹ آئے۔ کچھ عرصہ یہاں تعلیم پائی پھر قندھار تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ یہاں سے بغداد پہنچے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی، سیف الدین باخرزی، سعدالدین حموی، بہاوالدین حموی، شیخ اوحدالدین کرمانی، شیخ فریدالدین نیشاپوری جیسے اکابر صوفیاء سے صحبتیں کیں اور استفاضہ کیا۔ حضرت غوث العلمینؒ سے بھی پہلی ملاقات اسی سفر کے دوران میں ہوئی لیکن کب اور کہاں۔؟ تاریخ کے اوراق اس بارہ میں خاموش ہیں۔

مولانا جمالیؒ لکھتے ہیں۔ کہ پانچ برس کی سیاحت کے بعد حضرت گنج شکرؒ اپنے پیر کی خدمت میں دہلی پہنچے۔ خواجہ خواجگان نے غزنی دروازہ کے برج کے نیچے ایک حجرہ آپ کو مرحمت کیا۔ یہاں آپ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ پندرہ روز کے بعد پیر کی جناب میں حاضری دیتے تھے۔ بخلاف اس کے کہ شیخ بدرالدین غزنوی اور شیخ احمد نہروانی جیسے درویش آٹھوں پہر حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اور ایک لحظہ کے لئے جدا نہیں ہوتے تھے۔ سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ اس ریاضت اور مجاہدہ میں آپ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی۔ کہ جب شیخ الہند معین الدین چشتی آپ کو ملنے کے لئے حجرے میں تشریف لائے۔ تو آپ ضعف کے سبب تعظیم کو نہ اُٹھ سکے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کے لئے دُعا کی۔ اُسی وقت ہاتف نے ندا دی۔ "فریدؒ را برگزیدم"۔ چنانچہ شیخ الہند نے آپ کو خلعت عطا کی۔ اور حضرت بختیارؒ نے اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی۔ شیخ الہندؒ نے حضرت شہید المحبت بختیار کاکیؒ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"بابا قطب الدین! عجب شاہبازے بدام آوردہ کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نگیرد"

جب دہلی میں آپ کا چرچا زیادہ ہونے لگا۔ تو حضرت فریدالملت اپنے مرشد کی اجازت سے ہانسی چلے آئے۔ لیکن یہاں بھی معتقدین نے نہ رہنے دیا۔ ہر وقت ہجوم رہنے لگا۔ انجام کار آپ یہاں سے اجودھن کی طرف چلے آئے۔ اس جگہ کے لوگ درشت مزاج تھے ــــ کوئی پرسانِ حال نہ ہوا۔ تو لطف آگیا۔ تنہائی اور سکون کی نعمت کے متلاشی تھے۔ وہ یہیں مل گئی چنانچہ اسی جگہ کو مسکن بنا لیا۔

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کو غوث العلمین کے پیر و مرشد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف عوارف المعارف ہر وقت پیش نظر رہتی تھی۔ اور اسے درس کے طور پر پڑھاتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں۔ کہ آپ کے پڑھانے میں یہ اثر تھا۔ کہ سننے والوں کے ہوش بجا نہیں رہتے تھے۔ میں نے اس کتاب کے پانچ ابواب آپ ہی سے پڑھے اور آپ کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی بے خودی طاری ہو جایا کرتی۔ کہ اگر ایسی حالت میں موت آجاتی تو ایک بڑی دولت ملتی"۔ اس سے بھی شیخ الشیوخ سے عقیدت اور محبت کا پتہ چلتا ہے کہ جب آپ کے گھر میں فرزند ارجمند تولد ہوا۔ تو اس کا نام شیخ کے نام کی رعایت سے شہاب الدین رکھا۔

حضرت فریدالملت نے سلوک کی منازل طے کرنے میں بڑی بڑی ریاضتیں کیں ان کا اپنا بیان ہے۔ کہ وہ بیس سال تک عالم تفکر میں کھڑے رہے۔ ان کے پاؤں متورم ہو گئے اور ان سے خون بہنے لگا۔ اس دوران میں انہیں یاد نہیں کہ کچھ کھایا پیا ہو۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اور اگر کوئی عارضہ بھی لاحق ہوتا یا فصد لیتے تو بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے رمضان میں ہر رات تراویح کے اندر دو کلام پاک ختم کرتے تھے۔ کبھی دس دس پارے

ف راحت القلوب ۲ فوائد الفواد

زیادہ بھی پڑھ جاتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کو کئی بار آپ کے ساتھ تراویح پڑھنے کا اتفاق ہوا، ان کا بیان ہے۔ کہ ابھی کچھ رات باقی ہوتی تھی کہ ہم لوگ تراویح سے فارغ ہو جاتے تھے[1] خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا۔ کہ مریدوں کے حلقہ میں بات بات پر گریہ طاری ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی تو دھاڑیں مار کر روتے تھے۔ یہ شعر آپ کے قلب و دماغ پر خاص طرح سے اثر انداز ہوتا تھا۔ سنتے تو ہائے ہائے کر کے روتے پڑھتے تو نعرے لگاتے اور بے ہوش ہو جاتے ۔

در کوئے عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

حضرت غوث العلمینؒ اور بابا صاحب کے درمیان بڑی محبت تھی۔ سالہا سال دونوں نے یکجا بسر کئے۔ اور سفر و حضر میں ایک دوسرے کے شریک حال رہے۔ ان کا باہمی اخلاص دنیاوی راہ و رسم سے ورا الورا تھا۔

ایک موقعہ پر حضرت غوثؒ نے بابا صاحب کو کسی تقریب پر لکھا۔

"میانِ ما و شما عشق بازی است"۔ چونکہ "عشق بازی" کے لفظ سے "عمومیت" ٹپکتی تھی اس لئے بابا صاحب نے جواب دیا۔

"میان ما و شما عشق است "بازی" نیست[2]"۔

حضرت بابا صاحبؒ کو غوث العلمینؒ سے جو عقیدت اور محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے۔ کہ مریدوں کو پند و نصائح کرتے وقت حضرت غوث کے ارشادات کو دہراتے اور ان کی عبادت و ریاضت کے ذکر کو مزہ لے لے کر بیان کرتے۔

ایک موقعہ پر فرماتے ہیں کہ برادرم بہاؤالدینؒ چالیس سال کامل گوشہ نشین رہے

[1] راحت القلوب [2] اخبار الاخیار

اس دوران میں بہت کم لوگوں کو زیارت کا موقعہ ملتا تھا۔

ایک اور موقعہ پر آپ نے مریدوں سے ذکر کیا۔ کہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص تصوف کی دنیا میں داخل ہونے کا آرزومند ہو۔ اسے چاہیئے کہ سب سے پہلے توبہ کرے اور اپنے دل کو عاداتِ ذمیمہ سے پاک کرے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے قول کے مطابق وہ عاداتِ ذمیمہ یہ ہیں۔

غلؔ، غشؔ، حِقدؔ، حسدؔ، حرصؔ، کبرؔ، بغضؔ، ریا اور غضبؔ۔

حضرت زکریا ملتانیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ جب تک آدمی دل کو ان اوصاف ذمیمہ سے پاک نہ کرلے۔ گلیم اور صوف پہننا اُسے روا نہیں[1]

زہد کی تعریف فرمایا۔ کہ ایک مرتبہ میں اور برادرم بہاؤالدین یکجا بیٹھے تھے۔ زہد کے بارہ میں بات چل نکلی۔ شیخ الاسلام ملتانی نے فرمایا۔ کہ

زہد تین چیزوں کا نام ہے۔ جس میں یہ نہیں ہیں۔ اسے زاہد کہلانے کا حق نہیں ہے

اوّل۔ دنیا کو پہچاننا اور اس سے مایوس ہونا۔

دوم۔ مولا کی خدمت کرنا اور اس کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔

سوم۔ آخرت کی طلب اور اس کے حصول میں لگاتار کوشاں رہنا۔

کارِ خود بکجا رسانیدہ حضرت فرید الملتؒ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں ملتان پہنچا۔ اور برادرم بہاؤالدین سے ملاقات کی۔ مصافحہ کے بعد پوچھا۔

فرمائیے۔ کہاں تک کمال حاصل کیا۔؟

میں نے جواب دیا۔ کہ اگر آپ فرمائیں۔ تو جس کرسی پر ہم بیٹھے ہیں۔ ہوا میں اُڑنے لگے ابھی یہ جملہ ختم نہیں ہوا تھا۔ کہ کرسی اڑتی نظر آئی۔

---

[1] تا از یں جملہ اوصاف ذمیمہ صافی نشود و پاک نگردد۔ گلیم و صوف پوشیدن او را روا نیست۔

شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ نے کرسی پر ہاتھ مارا، کرسی اپنے مقام پر واپس آگئی۔ فرمایا۔
"مولانا فریدالدین! کار خود را نیکو رسانیدہ"

پائے بر آب نہادیم و گذشتیم حضرت گنج شکر فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ دُعا گو اور حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ سفر میں تھے۔ اچانک ایک دریا پر جا پہنچے۔ کشتی موجود نہ تھی کہ اس پر سوار ہو کر دریا عبور کرتے۔ سامنے حدِّ نگاہ تک خوفناک موجیں ایک دوسرے سے ٹکراتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ہم دونوں بلا تامل آگے بڑھے۔ اور پانی پر چلتے ہوئے دریا کے پار پہنچ گئے۔

حضرت بابا صاحبؒ اگرچہ مستقل طور پر اجودھن (پاک پٹن) میں رہتے تھے لیکن جب جی چاہتا ملتان آپہنچتے۔ خاص خاص مہینے سفر کے لئے مقرر تھے۔ جن میں یارانِ طریقت دہلی سے بخارا اور کشمیر سے سراندیپ تک خوفناک جنگلوں، بے آب و گیاہ ریگستانوں اور مہیب پہاڑوں میں خلقِ خدا کو نیکی کا راستہ دکھانے کے لئے سفر کیا کرتے تھے۔ سردست حضرت بابا صاحب کا تذکرہ یہیں ختم کرتے ہیں۔ باقی حالات اپنے اپنے موقع پر پیش خدمت کئے جائینگے

آہ اِیح بخارا جن دنوں حضرت غوث العلمینؒ بخارا میں رہتے تھے۔ ایک نجیب الطرفین سید حضرت علیؒ کو آپ سے بڑی عقیدت ہوگئی۔ آپ کے ملتان چلے آنے کے بعد بھی وہ ہمیشہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ ان کے نوجوان صاحبزادے سید جلال اپنے والد کی زبان سے بار بار تعریف سن کر حضرت غوث العلمینؒ کے معتقد ہو گئے۔ اور یہ ارادت و عقیدت یہاں تک پہنچی۔ کہ ایک مرتبہ والدِ بزرگوار سے اجازت لے کر ملتان کو چل پڑے اگرچہ وہ زمانہ بے حد تشویشناک تھا۔ بخارا سے ملتان تک خون کی ندیاں بہ رہی تھیں اس کے باوجود آپ سچی تڑپ اور طلب صادق کی حفاظت میں بخیر و عافیت ملتان آ پہنچے مولانا جمالیؒ اپنے پیر حضرت سماء الحق رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سید

جلال بخاری ایک سرد علاقے کے رہنے والے تھے۔ ملتان جیسے گرم خطہ میں اگر غوث العلمینؒ کی ذات بابرکات مقیم نہ ہوتی۔ تو شاید وہ ایک لحظہ بھی نہ رہ سکتے، اپنے پیر کی وجہ سے اس شہر کی تمازت کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے۔ ایک دن ہوا مطلقاً بند تھی۔ اور آفتاب کا آتشیں کرہ عین نصف النہار پر چمک رہا تھا حضرت سید جلال سرائے غوثیہ میں بے چینی سے بیٹھے پنکھا کر رہے تھے۔ دفعتہً آپ نے آسمان کی طرف نظر کی اور لمبی سانس کھینچ کر فرمایا۔

"آہ رخ بخارا در چنیں حرارت کجا یابم ---!"

غوث العلمین اس وقت محلسرائے میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو کشف کے ذریعے اس صورتِ حال کا علم ہو گیا۔ آپ نے فوراً خدام درگاہ کو جماعت خانہ کی صفیں لپیٹنے اور جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ اس سے پہلے کبھی حضرت نے دوپہر کے وقت ایسا حکم نہیں دیا تھا۔ اس وقت مطلع بالکل صاف تھا۔ اور بادل کا کہیں نشان نہ تھا۔ نوکر چاکر ابھی جھاڑو دینے میں مصروف تھے۔ کہ دفعتہً نیلے آسمان پر ایک چھوٹا سا ٹکڑا نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے خانقاہ مبارک پر پھیل گیا۔ سید جلال یہ عجیب طرفہ تماشا دیکھ ہی رہے تھے کہ بادل نے گرجنا اور بجلی نے چمکنا شروع کیا اور مرغی کے برابر اولے گرنے لگے۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں خانقاہ مبارک کا صحن اولوں سے بھر گیا سید جلال اور خانقاہ کے دوسرے درویشوں نے بڑی خوشی منائی۔ اور ژالے اٹھا اٹھا کر کھانے لگے۔ شہر کے لوگ خانقاہ غوثیہ پر بارانِ رحمت کے نزول کی خبر سن کر جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ اور تبرک کے طور پر ژالے اٹھا لے گئے۔ سب لوگ حیرت میں تھے۔ کہ یہ عجیب اسرار ہے۔ کہ سوائے خانقاہ معلّٰی کے کہیں بارش کی بوند تک نہیں پڑی۔

جب ظہر ہوئی خدام درگاہ نے صفیں بچھائیں۔ اور حضرت شیخ الاسلام خلوت خانہ

نیاز سے نماز کے لیئے برآمد ہوتے سید جلال پر نظر پڑی۔ تو مسکرا کر فرمایا۔

"سید جلال! دریں حال ذالۂ ملتان بہتر است یا یخ بخارا"

شاہ صاحب نے ادب سے کھڑے ہو کر جواب دیا۔

"ذالۂ ملتان از یخ بخارا ہزار درجہ بہتر و اولیٰ است"

اسی روز حضرت غوث العلمینؒ نے سید جلالؒ کو خرقہ مرحمت کیا۔ اور شرف مصاحبت سے ممتاز فرمایا۔ وہ اسرار و رموز جو حضرت کو شیخ الشیوخ سے ودیعت ہوتے تھے۔ سید جلال کو ان سے بہرہ مند کر کے اوچ کی طرف روانہ کیا۔

میر حسینی[1] کیست؟ | سید نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ ہرات کے بہت بڑے سوداگر تھے۔ ایک دفعہ تجارتی قافلے کے ہمراہ ملتان تشریف لائے۔ اور حضرت غوث العلمینؒ کا شرفِ نیاز حاصل کیا۔ اس وقت ان کا نوجوان فرزند میر حسینی بھی ہمراہ تھا۔ اس نے بھی شیخ کی زیارت کی۔ مگر عمومی حیثیت سے۔ اور کچھ دن بعد یہ دونو باپ بیٹے قافلے کے ہمراہ واپس ہرات چلے گئے۔

یہاں پہنچ کر میر حسینی نے شاہی فوج میں نوکری کر لی۔ ایک روز شکار کے لئے صحرا کو نکل گیا۔ ایک ہرن نظر آیا۔ یہ گھوڑا دوڑا کر اس کے قریب پہنچا۔ چاہتا تھا۔ کہ تیر نکال کر اس کا شکار کرے۔ کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو کر نہایت فصاحت سے بولا:۔

"اے سید! خدا تعالیٰ ترا از اہل بیت محمدؐ پیدا کرد و محض برائے کار طاعت عبادت خود آفرید نہ برائے شکار کہ کار بیکاران است۔ حالا تو ہمہ کار ہائے خود را بیکار ساختی و بکار شکار من پرداختی[2]!"

---

[1] صدر الدین احمد نام میر حسینی عرف [2] اے سید! خدا تعالیٰ نے تجھے اپنے رسول کے اہل بیت سے پیدا کیا ہے۔ تیرا کام خدائے بے نیاز کی طاعت و عبادت کرنا ہے نہ کہ شکار کہ کار بے کاراں ہے تیری یہ حالت ہے کہ اپنے تمام کام دوبارہ چھوڑ کر میرے پیچھے دوڑا پھرتا ہے۔

یہ کہہ کر ہرن نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جب میر حسینیؒ نے ہرن کی یہ تقریر سُنی۔ طلب حق کی فروزاں ہونے والی آتش اس کے سینہ میں بھڑک اُٹھی۔ گھر میں آیا اور تمام اثاثہ خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ ایک قافلہ ملتان کو جا رہا تھا۔ اس کے ہمراہ ہو لیا۔ چند دنوں کے بعد یہ قافلہ ملتان پہنچا۔ اور کاروان سرائے شاہی میں جا کر قیام کیا۔

جب رات ہوئی تو شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ نے خواب دیکھا۔ کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"فرزند م میر حسینیؒ در قافلہ است او را از ایشاں بیروں آرد بکار حق مشغول کن[1]!"

صبح سویرے حضرت غوث العلمینؒ خود بنفسِ نفیس کاروان سرائے میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا "میر حسینی درمیانِ شما کیست[2]؟" سب لوگوں نے میر حسینی کی طرف اشارہ کیا۔ آپ چند قدم اور آگے بڑھے۔ ادھر میر حسینی نے جمال و جمال کے ایک نورانی پیکر کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ تو ادب و احترام سے سرو قد کھڑا ہو گیا۔ حضور قریب پہنچے۔ وہ قدموں پر گر پڑا۔ حضرت نے بڑی دلسوزی سے اُٹھا کر سینے سے لگایا۔ اور پیار و محبت سے اپنے ہمراہ خانقاہ میں لائے۔ اور مرید کر کے اپنے ارادتمندوں میں جگہ دی۔ بقول مولانا جمال آپ نے تین برس تک بڑی بڑی ریاضتیں کیں۔ تب جا کر ولایت کے درجہ پر فائز ہوئے۔

میر حسینیؒ اپنے زمانہ کے بہت بڑے شاعر اور صاحب تصنیف تھے نثر میں نزہت الارواح اور طرب المجالس اور نظم میں زاد المسافرین اور کنز الرموز اپنے شیخ کی آغوش شفقت میں بیٹھ کر لکھیں۔ یہ مسودات حضرت غوث العلمینؒ کی خدمت میں پیش ہوتے تھے

---

[1] میرا فرزند میر حسینی قافلے میں ہے۔ اُسے نکال لا اور خدا شناسی کا راستہ دکھا۔
[2] تم میں میر حسینی کون ہے۔

آپ غور سے ان کا مطالعہ فرماتے اور مصنف کی کاوش کو سراہتے۔ وہ سوالات جن کے جواب میں علامہ محمود شوستری رحمہ اللہ نے گلشن راز تصنیف کی تھی۔ میر حسینی نے یہیں مرتب کیے تھے۔

بیا بیا عراقی! انہی ایام میں مولانا فخرالدین عراقی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ ان کی بیعت کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ اس لیے ہم ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں۔

مولانا فخرالدین حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خواہر زادہ تھے۔ ہمدان کے ایک گاؤں باکرنجانؒ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں پڑھنے بیٹھے۔ نو مہینے میں پورا کلام پاک حفظ کر لیا۔ ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوی پر فریفتہ تھے۔ اس کے بعد علوم متداولہ کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ اور سترہ سال کی عمر میں معقولات منقولات پڑھ کر فارغ ہو گئے۔

مولانا جمالی کی روایت کے بموجب ہمدان اور صاحب خزینۃ الاصفیا کی تحقیق کے مطابق دمشق میں آپ فارغ التحصیل ہو کر مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کی قابلیت اور تبحر علمی کا بڑا شہرہ تھا۔ دور دور سے طالبانِ علم و ادب آپ سے استفاضہ کرنے کے لیے دمشق آ رہے تھے۔ بلاد بر اور شیخ المکتب کو آپ کی ذات پر ناز تھا۔ عالم فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ اور یہ چیز اکتسابی نہیں وہبی تھی۔ زبان میں کافی سوز و گداز تھا۔ مشاعروں میں جب آپ اپنا کلام سنانے کھڑے ہوتے۔ ہر طرف سے تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسنے لگتے تھے۔ الغرض آپ قابل رشک زندگی بسر کر رہے تھے کہ یکایک ایک ایسا سانحہ درپیش آیا۔ جس نے آپ کی دنیا ہی بدل ڈالی۔

۱؎ خزینۃ الاصفیا صفحہ ۳۱ و ۳۲ ۲؎ میخانہ عبدالنبی صفحہ ۲۸

۳؎ نفحات الانس

صاحب بزم صوفیہ لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن آپ مدرسہ میں درس دے رہے تھے
کہ دفعتہً قلندروں کی ایک جماعت پہنچی۔ اور آپ کو دیکھ کر یہ غزل پڑھنے لگی ؎

مارخت ز مسجد بخرابات کشیدیم — خط بر ورقِ زہد و کرامات کشیدیم
در کوئے مغاں در صفِ عشاق نشستیم — جام از کفِ رندانِ خرابات کشیدیم
از زہد و مقامات گذشتیم کہ بسیار — کاس تعب از زہد و مقامات کشیدیم

ان اشعار کے سنتے ہی مولانا عراقی پر وجد کا عالم طاری ہو گیا۔ قلندروں کی جماعت
میں ایک صاحب جمال لڑکا بھی تھا۔ شیخ کی نظر اس پر پڑی۔ تو سو جان سے فدا ہو گئے
کئی روز تک قلندروں کو اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اور پر تکلف دعوتیں کھلاتے رہے۔
قلندروں کو بھی اس امر کا علم ہو گیا۔ اور وہ کئی دنوں تک بلا ضرورت ضیافتیں اڑاتے رہے
مولانا عراقی تو پہلی نظر میں ہی صبر و شکیب کھو چکے تھے۔ درس تدریس کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔
قلندرزادہ ذرا اوجھل ہوتا۔ تو قیامت برپا ہو جاتی۔ شیخ سیماب وار تڑپنے لگتے۔

قلندر اس صورتِ حال سے تنگ آئے۔ تو ایک دن بوریہ بستر لپیٹ دمشق سے چل
کھڑے ہوئے۔ عراقی ان کے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ یہ بھی ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے
قلندروں نے دیکھا۔ تو ٹھہر گئے۔ اور مولانا سے کہا۔ صاحب! آپ بزرگ اور عالم آدمی
ہیں۔ آپ کا اور ہمارا گزارہ ناممکن ہے۔ اگر آپ بھی چار ابرو کا صفایا کرالیں۔ تو البتہ ہم
آپ کو ہمراہ لے چلنے کو تیار ہو جائیں گے۔ شیخ کے دل میں تو قلندرزادہ کے عشق
کی آگ بھڑک رہی تھی۔ فوراً کپڑے پھاڑ ڈالے۔ عمامہ سر سے اتار پھینکا۔ اور چار ابرو
کا صفایا کرا یہ کہتے ہوئے قلندروں میں جذب ہو گئے ؎

چہ خوش باشد کہ دلارام تو باشی
ندیم و مونس و یارم تو باشی

عراق سے ہمدان، ہمدان سے خراسان اور خراسان سے ہوتے ہوئے یہ قلندر ملتان وارد ہوئے۔ اور حضرت شیخ الاسلام کی سرائے میں بوریہ بستر پھیلا کر پڑے رہے حضرت غوث العلمینؒ سرائے سے جو گذرے۔ ایک نظر ان پہ بھی ڈالی اور مولانا عراقی کو اس ہئیت میں دیکھ کر سخت متعجب ہوئے۔ اپنے مقرب خاص شیخ عمادالدین سے فرمایا۔

"دریں جوان استعداد تمام یافتم او را ایں جا مے باید بودن"۔

مولانا عراقی نے بھی غوث العلمین کی طرف کشش محسوس کی اور قلندروں سے کہا۔

"بر مثال مقناطیس کہ آہن را کشد، شیخ مرا جذب مے کند و مقید خواہد کرد۔ ازیں جا زود تر مے باید رفت"۔

چنانچہ پچھلی رات کو ملتان سے دہلی چل دئیے۔ اور دہلی سے سومنات کی طرف جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں سخت آندھی آئی۔ اس طوفان میں کسی کو ایک دوسرے کا ہوش نہ رہا۔ کسی نے کوئی راستہ لیا۔ اور کوئی کدھر کو چل دیا۔ چونکہ مولانا عراقی کی قسمت میں ہدایت مقدر ہو چکی تھی۔ اس لیئے اِدھر اُدھر پریشان پھرتے ایک دن بلاارادہ غوث العلمینؒ کی خانقاہ پر حاضر ہو گئے۔

حضرت نے کشف کے ذریعے معلوم کر لیا۔ کہ عراقی دروازے پر کھڑا ہے۔ اُسے اندر بلایا اور فرمایا "عراقی! از ما بگریختی۔۔؟"

علامہ عراقی بے اختیار قدموں میں گر گئے اور گلوگیر آواز میں عرض کی ؎

از تو نگریزد دل من یک زماں کالبد را کے بود از جان گزیر

دا بہ لطفت مرا در بر گرفت داو بیش از ما درم صد گونہ شیر

حضرت غوث العلمینؒ نے لپک کر عراقی کو اُٹھایا۔ اور اپنے گلے سے لگا لیا۔ حضرت

لہ میخانہ عبدالنبی صفحہ ۳۲

کے سینہ بے کینہ سے مس ہوتا تھا۔ کہ قلندرزادے کا خیال دل سے محو ہو گیا۔ اور اس کی محبت کی جگہ عشق حقیقی کی آگ بھڑک اُٹھی۔ حضرت اپنا لباس پہنا کر مولانا عراقی کو اپنے خلوت خانہ کے قریب ایک حجرہ میں لے گئے۔ تاکہ مخلوقات سے علیحدہ ہو کر طاعتِ الٰہی میں مصروف رہے۔ دس ایام اطمینان سے گذرے گیارہویں روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ روتے تھے اور یہ غزل پڑھتے تھے۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ز چشمِ مست ساقی[1] دام کردند
چو بے خود خواستند اہلِ طرب را شراب بے خودی در کام کردند
برائے صید مرغ جانِ عاشق ز زلف فتنہ جویاں[2] دام کردند
بعالم ہر کجا رنج و بلا بود[3] بہم بردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند[4] راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند[5]

غوث العالمینؒ کے ارادتمندوں نے مولانا عراقی کو حجرہ میں نغمہ سرائی کرتے دیکھا تو حضرت کو اطلاع دی کہ ہمارے مسلک میں تو ان چیزوں کی ممانعت ہے۔ عراقی اس امر کے مرتکب کیوں ہو رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔

"شما را ازیں چیزہا منع است او را منع نیست"۔

اس کے کچھ دنوں بعد شیخ عمادالدین شہر میں گئے۔ ایک خرابات سے گذر رہے تھے کہ رندوں کو مندرجہ بالا غزل چنگ و چغانہ سے گاتے سُنا شہر سے واپس آئے تو حضرت کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ غوث العالمینؒ نے یہ سن کر فرمایا۔

---

[1] مخزن الغرائب، خوباں [2] ایضاً، ز زلف قید خوباں دام کردند [3] مخزن الغرائب، رنج و بلا نیست
[4] مخزن الغرائب، ہر [5] منقول از تذکرہ دولت شاہ صفحہ ۲۱۶

"کارِ عراقی تمام شد۔!"

اسی وقت اٹھ کر عراقی کے حجرے میں گئے۔ اور فرمایا

"عراقی! مناجات در خرابات مے کنی۔ بیروں آر"

مولانا عراقی حجرہ سے باہر نکلے۔ غوث العلمین کے قدموں میں گر گئے۔ اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے۔ حضرت نے اپنے دستِ حق پرست سے ان کا سر اٹھایا۔ اور اپنے سینے سے لگایا۔ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ تھا ؎

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است

ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

غوث العلمینؒ نے اُسی وقت اپنا خرقہ اُتار کر اُنہیں پہنا دیا۔ اور اسی مجلس میں اُس سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔

مخدوم عبدالرشیدؒ کی واپسی حضرت مخدوم عبدالرشیدؒ کو ارضِ مقدس کی طرف گئے کئی سال گذر چکے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام بار بار یاد کرتے اور ان کے فراق میں آہِ جگر دوز کھینچتے تھے ان کے اہل و عیال پر تو ہر وقت افسردگی کا عالم طاری رہتا تھا۔ ایک دفعہ غوث العلمینؒ اپنے احباب میں ان کا ذکر کر رہے تھے۔ کہ خدام درگاہ دفعتاً ایک پریشان حال شخص کو حضرت کی خدمت میں لے آئے۔ یہ عبداللہ تھا۔ مخدوم عبدالرشید کا خاص الخاص خدمت گار۔!

وہ آتے ہی قدموں میں گر پڑا۔ سفر کی کوفت نے اسے حال سے بے حال کر رکھا تھا میلے کپڑے اور وہ بھی جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے۔ چہرے پر گرد کی تہیں جم رہی تھیں۔ اور وہ حضرت کے قدموں میں پڑا سسک رہا تھا۔ حضرت نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

تیری یہ کیا حالت ہے عبداللہ! بھائی کہاں ہے۔!!

عرض کی یحضور! مخدوم کو پہاڑ کی ایک غار میں چھوڑ آیا ہوں۔ چھ ماہ سے پاؤں کے بل کھڑے آسمان کی جانب تک رہے ہیں۔ شوقِ ربانی کی آتش ان کے پیکرِ نور میں اس طرح شعلہ زن ہے کہ فہم و ادراک تک تلف ہو چکا ہے۔ کھانے پینے کا ہوش تک نہیں جس لباس سے غار میں داخل ہوئے تھے۔ آج تک وہی پہنے کھڑے ہیں۔ آرام کیا معنی اس طویل عرصہ میں ایک لمحہ کے لئے آنکھ نہیں جھپکی۔

قبلہ عالم! یہ فقیر چھ ماہ تک مخدوم کو ہوش میں لانے کی جد و جہد کرتا رہا۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر تھک ہار کر حضور کی خدمت میں اطلاع کرنے کو حاضر ہوا ہوں۔

غوث العلمینؒ نے مسکرا کر فرمایا۔ گھبراؤ نہیں عبداللہ! اللہ والوں پر ایسے مقامات آیا کرتے ہیں۔ میرے بھائی پر بھی یہی کیفیت طاری ہے۔

ایک خادم کو حکم ہوا کہ عبداللہ کے ہمراہ اس غار پر جاؤ۔ اور بھائی کو اپنے ہمراہ لے آؤ دو تو درویش لمبے لمبے ڈگ بھرتے منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا غار میں داخل ہونا تھا کہ حضرت مخدوم صحو میں آ گئے۔ خادم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ آپ نے کس طرح تکلیف فرمائی!"

لہ حضرت غوث العلمینؒ کے ملتان تشریف لاتے ہی مخدوم عبدالرشید ارض مقدس کو روانہ ہو گئے تھے۔ ینبع البرکات میں آپ کے سفر کا تفصیلی حال درج ہے۔ ہم یہاں مختصراً سپردِ قلم کرتے ہیں۔

حضرت مخدوم غوث العلمینؒ سے رخصت ہو کر جھرپور پہنچے۔ اس شہر میں شیخ نصیرالدین بلخی کی بڑی شہرت تھی۔ ان کا نیاز حاصل ہوا۔ پوچھا۔

"کہاں سے آنا ہوا؟"

عرض کی۔ "دارالامان ملتان سے۔!"

فرمایا۔ "شیخ بہاؤالدین کو جانتے ہو۔؟"

عرض کی "حضور! وہ اس فقیر کے چچا زاد بھائی ہیں۔ اور حال ہی میں بیت اللہ سے ملتان تشریف لائے ہیں"

(باقی صفحہ ۱۶۴ پر)

عرض کی۔"شیخ الاسلام نے بندہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔تاکہ حضور کو اپنے ہمراہ لے چلوں۔آئندہ جو حکم ہو۔!"

مخدوم نے اُسی وقت مصلیٰ اُٹھا کر کندھے پر رکھ لیا۔اور خدام کے ہمراہ ملتان کو چل پڑے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳)

یہ سنتے ہی شیخ کھڑے ہو گئے۔اور آپ کو بغل میں لے کر خوب دبایا۔بڑی معذرت کی۔اپنے حجرہ میں لے گئے۔سات شبانہ روز اپنی صحبت میں رکھا۔اور خوب توجہ فرمائی۔

ان سے رخصت ہو کر حضرت تبریز پہنچے۔اور سید جلالؒ اور ان کے بھائی سید حسینیؒ کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔یہ بزرگوار غوث العلمینؒ کے صحبت یافتہ تھے۔تعارف ہونے پر بڑے خوش ہوئے اور بڑی شفقت فرمائی۔ پوچھا۔

"اے عبدالرشید! برادرم شیخ بہاؤ الدینؒ کا حال بیان کر۔"

عرض کی۔"آپ بخیریت ملتان پہنچ چکے ہیں۔اور وہیں مقیم ہیں۔"

دونوں بزرگوں نے فرمایا۔انشاء اللہ ہم بہت جلد ان سے ملاقات کریں گے۔

ان کی شفقت و رافت سے استفاضہ کرتے ہوئے مخدوم شیخ نجم الدین کے ہاں پہنچے۔چونکہ حج کا موسم قریب آچکا تھا۔ان کی زیارت کرتے ہوئے ارض پاک کو روانہ ہوئے۔مکہ مکرمہ پہنچ کر حج کیا۔اور پھر مدینہ عالیہ پہنچ کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کی زیارت کی۔تین سال گنبد خضرا کے سایہ میں مولانا کمال الدین یمنی کی صحبت میں بسر کئے۔ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے عبدالرشید! تمہارا نصیبہ شیخ علی ہمدانیؒ کے ہاں ہے۔وہاں جا کر حاضری دے۔!"

یہ نوید مسرت افزا سن کر حضرت مخدوم ہمدان کو روانہ ہوئے۔بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے اسکندریہ پہنچے۔یہاں ایک صاحب حال کو دیکھا جو ننگے سر اور ننگے پاؤں عالم تحیر میں پڑا تھا۔جب آپ ان کے قریب پہنچے تو وہ صحو میں آگئے۔نظر اُٹھا کر مخدوم کو دیکھا اور فرمایا۔

عبدالرشید! ہمدان جا رہے ہو۔؟

عرض کی آپ جیسے اہل اللہ سے کیا چھپا ہے۔دعا فرمائیے۔کہ خدا کامیابی دے۔

فرمایا جلدی پہنچو۔تمہارے فیض یاب ہونے کا وقت قریب آچکا ہے۔

یہ کہہ کر پھر تحیر کے سمندر میں کھو گئے۔

(باقی صفحہ ۱۶۵ پر)

حضرت غوث العالمینؒ کئی سال کے بچھڑے ہوئے بھائی کو گلے لگا کر ملے تمام اعزاء اقارب جمع ہو گئے۔ ملتان کا شہر فرطِ مسرت سے جھومنے لگا۔ خوشی کی اس تقریب میں گھر گھر چراغاں ہوا بال بچے مل کر شادکام ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴)

حضرت مخدوم اس شہر کے درویشوں سے مل کر پھر عازمِ سفر ہوئے اور چند ایام کے بعد سلطان المشائخ سید علی ہمدانیؒ کی خدمت میں جا پہنچے۔ آپ نے آبادی سے باہر ایک حجرہ تیار کر رکھا تھا۔ اور اسی میں مصروف عبادت رہتے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی فرمایا۔

"اے عبدالرشید! اندر آ"

حکم پا کر مخدوم حجرہ میں داخل ہوئے۔ اور جو ازل سے نصیبہ میں مقدر ہو چکا تھا۔ حاصل کیا۔ اسکے بعد فرمایا۔ کہ مسجد کے حجرہ میں معتکف ہو کر بیٹھ۔" اس حجرے میں داخل ہونا تھا کہ فرش سے عرش تک سب کچھ بے حجاب نظر آنے لگا۔ حضرت مخدوم ایک سال تک اس حجرہ میں معتکف رہے۔ کبھی کبھی سلطان المشائخ اپنے حجرہ میں بھی طلب فرما لیتے تھے۔

شیخ کی وصیت | تین سال کے بعد شیخ نے حضرت کو وطن جانے کی اجازت بخشی اور فرمایا۔

عبدالرشید! جانے سے پہلے میری چند باتیں سن لو۔ تم نے آئندہ زندگی میں انہیں اپنا دستور بنانا ہوگا۔

۱۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ تمہیں بزرگوں کے ترکہ سے جو اثاثہ ملے اُسے خدا کی راہ میں صرف کر ڈالنا۔[۱]

۲۔ سادگی، فروتنی اور خاکساری کو اختیار کرنا۔ اور کسی قسم کی زیب و زینت اور آرائش کو مزاج میں دخل نہ ہونے دینا۔[۲]

۳۔ دنیا سے ہر قسم کے تعلقات ختم کر کے متوکل علی اللہ ہو کر اپنی زندگی بسر کرنا۔

۴۔ تمہاری مستقل سکونت ملتان میں ہوگی۔

۵۔ تم اپنی اولاد سے کسی کو سجادہ نشین نہیں کرو گے۔ اور نہ ہی اپنا روضہ اور خانقاہ تعمیر کرو گے۔[۳] حضرت پیر سے رخصت ہو کر حضرت ملتان کو روانہ ہوئے۔ کوہ سلیمان کی گھاٹی میں پہنچے تھے کہ یکایک آپ پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

عہ آنچہ در ملک داری تمامی در راہِ حق نثار کنی عہ خاکساری پیشہ داری و زیب و زینت بر خود روا نہ داری
سہ سجادہ از اولادِ خود مقرر نکنی و روضہ و خانقاہ خود بنا نخواہی کرد۔

سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دیا چند روز کے بعد حضرت غوث العلمین نے خزانہ عامرہ کے دروازے کھلوائے۔ اور بزرگوں کے وقت سے جو خزانہ محفوظ چلا آتا تھا۔ وہ بھائی کے آگے رکھ دیا۔ اور فرمایا۔ یہ تمام خزانہ اور جاگیر جو آپ مجھے امانت دے گئے تھے سنبھال لیں۔

مخدوم نے عرض کی "حضرت! میں تو اپنے شیخ کے حکم سے دنیا اور اس کے کارخانہ کو تیاگ چکا ہوں۔ مجھے ان چیزوں سے کیا سروکار! میں تو آبادی پر ویرانہ کو ترجیح دے چکا ہوں۔ کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے کا آرزومند ہوں یہ تمام کارخانہ اپنے پاس رہنے دیجئے۔

حضرت غوث العلمینؒ نے فرمایا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے! جو چیز آپ کی ہے وہ آپ کو لینا ہی ہوگی۔ اس کے بعد آپ کی مرضی ہے۔ خواہ اپنے پاس رکھیں یا خدا کی راہ میں بانٹ دیں۔ چنانچہ تمام خزانے اور جاگیریں آدھا آدھا بانٹ لیں۔ ایک ایک کروڑ اشرفی دونوں کے ترکہ میں آئی۔ اجناس خوردنی اور دیگر سامان مزید برآں تھا۔

اراضی کچھ اس طرح پھیلی ہوئی تھی۔ کہ راوی انہیں دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا تھا۔ قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوا۔ شرقی رقبہ مخدوم عبدالرشید کے حصے میں آیا۔ اور غربی غوث العلمین کو ملا۔ حضرت مخدوم صاحب نے اپنا تمام اثاثہ درویشوں اور مسکینوں میں بانٹنا شروع کیا۔ دور دور تک آپ کی فیاضی کی دھوم مچ گئی۔ اطراف و اکناف عالم سے مستحقین اور مساکین آپ کے در دولت پر جمع ہونے لگے۔ چند ایام میں ہی سارے ترکہ کی کوڑی کوڑی محتاجوں مسکینوں میں بانٹ دامن جھاڑ کھڑے ہو گئے۔ اور دریائے راوی کے شرقی جانب ایک جھونپڑا بنوا وہیں جا بیٹھے۔ حضرت غوث العلمینؒ ہفتہ میں ایک دفعہ بھائی کو ملنے راوی پار تشریف لے جاتے تھے ایک روز فرمایا۔

"اے بھائی! تم ایک بڑے کنبہ کے مالک ہو۔ اگر تمہیں اپنے لئے کوئی چیز

درکار نہیں تو نہ سہی۔ لیکن یہ لوگ کہاں جائیں! مناسب ہے کہ ان کے لئے کسی موزوں مقام پر مکانات تیار کرا دیئے تا کہ یہ اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر سکیں۔"

عرض کی۔ یہاں سے دس کوس کے فاصلے پر ابوالفتح وتاج الدین مڑل سے کچھ زمین خریدی ہے۔ وہاں بال بچوں اور متعلقین کے لئے آشیانہ بنانے کا ارادہ ہے۔ حضور خاطر جمع فرمائیں۔"

الغرض ایک روز حضرت مخدوم عبدالرشید اپنے اعزا و اقارب اور متوسلین کے ہمراہ اپنی خرید کردہ اراضی کی طرف روانہ ہوئے۔ غوث العلمینؒ نے مولانا عراقیؒ اور مخدوم سید جلال کو ساتھ کر دیا۔ تا کہ اسباب وقبائل کو پہنچانے میں مدد کریں۔

حضرت مخدوم عبدالرشید نے منزلِ مقصود کی طرف پہنچ کر رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرائے۔ اور اراضی اپنے متوسلین کو بحصہ برابر بانٹ دی کہ کاشت کر کے اپنی گذر اوقات کریں۔ اور خود ایک حجرہ میں اپنے لیل ونہار ریاضت وعبادت میں بسر کرنے لگے۔

یکے از چہار یار

شیخ عثمان المرندی المعروف بہ لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

یہ سندھ کے مجذوب ولی تھے۔ لال لباس پہنتے اور بھنگ وپوست علانیہ پیتے تھے۔ آپ پر ہر وقت سکر کا عالم طاری رہتا تھا۔ جذب اور مستی کے افراط کے سبب احکام شرع کے پابند نہیں رہ سکتے تھے۔ نماز میں تکبیر کہتے ہی ان کے ہر رونگٹے سے خون پھوٹ نکلتا تھا۔ قاضی قطب الدین کاشانی کو جب ان کی اس کیفیت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان پر فسق

کا فتویٰ لگا دیا۔ یہ ان دنوں ملتان کے کسی قریبی گاؤں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اپنی بابت قاضی صاحب کی یہ عبارت برداشت نہ ہوئی۔ برہم ہو کر اُٹھے۔ اپنی جماعت کو للکارا اور شیر پر سوار ہو کر ملتان کو چل دیئے۔

حضرت غوث العلمینؒ مسندِ ارشاد پر تشریف رکھتے تھے۔ حضرت کا ایوانِ عام علماء اور مشائخ سے پٹا پڑا تھا۔ قال اللہ و قال الرسول سے مجلس گرم تھی۔ دفعتہً شور اُٹھا۔ کہ سندھ سے شیخ عثمان نامی کوئی بزرگ عجیب ہیئت سے چلے آتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ قاضی قطب الدین کاشانیؒ میرے حوالے کرو۔ ورنہ ملتان کی اینٹ سے اینٹ بجا دونگا۔ حضرت غوث العلمینؒ نے اپنے جواں سال بھتیجے شیخ حسنؒ[1] کو بھیجا۔ کہ انہیں نرمی سے سمجھاؤ۔ اگر باز آجائیں تو بہتر ورنہ جس طرح ممکن ہو ان کے شر سے اہل ملتان کو نجات دلاؤ"۔

شیخ حسن بیل پر سوار ہو کر مقابلے پر نکلے۔ شیخ عثمان نے دُور سے دیکھتے ہی فرمایا۔

اے بچے! بیل کو ہٹا ورنہ یہ شیر اسے پھاڑ ڈالے گا۔

شیخ حسن بولے۔ آپ اپنے شیر کی فکر کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ یہی بیل اُسے اپنے سینگوں سے پھاڑ کر رکھ دے۔

شیخ عثمانؒ یہ جواب سُن کر بہت جھنجھلائے۔ اور شیر کو بیل پر حملہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ شیر ڈکارتا ہوا بڑھا۔ لیکن جب قریب پہنچا۔ بیل نے اُسے سینگوں پر دھر لیا۔ اور ایک درخت کے تنے پر اس زور سے دے پٹخا۔ کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اور وہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

شیخ عثمان شیر کے مرنے سے غضب ناک ہو رہے تھے۔ گرز سنبھال کر بڑھے۔ لیکن شیخ حسن کے آگے ان کی کوئی چال کارگر نہ ہوئی۔ انہوں نے شیخ عثمان اور ان کے رفقاء کو آگے دھر لیا۔ اور حضرت غوث کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ آپ نے شیخ پر شفقت

[1] فرزند ارجمند مخدوم عبدالرشید رحمتہ اللہ علیہ

نظر کی۔ اور فرمایا۔

اے لعل شہباز آگے بڑھ۔!

شیخ نے بے دلی سے آنکھ اٹھا کر نظر کی۔ اور خدا معلوم کیا دیکھا۔ کہ جو کچھ سوچ کر آیا تھا۔ سب بھول گیا۔ زیر لب آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ یہ جمال کسی انسان کا نہیں، سورج کا نہیں چاند کا نہیں، ایسا قالب جس کا چہرہ ہزار آفتابوں کی روشنی سے زیادہ منور دکھائی دے رہا ہے یقیناً کسی عظیم شخصیت کا ہی ہو سکتا ہے۔ مسکراتا ہے۔ تو ساری دنیا مسکراتی نظر آتی ہے جبینِ نور پر ذرا شکن آتی ہے۔ تو نوری ناری سب کانپ اُٹھتے ہیں ایسے مردانِ خدا بار بار نہیں ملتے اے عثمان! آگے بڑھ اور اپنا سر اس کے قدموں میں ڈال دے۔ یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ اور سرِ نیاز قدموں میں رکھ کر بولا۔

"اے پیکرِ نور! خطا ہوئی۔ معاف فرما دیجئے میں نے آپ کے شہر کے ایک عالم کو گرفت میں لانا چاہا تھا۔ لیکن خود اسی زنجیر میں جکڑ دیا گیا۔ خدارا اب مجھے زیادہ نہ ترسائیے۔ اور اپنی بیعت میں لے لیجئے۔"

حضرت غوثؒ نے شیخ کو بغل میں لے کر خوب بھینچا۔ اور اسی صحبت میں ہی آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔ چونکہ حضور نے شیخ کو لعل شہباز کہہ کر پکارا تھا اس لئے آپ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ اور لعل شہباز قلندر کہلانے لگے۔ صاحب معارج الولایت آپکا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ :۔

"وے صاحب کمالاتِ ظاہری و باطنی و تصرفاتِ صوری و معنوی بود۔ خوارق و کرامات بے اختیار از وے بظہور مے آمدند۔ اصل وے از سندھ است و از سادات عظام حسینی است نام نامی وے سید عثمان، مرید و خلیفہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی است، چوں جذب و مستی بغایت داشت پابند احکام

شرع نبود۔ لباس سرخ داشتے وخطاب شہباز از پیشگاہ پیر روشن ضمیر وے عطا شدہ بود، در خلق بسبب طریق ملامتیہ وے بحضرت شہباز قلندر اشتہار یافت۔"

صاحب تحفتہ الکرام نے آپ کو ان چار یاروں میں شمار کیا ہے۔ جو ہل کر سیاحت کرتے تھے۔ فرماتے ہیں :۔

"شیخ عثمان مروندی عرف مخدوم لعل شہباز یکے از چہار یار بود کہ یکجا سیاحت کردند۔"

ایک اور جگہ لکھا ہے کہ سہوان کے قریب پہاڑ پر چشمہ واہی ایک عجیب مقام ہے جلدی امراض کے اکثر مریض یہاں آکو غسل کرتے اور شفا پاتے ہیں۔ پاس ہی ایک ستون کی مسقف عمارت ہے۔ لوگوں کی یہاں آمد و رفت لگی رہتی ہے اور اس کی چھت پر سیر کرتے ہیں۔ عام مشہور یہی ہے کہ اس جگہ چار یاروں یعنی مخدوم عثمانؒ، شیخ بہاؤالدین زکریاؒ شیخ فریدؒ اور سید جلال بخاری نے کئی کئی دن مکاشفہ میں کاٹے ہیں تحفتہ الکرام کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

بر کوہش چشمہ واہی از عجائبات است اکثر ارباب امراض بغسلش شفا یابند۔ دیگر جائے یک ستونست کہ صفحہ بزرگی در کوہ) بیک ستون باعتقاد مردم قدرتی مسکون مردم بسیر و صفا آنجا روند و بہ سقفش نظارہ کنند۔ گویند آنجا سے چہار یار یعنی مخدوم عثمان، شیخ بہاؤالدین زکریاؒ۔ شیخ فرید سید جلال بمکاشفات نشستہ اند۔

(تحفتہ الکرام جلد ۳ بذیل سیوستان)

اس قسم کی نشستیں جو چار یاروں کے نام سے موسوم ہیں۔ پاکستان کے چپہ چپہ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اب تک علی حالہ موجود ہیں۔ وہاں زبردست میلے لگتے ہیں۔ اور خوش اعتقاد لوگ نذر و نیاز اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ درحقیقت غوث العلمین اور ان کے یاران طریقت نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا تھا۔ جس کی نوعیت ناقابل

تبلیغی ہوتی تھی۔ گرمائی دورہ کشمیر اور بلخ بخارا کی طرف ہوتا تھا۔ کشمیر کے دامن میں ایبٹ آباد اور بخارا کی طرف پہاڑوں پران کی نشست گاہیں آج تک زائرین کو دعوتِ عمل دے رہی ہیں۔ ساون بھادوں کے مہینوں میں سہوان، ٹھیر اور دیبل کی طرف دورہ ہوتا تھا۔ بھکی سرد موسم بہار کا صدر مقام تھا۔ موسم سرما میں پنجاب، سندھ اور بلوچستان کا میدانی علاقہ ان کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوتا تھا جس کا تفصیلی ذکر ہم آگے چل کر کرینگے۔

خواجہ حسن افغانؒ

حضرت خواجہ حسن افغانؒ کو غوث العلمینؒ کی پیشگاہ میں جو مقام حاصل تھا۔ اس کا اندازہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے اس بیان سے بخوبی ہو سکتا ہے روایت کرتے ہیں کہ حضرت غوث العلمینؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے دن مجھ سے پوچھا گیا۔ کہ تم دنیا سے کیا تحفہ لائے ہو۔ تو میں عرض کروں گا۔ کہ خواجہ حسنؒ کا صدق اور اعتقاد راست لایا ہوں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے خواجہ حسن افغان کو اس قدر علم لدنی عطا کیا تھا کہ اگرچہ وہ بالکل ان پڑھ تھے لیکن لوحِ محفوظ نے اُن کے آئینہ دل پر اپنا عکس ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ اگر ان کے سامنے آیات بینات، حدیث شریف اور اقوال مشائخ ملا جلا لکھ کر پیش کرتے۔ تو وہ ایک نظر دیکھ لینے سے بتا دیتے تھے کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے، یہ حدیث ہے اور یہ کسی شیخ کا ارشاد ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔ میں ان عبارتوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ کہ جو خدا کا کلام ہوتا ہے۔ اُس کا نور عرشِ اعلیٰ تک دکھائی دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا نور ساتویں آسمان تک اور اقوالِ مشائخ کا نور زمین سے آسمان تک مشاہدہ کرتا ہوں ؎

نگارِ من کہ بہ مکتب نہ رفت وخط نہ نوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یہ بھی حضرت محبوب الٰہی سے منقول ہے۔ کہ ایک مرتبہ کسی گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کی جا رہی تھی۔ قبلہ کی تعیین میں حضرات علماء اختلاف کر رہے تھے۔ اتفاق سے خواجہ حسن افغان بھی وہاں جا نکلے۔ معمار سے پکار کر کہا۔ کہ "میاں! محراب اس سمت رکھو۔ کیونکہ قبلہ اس طرف ہے۔" لوگ متردد ہوئے۔ آپ نے فرمایا "تردد کی کیا بات ہے۔ جسے بیت اللہ کی زیارت مطلوب ہو۔ اس وقت کرلے۔" جمیع علماء و مشائخ جو موجود تھے۔ سب کعبہ کی زیارت سے مشرف اندوز ہوئے۔ اور حسن افغان کا شکریہ ادا کیا۔

ایک روز حسن افغان کا گذر مغرب کے وقت ایک مسجد سے ہوا۔ نماز ہو رہی تھی۔ آپ بھی نماز میں شامل ہو گئے۔ جب امام سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوا۔ تو آپ امام کا ہاتھ پکڑ کر ایک گوشے میں لے گئے۔ اور فرمایا۔

اے امام صاحب جب آپ نے نماز شروع کی۔ تو میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپ یہاں سے دہلی پہنچے۔ اور وہاں سے غلام خرید کر ملتان آئے۔ اور پھر ان بردوں کو گراں قیمت پر بیچنے کے لئے ملتان سے خراسان پہنچے۔ پھر وہاں سے ملتان آئے۔ اور میں تیرے پیچھے بے سروپا حیران و پریشان پھرتا رہا۔ اس نماز کو کیا کہیں اور اس کا کیا نام رکھیں۔

چوں شوی استادہ از بہر نماز | دل بود در گاؤ خراے حیلہ ساز
آں نماز تو شود آخر تباہ | فکر باطلہا کند رویت سیاہ

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

تارکِ تخت و تاج سلطان حمید الدین حاکم قریشی الہنکاری

آپ کیچ مکران کے بادشاہ تھے۔ ایک مرتبہ دن بھر کی سیر و تفریح کے بعد جب محل میں داخل ہوئے

تو زنت نامی خادمہ کو پلنگ پر سوتے پڑا پایا۔ زنت کی یہ بے ادبی خاطرِ اشرف کو پسند نہ آئی۔ غضب ناک ہو کر حکم دیا۔ کہ اس بے تمیز کو ایسی سزا دی جائے۔ کہ دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔

خدام نے لپک کر زنت کو بالوں سے پکڑ لیا۔ اور گھسیٹتے ہوئے صحن میں لے آئے۔ سلطان کے سامنے اسے چابک لگ رہے تھے۔ مگر وہ کوئی ایسے دل گردے کی عورت تھی کہ اُف کئے بغیر یہ مار کھائے جا رہی تھی۔ جب وہ نڈھال ہو کر گر پڑی۔ تو سلطان نے اشارے سے نوکروں کو روک دیا۔ زنت نے نیم وا آنکھوں سے سلطان پر نظر ڈالی۔ اور خدا معلوم اُسے کیا خیال آیا۔ کہ دفعتہً کھِل کھلا کر ہنس پڑی۔

سلطان کو اس بے محل ہنسی سے تعجب ہوا۔ پوچھا۔

"اے زنت! اس بے جا ہنسی کی وجہ بیان کر۔ ورنہ تیری گردن مار دی جائیگی۔!"

خادمہ نے کرب آلود نگاہوں سے ایک بار سلطان پر پھر نظر ڈالی۔ اور بولی۔

"جہاں پناہ! مار پیٹ کے دوران میں اس خادمہ کو خیال آیا۔ کہ میں ایک لمحہ اس بستر پر سوئی۔ تو یہ سزا پائی۔ لیکن جو شخص اس پر ہر روز سوتا ہے۔ قیامت کے دن اس کا کیا حشر ہو گا!"

زنت کے اس جواب سے سلطان کے ہوش اُڑ گئے۔ اس کو تو کچھ دے دلا کر اُسی وقت آزاد کر دیا۔ لیکن خود بحرِ فکر میں ایسے کھوئے کہ صبح ہو گئی۔ خادم نے شکار کے لئے تشدید پیش کیا سلطان غم غلط کرنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو شکار کو نکلا۔ امراء اور مصاحبین جلو میں تھے۔ انھوں نے دل بہلانے کی ہزار کوشش کی۔ مگر زنت کی بات تو دل میں ترازو ہو کر اُتر چکی تھی۔ چین کیونکر آتا۔ اِدھر اُدھر گھوڑے دوڑاتے رہے۔ اسی اثناء میں ایک ہرن سلطان کے سامنے سے نکل کر بھاگا۔ سلطان نے نیزہ اور کمان سنبھال گھوڑے کو ایسی ایڑ لگائی۔ کہ ہوا ہو گیا اور

امراء و مصاحبین جو ہمرکاب تھے پیچھے رہ گئے۔ آپ ہرن پر تیر چھوڑنے والے ہی تھے کہ وہ ایک قبر کے سوراخ میں گھس گیا۔ سلطان کو تعجب ہوا کہ خلافِ معمول ہرن زمین کے سوراخ میں کیوں گھسا۔ جست لگا کر گھوڑے سے اترے۔ غار میں جھانک کر دیکھا۔ تو وہاں اور نظارہ دکھائی دیا۔ ایک تازہ لاش پڑی تھی۔ جسے مینڈک کی شکل و صورت کا بچھو جگہ جگہ سے ڈستا پھرتا تھا۔ آپ نے رحم کھا کر کمان سے بچھو کو پرے ہٹا دیا۔ لیکن مڑ کر دیکھا۔ تو بچھو پھر وہیں موجود تھا۔ تین بار آپ نے اُسے ہٹایا۔ مگر پھر وہ آموجود ہوا۔ آپ نے جان لیا۔ کہ یہ بچھو نہیں کوئی فرشتہ ہے جو اس میت پر عذاب کے لئے مقرر ہے۔ آپ نے قبر کے سوراخ کو بند کر دیا ——— اور گھوڑے پر سوار ہو کر پاس کے گاؤں میں پہنچے ——— لوگوں سے پوچھا کہ یہ قبر کس کی ہے؟

جواب ملا۔ اس گاؤں کے رئیس کی۔

رئیس کا لفظ سن کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ خوفِ عقاب سے ایک جھرجھری لے کر گھوڑے کی باگ شہر کو پھیر دی۔ چونکہ قدرت کو یہی منظور تھا کہ دارِ فانی کا یہ آشیانہ نشین شہبازِ اوجِ لاہوت کی طرف پرواز کرے۔ اس لیئے رئیس دہ کے عذابِ میت کا معائنہ اور خادمہ کا سخن "حق و باطل" میں تمیز کرنے کا سبب بن گیا۔ شوقِ الٰہی کی آتش جو اس پاک نہاد کے سینہ بے کینہ میں دبی پڑی تھی۔ دفعتہً بھڑک اُٹھی۔ اور شاہدِ حقیقی کی محبت و عشق کا بحرِ بسیط موجیں لینے لگا۔ کیچ مکران کی حکومت اپنے عم زاد بھائی امیر البقا کے سپرد کی خود صحرا کو نکل گئے۔ اور بارہ سال کامل اسی بے آب و گیاہ وادی میں اس طرح گذارے کہ دن بھر روزہ سے رہتے اور شام کو درخت کے ایک پتہ سے افطار کرتے۔ جب یہ مجاہدہ ختم ہوا۔ تو ایک ندی کے کنارے خواجہ خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ فرمایا۔ تو نے خوب محنت کی لیکن ریت اور درخت کے پتوں سے افطاری کرنا مناسب نہیں تھا۔ کیونکہ ریت پھانکنا حرام

ہے اور وہ روزہ ضائع ہو گیا۔ جو تو نے اس سے افطار کیا۔ باقی رہا درخت کے پتوں کا معاملہ۔ وہ ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ انہیں خدا کے ذکر سے محروم کرنا جوانمردی سے بعید ہے۔ لہٰذا کوئی دوسرا مجاہدہ کرنا چاہیئے۔

سلطان التارکین حضرت خضر کے ان ارشادات سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ اسی وقت ایک غزل موزوں فرمائی۔ جو دلی کیفیات کی ترجمانی کرتی تھی۔ اس کے مطلع میں فرمایا ہے

افسوس دریں رہ کہ فرزانہ نہ رفتیم
در معرکۂ مرداں کہ مردانہ نرفتیم

مجاہدہ منظور ہو گیا

اب حضرت پھر صحرا میں پہنچے۔ اور ایسا مجاہدہ شروع کیا۔ جو دنیا کے بہت کم مشائخ کے حصہ میں آیا ہوگا۔ یعنی خورد و نوش سے کُلّی طور پر بے نیاز ہو کر بارہ سال اور عبادت و طاعتِ حق میں گذار دیئے۔ اس دفعہ حضرت خضر نے آکر مبارکباد دی اور جیب سے بہشتی میوے نکال کر عنایت کئے۔

فرمایا۔ اے حمید الدین! حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور ساتھ ہی یہ خوشخبری دی ہے کہ تیرا مجاہدہ بارگاہِ الٰہی میں منظور ہوا۔ اب اپنا روزہ ان بہشتی پھلوں سے افطار کر جو تیرے لئے خاص طور پر حضرت جبرائیل لائے ہیں۔

سلطان التارکین نے وہ پھل لے کر کھانا شروع کئے۔ ان کا کھانا تھا کہ باطن کی صفائی حاصل ہو گئی۔ اور عرش سے تحت الثریٰ تک ساری کائنات بے حجاب نظر آنے لگی۔ قرآن اور احادیث کے جملہ اسرار و رموز ان پر منکشف ہو گئے۔ سلطان نے بیعت ہونے کیلئے خواجہ خضر کا ہاتھ پکڑا۔ انہوں نے فرمایا

"آپ لاہور اپنے نانا بزرگوار سید السادات سید احمد توختہ کی خدمت میں حاضری دیں[1]

[1] برو در ملک پنجاب در خدمتِ سید السادات سید احمد جد مادرِ خود مشرف شو کہ حل اشکال خواہی کرد۔

آپ کی اشکال وہیں رفع ہوں گی۔

سید احمد توختہ کی خدمت میں سلطان التارکین کی اہلیہ محترمہ لطیفہ بانو کچھ عرصہ سے بیمار چلی آتی تھی۔ ممکن ہے کہ سلطان مجاہدہ و ریاضت کے دوران میں اس کی خبرگیری سے قاصر رہے ہوں اور یہی اس کی بیماری کا سبب ہو۔ بہرحال وہ پاکدامنہ فوت ہو گئی۔ سلطان تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر لاہور کو چل دیئے۔ سید احمد توختہ بڑے پایہ کے درویش تھے اور سلطان التارکین کے حقیقی نانا تھے۔ آپ بعد قطع منازل تاج البلاد لاہور میں داخل ہوئے۔ سید السادات احمد توختہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ کافی عرصہ ان کی تربیت فرمائی۔ جب وقت آخر قریب آیا تو بلا کر فرمایا۔

"فرزند عزیز! تیرا بقیہ نصیبہ خاندانِ سہروردیہ میں ہے اس خاندانِ عالیشان میں درِ مقصود تلاش کر۔"

حضرت کے انتقال کے بعد سلطان التارکین خاندان سہروردیہ کے شہنشاہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں بغداد کو روانہ ہوئے۔ کئی شبانہ روز کی مسافت کے بعد جب بغداد کے مضافات میں قدم رکھا۔ تو غلبہ شوق سے بحر شہود میں ایسے غرق ہوئے کہ نہیں رات دن تن بدن کا ہوش نہ رہا۔

شیخ الشیوخ کو کشف کے ذریعے سلطان کی آمد کا علم ہوا۔ خادم بھیج کر طلب فرمایا۔ آپ نے خدمت عالیہ میں پہنچتے ہی اپنا سر قدموں میں رکھ دیا۔ اور عرض کی۔

"اے سر حلقہ اولیائے کرام! یہ سوختۂ آتش عشق اور مبتلائے ہجران محبوبِ مطلق سید السادات کے ارشاد سے اس بارگاہ میں حاضر ہوا ہے۔ حیاتِ ناپائیدار کا کچھ اعتبار نہیں ممکن ہے فرصت حاصل نہ ہو۔ اور غنچۂ مراد ناشگفتہ رہے۔ اس لئے بلاتامل شرفِ بیعت سے ممتاز فرمائیے۔ تاکہ اس کریم الطبع کے نعمت خانہ سے بے بہرہ نہ رہوں۔"

شیخ الشیوخ نے آپ کی پیٹھ پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا۔
"اے تشنہ کام! ابھی تیرے پیرِ بیعت نے عرصہ عدم سے ساحتِ وجود میں قدم نہیں رکھا۔ چندے اور انتظار کر"۔
سلطان التارکین نے بدل مجروح و دیدہ مطروح دوبارہ سرنیاز پائے مبارک پر رکھ کر عرض کی۔ کہ
"جو طبیب کہ مرض کو پہچانتا ہے۔ وہ دوا بھی جانتا ہے۔ اس لئے امیدوار ہوں۔ کہ حضور اس شیر بیشۂ ولایت کے اسم گرامی سے بھی آگاہی فرمائیں گے۔ تاکہ اسکی تلاش میں مدد مل سکے"۔
فرمایا۔
"وہ فرزند دم بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے رکن الدینؒ ہوں گے"۔
حضرت حمیدالدین حاکم اس بشارت فیض اشارت سے بے حد مسرور ہوئے۔ اور عرض کی۔
"یہ مبتلائے دردِ اشتیاق اور سرگردانِ وادیئے فراق اس بزرگ کے قدوم میمنت لزوم کے شرفِ زیارت تک اُسی کے زاد و بوم میں گوشہ نشین رہنے کا آرزومند ہے۔ تاکہ خاطر بیقرار کو تسکین حاصل رہے"۔
شیخ الشیوخ نے آپ کی درخواست کو منظور فرمایا۔ اور مصلّٰی خاص تبرک کے طور پر مرحمت فرما کے رخصت کیا۔
ملتان مبارک | حضرت سلطان التارکین آزاد منش فقراء کی طرح ملتان کو چلے جاتے تھے۔ ایک دن آپ کا گذر ایسے شہر سے ہوا جس کی سرسبزی اور شادابی آپ کو بڑی پسند آئی۔ دریا اس کے قدموں میں پڑا لوٹتا تھا۔ مکانات پختہ اور بلند سطح پر واقع تھے۔ چاروں طرف

سرسبز باغات اور پُر فضا کھیتوں کا سلسلہ دُور تک چلا گیا تھا۔ آپ نے خیال کیا کہ اس وقت مقام پر قیام کر کے لطیفہ غیبی کا منتظر رہنا چاہیئے۔ چنانچہ شہرؒ کے باہر ایک جوگی کے کنویں پر آپ نے اپنا بوریہ پھیلا دیا۔ یہ جوگی فقر اور علم کیمیا میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس علاقہ کے لوگ اس کے بڑے معتقد تھے۔ وہ شام کو ٹہلتا ٹہلتا جو ادھر آیا۔ اس نے دیکھا۔ کہ ایک پیر مرد مسافر درخت کے سایہ تلے ڈیرا جمائے بیٹھا ہے۔ اس نے چاہا۔ کہ کسی طرح نووارد کا حال دریافت کرے کہ آیا یہ کوئی گم کردہ سامان سوداگر ہے۔ یا ولایت باختہ بادشاہ۔ سوچ کر جوگی واپس لوٹ گیا۔ اور شہر سے سونے کی ایک اینٹ اُٹھا لایا۔ اور بولا۔

"اے فکرمند مسافر! یہ زمانہ یونہی پہلو بدلتا رہتا ہے۔ کسی قسم کی تشویش کو خاطر میں نہ لا۔ درویش کی اس پیشکش کو زادِ راہ بنا لے مسبب الاسباب تیری مرادیں پوری کرے گا۔"

لہ یہ شہر مئو مبارک کے نام سے ریاست بہاولپور میں اب تک موجود ہے۔ شہر پناہ اور دروازے زبانِ حال اس کی قدامت کی شہادت دے رہے ہیں۔ البتہ دریا نے اپنا رخ بدل لیا ہے۔ اور وہ شہر جو کبھی مینوِ خطر نظر آتا تھا۔ اور جس پر سلطان حمیدالدین کی نظر انتخاب پڑی تھی۔ اب کھنڈر بن کر رہ گیا ہے سلطان التا کا تذکرہ نگار لکھتا ہے۔

"باید فہمید کہ قلعہ مئو قلعہ ایست معظم موہبت باہیبت، بارونق و رفعت، با بالائی و بلندی و با عظمت و رفعت مزین با بروج و مینار و محکم بہ لبریز و دروازہ آہنی و واقع است درمیان قنان و مکہر کہ بعد از زمان عیسٰی علیہ السلام راے سہنس کرور آنرا بنا کردہ است، بعدہٗ راجہ کلاس آرائش و زینت داد۔ و در عہد راے بھوج شاہ غزنی او را پامال ساخت و قلعہ مئو را ویران انداخت و آں چناں دروازہ آں مسدود مطلق نمود کہ ہیچ بنی آدم را بارائے رفتن بالائے قلعہ نماند

اب بہاولپور گزیٹیر کی عبارت ملاحظہ ہو۔ رحیم یار خاں سے چھ میل شمال کی طرف مئو مبارک کا قدیمی قلعہ واقع ہے۔ یہ راے سیہاسی دوم کے چھ قلعوں میں سے ایک ہے۔ بیس گڑھیوں اور برجوں کے کھنڈرات اب بھی دکھائی دیتے ہیں ایک انہیں سے پچاس فٹ بلند تاحال قائم ہے۔ فصیل چھ سو گز ہے۔ راے ہنس کرور نے حضرت عیسٰیؑ کے زمانہ میں اپنی ماں کی رہائش کیلئے بنوایا تھا۔ لہذا مئو نام ہوا۔ راے بھوج کے عہد میں سلطان محمود غزنوی سومنات کو جاتے ہوئے یہاں سے گذرا۔ راجہ مسدود ہوا اور یہ قلعہ تباہ و برباد ہو گیا۔

سلطان التارکین نے جوگی کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہ اینٹ لے کر دریا میں پھینک دی جو حضرت کے پاس ہی بہہ رہا تھا۔ جوگی نے خیال کیا۔ کہ یہ مرد جو بے نیازی میں یگانہ روزگار نظر آتا ہے۔ دو جہت سے خالی نہیں۔ یا تو یہ کیمیا گر ہے۔ یا صاحب کمال درویش اس کا حال ضرور معلوم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے مکرر سوال کیا۔

اے باکمال انسان! اگر یہ اینٹ تیرے کام کی نہیں تھی تو دریا میں ڈالنے سے فائدہ۔!

سلطان التارکین جوگی کی طرف دیکھ کر ہنسے۔ اور دریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

مانک موتی لے وسے تہیں پر الیہ سو لے

یعنی موتیوں کا دریا بہہ رہا ہے جس کی قسمت میں ہو وہ لے۔

آپ نے اشارہ کیا ہی تھا کہ دریا پھٹ گیا اور اس کی تہہ میں سونے کی ہزاروں اینٹیں بہتی دکھائی دیں۔ فرمایا

"اے جوگی دریا پر جا۔ اور اپنی اینٹ پہچان کر نکال لے۔"

اس بیدار بخت نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔

حضرت دریا اینٹوں سے بھرا پڑا ہے۔ بلکہ دریا کی ساری وادی سنہری بن چکی ہے میں اپنی اینٹ کیسے پہچانوں۔ ؎

نظرت کیمیا است گر نگری درم قلب ما چوں زر گردد

اے ولی اللہ! تیری نظر کیمیا ہے۔ اگر مجھ پر گوشۂ چشم سے تھوڑی سی توجہ ہو جائے تو اس کا یا ہی پلٹ جائے۔

سلطان التارکین کو جوگی کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ اس پر کرم کی ایک نظر ہوگی۔ واقعی

اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔ وہ تہ دل سے مسلمان ہو گیا۔ اور اپنے کنویں پر ایک حجرہ اور مسجد تعمیر کی۔ جہاں سلطان التارکین نے سکون واطمینان سے خدا کی بھولی بھٹکی مخلوق کو سبیل الرشاد پر چلانا شروع کیا۔ آپ کے اخلاق حسنہ کی کشش یہاں کے راجہ رائے لکھ سنج کو بھی کھینچ لائی حضرت نے اسلام کے محامد اور محاسن اس رنگ میں پیش کئے کہ وہ اپنے برادران بٹوارائے دہندہ ورائے اور فرزندان شمیر والیشر سمیت مسلمان ہو گیا۔

اب غریب الوطن اور اجنبی درویش اس ریاست کے سیاہ وسفید کا مالک بن چکا تھا دولت حشمت اور امارت جیسے کیچ مکران میں خیرباد کہہ آیا تھا۔ پھر قدموں میں لوٹ رہی تھی۔ حضرت نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی بجا آوری کے ساتھ اس ریاست پر بھی توجہ صرف کی۔ چونکہ اس زمانہ میں شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت کے سبب شیراز بہت مشہور ہو رہا تھا۔ اور شیخ سے روحانی رابطہ رکھنے کے سبب سلطان التارکین کی نگاہ میں اسے خاص مقام حاصل تھا۔ اس لئے مئو کو بھی شیراز کی سطح پر لانے کی کوشش فرمائی۔ چنانچہ بہت جلد ہی ٹیمالی ہند کا یہ غیر معروف قلعہ ایران کے مشہور ترین شہر شیراز کا مقابلہ کرنے لگا۔ ارشاد ہوتا ہے ؎

من حاکم ولی چوں ہوا خواہِ سعدیم مئو را ز فضل رونق شیراز مے کنم

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

شد غزل سعدی ہم بنظم نظامی نظم من قصبہ مئو شد ز فضلم کنجرہ شیراز ہم

حضرت غوث العلمینؒ کا مکتوب گرامی جب چنگیزیوں نے کیچ مکران کی سلطنت امیر البقا سے چھین لی۔ تو وہ سید احمد توختہ ترمذی کی خدمت میں لاہور چلے گئے۔ اور سلطان التارکین کے علاقی بھائی شیخ رکن الدین حاتم اپنی والدہ اور عم بزرگوار شیخ تاج الدین کے ساتھ مع اہل وعیال قصبہ مئو میں وارد ہوئے۔ سلطان التارکین نے ان کی رہائش کا مستقل انتظام

کر دیا۔ ان دنوں شیخ حاتم کے نانا بزرگوار قاضی رفیع الدین عباسی سلطان التمش کی طرف سے صوبہ بکھر کے گورنر تھے۔ جب انہیں اس امر کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے سرکار سے پندرہ گاؤں بطریق جاگیر جدا کر کے حضرت حمید الدین حاکم کی نظر کئے اور لکھا مجھے علم ہے کہ آپ نے دنیا سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ لیکن یہ قطعہ اراضی جو آپ کے خدام کے لائق نہیں اپنی لڑکی (والدہ شیخ حاتم) کے خرچ نمک کے لئے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اُمید ہے حضور لفظ "انکار" درمیان میں نہ لاکر اسے قبول فرما لیں گے۔" چونکہ قاضی صاحب کا احترام پیش نظر تھا۔ اس لئے آپ نے یہ پیشکش قبول کر کے اس کا انتظام اپنے گماشتوں کے سپرد کر دیا۔

ان دیہات میں ایک گاؤں ولہرواہن جو بکھر کے قریب پڑتا تھا۔ قاضی کبیر کے زیر کاشت تھا۔ سلطان الناصرین کے گماشتوں نے معمول سے زیادہ محصول وصول کرنا چاہا۔ قاضی کبیر سخت فکرمند ہوا۔ اُسے اور کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی۔ حضرت غوث العلمین کی خدمت میں ملتان پہنچا اور عرض کی۔

ولہرواہن میں ایک قطعہ اراضی اس غلام کے زیر کاشت چلا آتا ہے سلطان الناصرین کے گماشتوں نے اس کے محصول کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ بندہ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔ براہ کرم حضور والا ان کی خدمت میں سفارش نامہ لکھ دیں تاکہ وہ مقررہ محصول سے زیادہ وصول نہ کریں۔

حضرت غوث العلمینؒ نے سفارش میں سلطان حمید الدین کو یہ فقرات لکھوائے۔

شیخ ہنکاری رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادہ کو واضح ہو کہ ہرچند آپ کا نام حاکم ہے مگر طریق سلوک میں محکوم ہوئے بغیر کام نہیں بنتا۔ اس طرح جیسے کشتی کے بغیر دریا عبور نہیں کر سکتے۔ امر متروکہ کا ارتکاب ارباب حال کے مناسب نہیں

ایک قطعہ زمین کے لئے درویش مسکین کو رنجیدہ کرنے سے کیا حاصل ہے ؎

حاکم آپ ہیں حکم آپ ہی وچار — جے دن گا تون سے کئی ولار ولار
جے دن لدھیا ملسے بجھ نہ ہار — جیں تانک نہ تو اہا سی کہیں لنگسن پار

قاضی کبیر خود یہ مکتوب گرامی لے کر متو مبارک حاضر ہوئے۔ حضرت حاکمؒ نے پیر بیعت کے عبد امجد کے سرفرازنامہ کو سر آنکھوں سے لگا کر بڑی عقیدت سے پڑھا۔ زیارت کے آرزو مند پہلے سے ہی تھے اس خط نے سمندِ شوق پر مہمیز کا کام کیا۔ قاضی صاحب کو رضامند کر کے حضرت غوث العلمینؒ کی خدمت میں ایک عرضی لکھی۔ جو اس مضمون پر مشتمل تھی۔

"کہ اگرچہ درویشوں کے خاک پا کو حاکم کہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ محکوم حاکم الٰہی ہے ؎

منم بحکم خداوند شانہ اکبر — جز آن سفینہ نباشد مرا سفینہ دگر
زد بخششِ دل درویش آنچہ بد اظہار — خدا علیم نگشتہ بعلم این احقر
بحکم ایزد او بعد ازیں زینہار — نشود کسے نہ مزاحم بحال او دیگر

ساتھ ہی حضرت کے دوہرہ کے جواب میں ایک دوہرہ تحریر فرمایا جس کے الفاظ سہو کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ جو کچھ پڑھا گیا ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

حاکم آپ ہیں حکم کراہیں وچار — جنہاں اللہ بنیا اتے نبی محمدؐ یار
جنہاں تانک نہ تو لہا سی بھی لنگسن پار

قاصد کو یہ نیاز نامہ دے کر روانہ کیا۔ اور خود بھی چند دنوں کے بعد ملتان کو چل پڑے۔ حضرت غوث العلمینؒ سلطان حاکم کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ اور اپنے حجرہ خاص کے پاس مکان مرحمت کیا۔ ایک دن دوران گفتگو میں فرمایا۔ کہ انسان کو پیر کے بغیر نہیں رہنا چاہیئے۔ جیسے آپ کا دل پسند کرتے۔ اس

سے بیعت کرلیں۔

عرض کی حضور! "ابھی میرے پیر عرصہ عدم سے ساحتِ وجود میں نہیں آئے"۔

پوچھا۔ "وہ باکمال درویش کون ہو سکتا ہے"؟

عرض کی۔ "وہ شیخ صدرالدین عارف کے فرزند شیخ رکن الدین ہوں گے"۔

یہ نام لیتے ہی آپ پر رقت طاری ہو گئی جس سے حضرت غوث العلمینؒ بھی بڑے متاثر ہوئے اور اہلِ مجلس کے ہر فرد کے دل سے سوزِ درد[1] نمایاں ہو گیا ؎

حالتے خوش رفت اندر کوچہ بیت الصنم

ساقی و مطرب خراب بادہ و ما نیز ہم

شرفِ دامادی انہی ایام میں مولانا فخرالدین عراقی کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ حضرت غوث العلمینؒ کی صاحبزادی تھی، اس عفیفہ کے بطن عفت سے شیخ کبیرالدین تولد ہوئے جو حضرت غوث کی آغوشِ شفقت میں پرورش پا رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے دوسری صاحبزادی مولانا عراقی کے حبالۂ نکاح میں دینا چاہی۔ حضرت صدرالدین عارف سے مشورۃً پوچھا۔ کہ

"بابا صدرالدین! اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے۔؟"

عارف باللہ نے جواب میں عرض کی کہ میں نے ایک دن مولانا عراقی کو سرائے کی چھت پر اس حالت میں کھڑا ہوا دیکھا کہ وہ کرتے کے دامن سے اپنے سینہ کو ہوا دے رہے تھے۔ جس شخص میں کہ حظِ نفس کا مادہ اس قدر موجود ہو۔ وہ دوسری دفعہ آنحضرت کی دامادی کا شرف حاصل کرنے کے لائق نہیں۔

حضرت نے متبسم ہو کر پوچھا۔ "تو پھر آپ کے نزدیک اس نسبت کے قابل کون شخص

[1] تاریخ جلیلہ از پیر غلام دستگیر نامی

ہو سکتا ہے؟"

آپ نے عرض کی برادرم حمید الدین حاکم جو کہ حسب نسب اور زہد و ورع میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ حضرت غوث العلمینؒ اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔

"بابا صدرالدین یہ کام تیرے سپرد ہے۔"

چنانچہ شیخ صدرالدین عارف نے اپنی ہمشیرہ محترمہ بی بی فاطمہؒ کی شادی خانہ آبادی سلطان حمید الدین حاکم سے کر دی۔ اس معصومہ سے سلطان حمید الدین حاکم کے سب سے بڑے صاحبزادے شیخ نور الدین پیدا ہوئے۔ جو خاندانِ علیلیہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ شیخ فرح بخش اذکار قلندری میں لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"سلطان التارکین کے ہاں صدفِ بحرِ عفت و عصمت یعنی بنت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریاؒ سے گوشِ ہوش معرفت کے لائق و سزاوار ایسا لولوئے شہوار وجود میں آیا۔ جو کوکب طالع افروز تھا۔ اور جس کی نور آگین جبین سے انوارِ فیض یزدانی صاف چمک رہے تھے۔ اور اس نیر برج سعادت کے چہرہ سے صبح اُمید مہر درخشاں کی طرح نظارہ کرنے والوں کے دیدہ میں پرتو انداز تھی۔ حضرت سلطان التارکین فرزند کا بشرہ مبارک مشاہدہ فرما کر محظوظ و مسرور ہوئے۔ اور اسے نور الدین کے نام سے موسوم فرما کر ارشاد کیا۔ کہ انشاء اللہ اس کی پشت سے اکثر مردانِ خدا پیدا ہوں گے۔

عطائے خرقہ فقر الغرض سلطان حمید الدین حاکم ہر دم وہر آن غوث العلمین کے مورد الطاف رہے۔ ایک دن گلیم پاک کہ چودہ خانوادوں کے خرقہ کے طور پر سفر حضر میں ساتھ رہتی تھی۔ شیخ حاکم کو مرحمت ہوئی۔ اور جبہ شریف حضرت نے اپنے بدن مبارک سے اُتار کر خود اپنے ہاتھوں سے پہنایا۔ اس وقت سید جلال بخاری (المتوفی ۶۹۰ھ) بھی موجود تھے۔ انہوں نے شیخ

کو حلق راس کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ

میں شیخ رکن الدین کا منتظر ہوں۔ جو حضرت غوث العلمین کے پڑتے ہوں گے۔

سلطان حاکم کی دوسری شادیاں | شیخ حمید الدین حاکم کے بارہ میں اکثر تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ غوث العلمین کے ہمراہ سید جلال تبریزی کے مقدمہ کی تقریب پر دہلی تشریف لے گئے تھے۔ اور وہاں انہوں نے سلطان التمش کی صاحبزادی بی بی عائشہ سے شادی کی تھی۔ لیکن کسی ثقہ شہادت سے اس دعویٰ کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ سلطان حاکم کی کلیات گلزار میں بی بی عائشہ نامی ایک خاتون کا مرثیہ ضرور درج ہے۔ مگر اسے قاضی وجیدالدین احمد کی دختر بتایا گیا ہے۔ شیخ شہر اللہ نے شیخ جمال اُچی کے حوالہ سے سلطان حاکم کی ایک اور شادی کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سندھ کا راجہ جام آپ کا معتقد ہو گیا تھا اس نے اپنی لڑکی بی بی تیرانی کی شادی آپ سے کر دی تھی۔ اور سات ہندو قوموں کے آدمی بطور غلام جہیز میں دیئے تھے۔

(۱) کنارہل کمہار (۲) لکھ میراثی (۳) ودھا حجام (۴) کنسا باورچی (۵) ہس جہاجن (۶) ٹوٹن ملاح (۷) گنگا بنیا۔

ان کے علاوہ پلہار یا پریار قوم کے کئی آدمی دربانی کے خدمات انجام دینے کیلئے ساتھ کر دیئے گئے تھے لیکن جونہی شیخ حاکم نے دریا عبور کیا۔ ان سب کو آزاد کر دیا۔ یہ لوگ آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ان سب قوموں کے جانشین ابتک مئو مبارک اور اس کے مضافات میں پائے جاتے ہیں۔

ہمیں تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال شیخ حاکم نے متعدد شادیاں کیں اور غالباً بی بی فاطمہ کے انتقال کے بعد۔

شیخ حاکم کا زہد و ورع | شیخ حاکم صحیح معنوں میں سلطان التارکین تھے۔ ان کی سیرت سے پتہ

چلتا ہے۔ کہ دولت اور حکومت کئی دفعہ لونڈی بن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ مگر انہوں نے اس طرف توجہ تک نہ کی۔ شیخ عثمان سیاح سے منقول ہے۔ کہ ایک دن سلطان حاکم شیخ فخر الدین عراقی اور سید جلال بخاریؒ ایک حجرہ میں مصروف عبادت تھے۔ کہ دنیا صاحب جمال عورت کی شکل میں میٹھی روغنی روٹیاں لے کر حاضر ہوئی۔ سلطان حاکمؒ نے اس کی طرف جوتا پھینکا اور منہ موڑ لیا۔ عراقی نے بھی توجہ نہ کی۔ لیکن سید جلال بخاریؒ نے بڑھ کر دو روٹیاں اُٹھا لیں۔ اور کہا اپنے لئے نہیں بلکہ اپنی اولاد کے لئے لی ہیں۔ اسی دن شیخ حاکم سلطان التارکین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

بہاول پور گزیٹر میں درج ہے کہ سلطان شمس الدین نے ملتان اور بکھر کا درمیانی علاقہ آپ کو بطور جاگیر کے دے دیا تھا۔ جب آپ ملتان سے چل کر اُچ میں پہنچے۔ رانی تالاؤ کے کنارہ پر آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ شراب پی کر بے ہوش پڑا ہے۔ آپ نے لوگوں سے اس کی بابت دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس نوجوان کا نام سید بدیع الدین ہے اسے ایک چاہ کی معافی کا پروانہ ملا ہے۔ اسی کے نشہ میں غرق پڑا ہے۔ آپ نے فرمایا افسوس یہ ایک چاہ کی معافی کا اثر ہے۔ اگر میں اتنی بڑی جاگیر قبول کر لوں۔ تو میری اولاد کا کیا حشر ہو گا۔ آپ نے وہیں کھڑے کھڑے جاگیر کا پروانہ چاک کر ڈالا۔

حضرت شیخ جمال اُچی لکھتے ہیں کہ سلطان التارکین اکثر فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گھر میں کئی دن مسلسل فاقہ پڑا۔ بی بی فاطمہؒ دختر شیخ الاسلام والمسلمین اور صاحبزادہ نور الدین سخت نڈھال ہو گئے۔ بی بی سے بچے کی تکلیف دیکھی نہ گئی۔ مجبور ہو کر سلطان التارکین سے اس کا تذکرہ کیا۔ شیخ نے مصلیٰ کا ایک سرا اُٹھا کر ایک انمول موتی نکال دیا۔ رات کو بی بی نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا عالیشان محل ہے جس کا ایک خوبصورت کنگرہ غائب ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ سلطان حاکمؒ اور ان کے اہل بیت کا گھر ہے۔ اور اس کا کنگرہ

اس موتی کی وجہ سے اُڑ گیا ہے۔ جو اس نے دنیا میں لے لیا ہے۔ بی بی نے خواب سے بیدار ہو کر وہ بے بہا موتی واپس کر دیا۔ کہ میں اپنے بہشتی محل کو بدزیب کرنا نہیں چاہتی۔

شیخ حسن افغانؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بی بی فاطمہؒ اپنے بھائی صدرالدین عارف کے گھر آئی ہوئی تھیں۔ رات کو عارف باللہؒ نے دیکھا کہ بستر خالی ہے اور بہن بوریئے پر سو رہی ہے۔

پوچھا بہن! بستر چھوڑ کر آپ نے بوریہ کیوں پسند کیا۔

عرض کی۔ مجھے ایسی ہی عادت ہے۔ کیونکہ آپ کے بہنوئی سلطان حاکم چار رکعت نماز میں تمام رات بسر کر دیتے ہیں۔ اور اس سے فارغ ہو کر اکثر مراقبے یا سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔ اور شاذ و نادر ہی لیٹتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے سر کے نیچے تکیہ رکھ لیا۔ تو فرمایا۔

"شیخ کبیر کی صاحبزادی ہو کر ایسی حلاوتِ نفس پسند کرتی ہو؟"

الغرض حضرت کی ساری زندگی اسی اختیاری فاقہ میں گذری۔ شیخ کے باقی واقعات حضرت شیخ رکن عالمؒ کے حالات میں بیان ہوں گے۔

شیخ شرف الدین سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ

نام شرف الدین، مصلح لقب اور سعدی تخلص تھا۔ شیخ کے والد ایک باخدا اور عابد انسان تھے انہوں نے سعدیؒ کو بھی شب بیداری کا عادی بنا دیا تھا۔ گلستاں میں شیخ نے ایام طفولیت کا نقشہ خود اپنے ہاتھوں سے کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"یاد دارم کہ در ایام طفولیت متعبد بودم و شب خیز و مولع بزہد و پرہیز شبے بخدمت پدر نشستہ بودم و ہمہ شب دیدہ برہم نہ بستہ و مصحف عزیز در کنار گرفتہ و طائفہ گرد ما خفتہ۔ پدر را گفتم از ینان کسے سرے بر ندارد کہ دوگانہ بگذارد۔ چناں در

خواب غفلت خفتہ کہ گوئی مردہ اند۔
گفت اے جان پدر اگر تو نیز بخفتی ازاں بہ کہ در پوستین خلق افتی۔"
شیخ کی تربیت ان کے والد کی نگرانی میں ہوئی۔ چنانچہ بوستاں میں لکھتے ہیں ؎

ندانی کہ سعدی مکاں ازچہ یافت نہ ہاموں نوشت و نہ دریا شگافت
بخوردی بخورد از بزرگان قفا خدا دادش اندر بزرگی صفا

افسوس ہے کہ والد کا سایہ دیر تک سر پہ قائم نہ رہا۔ مگر شیخ نے یتیم ہو جانے پر بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ ابتدائی تعلیم شیراز میں حاصل کی۔ پھر بغداد جا کر مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے۔ ان دنوں علامہ ابوالفرح عبدالرحمٰن بن جوزی اس درسگاہ کے پرنسپل تھے۔ یہ بزرگ حدیث اور تفسیر میں اپنے زمانہ کے امام تھے۔ چنانچہ شیخ نے انہی کی نگرانی میں علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ جس زمانے میں شیخ بغداد میں تعلیم پا رہے تھے اگرچہ اس وقت عباسیہ خلافت دم توڑ رہی تھی۔ لیکن اس کا ظاہری ٹھاٹ ہارون رشید کے عہد کی یاد کو تازہ کرتا تھا۔ اکناف عالم کے اکابر علماء اور مشائخ بغداد میں جمع تھے ارباب صنعت و حرفت کی بڑی قدر تھی۔ بلخ، بخارا، اور سمرقند سے ماہرین فن اور صناع یہاں آکر کمال فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ خلیفہ کے رعب و داب اور سطوت کا یہ عالم تھا۔ کہ بڑے بڑے سلاطین اس کے نام سے لرز اٹھتے تھے۔ شیخ نے عباسیہ شان و شوکت کے ان مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور پھر اسی آنکھوں سے مدینتہ السلام بغداد کی تباہی و بربادی بھی دیکھی۔ خلیفہ مستعصم ہزار نکما سہی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے دم قدم سے مسلمانوں کی ساکھ قائم تھی۔ وہ گیا مٹا عراق عرب سے مسلمان مٹ گیا۔ بقول اے

؎ ہمارے بعد بہت روئے ہم کو اہل وفا
کہ اپنے مٹنے سے ہر وفا کا نام مٹا

شیخ نے بغداد کی بربادی پر اس وقت آنسو بہائے جبکہ کوئی شخص اس پر رونے والا اور سوائے اسلام کے دنیا میں کوئی اس کا سوگوار نہیں رہا تھا۔ مرثیہ کا ایک ایک شعر فارسی ادب کی جان ہے۔ اور جب تک یہ زبان زندہ ہے۔ بغداد کی بربادی کا منظر بھی آنکھوں کے سامنے رہے گا۔ طوالت کے خوف سے اس مرثیہ کے ہم صرف دو اشعار یہاں درج کرتے ہیں جن سے شیخ کی قادرالکلامی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

اے محمدؐ! اگر قیامت مے برآری سر زخاک سر برآور دویں قیامت درمیان خلق بیں

سیر و سیاحت جب کتاب کے مطالعہ سے شیخ کا جی سیر ہو گیا۔ تو انہوں نے نسخہ کائنات کا مطالعہ شروع کیا۔ مدرسہ نظامیہ سے نکل کر سالہا سال تک ایشیا اور افریقہ کے شہروں کی سیاحت کرتے رہے۔ ایک جغرافیہ دان کا بیان ہے۔ کہ مشرقی سیاحوں میں ابن بطوطہ کے سوا شیخ سعدی سے بڑھ کر اور کوئی سیاح ہم نے نہیں سنا۔ شیخ نے ایشیائے کوچک حبش۔ بربر۔ مصر۔ شام۔ فلسطین۔ آرمینیا۔ ایران۔ توران۔ رود بار و دیلم۔ کاشغر اور بصرہ و بغداد سے ہندوستان تک سیر کی تھی۔ عرب اور افریقہ میں تو ان کا بار بار جانا اور وہاں قیام کرنا ثابت ہے۔ اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ شیخ نے چودہ حج پیادہ پا کئے ہیں۔ شیخ کے اپنے کلام سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیخ بالعموم بے سروسامان اور متوکل علی اللہ درویشوں کی طرح سفر کرتا رہا ہے۔ بعض مقامات پر اس بے سروسامانی کے سبب انہیں سخت تکلیفوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

شیخ کے مجاہدے شیخ سعدی حضرت غوث العلمینؒ کے پیر بھائی تھے۔ اس لئے ہزاروں میل ایک دوسرے سے دور رہنے کے باوجود دونو کا آپس میں گہرا رابطہ تھا۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سفر حضر میں شیخ نے کئی سال بسر کئے ہیں۔ ایک دفعہ دوران

سفر میں شیخ الشیوخؒ نے حضرت سعدیؒ کو دلسوزی و ہمدردی کے لہجہ میں نصیحتیں بھی کیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

مرا شیخ دانائے مرشد شہاب، دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش، دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

شیخ نے اپنی زندگی میں جو مجاہدے کئے ہیں۔ اگر انہیں لکھنے بیٹھیں۔ تو ایک مستقل کتاب بن جائے۔ سالہا سال تک مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بہشتی بن کر لوگوں کو پانی پلایا ہے کئی کئی ماہ اہل اللہ کی قبور پر اعتکاف کیا ہے۔ کئی کئی دن تک مسلسل روزے رکھے ہیں تحصیل عبرت اور حصولِ فیضان کے لئے ایشیا اور افریقہ کی بادیہ پیمائی کی۔ الغرض آپ کی زندگی گوناگون عجائبات کا مرقع ہے کہیں آپ فلاسفر کے بھیس میں تقریر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں شاہی لباس پہنے امرائے سلطنت کو امورِ جہانبانی کی تعلیم دیتے دکھائی دیتے ہیں کہیں علم و فضل کا لبادہ اوڑھ طالبانِ علم و ادب کی اشکال حل کرتے نظر آتے ہیں۔ مفتاح التواریخ کے بیان کے بموجب آپ نے روم اور ہند کے جہاد میں بھی حصہ لیا ہے بعض تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے۔ کہ حضرت غوث العلمینؒ کے وصال کے وقت آپ ملتان تشریف لائے۔ اور حضرت کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

حضرت غوث العلمینؒ کے خاندان میں گلستان کا ایک نسخہ صدیوں سے محفوظ چلا آتا تھا۔ جو چند سال گذرے شیخ نصیر الدین رئیس اعظم لاہور کے گھرانے میں منتقل ہو گیا۔ اس کی بابت مشہور تھا۔ کہ حضرت سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ نسخہ خاص طور پر حضرت صدر الدین عارف باللہ کو شاہ رکن عالمؒ کے لئے لکھ کر دیا تھا۔

آپ کی تصانیف میں گلستان اور بوستان کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ ارباب ادب نے آپ کو "پیغمبرِ سخن" تسلیم کیا ہے چنانچہ مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

در شعر سہ کس پیمبرانند قولے است کہ جملگی بر آنند
فردوسی و انوری و سعدی ہر چند کہ لا نبی بعدی

کلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں فرسودگی اور غرابت کا احساس تک نہیں ہوتا جس وقت پڑھیئے جس رنگ میں پڑھیئے۔ نیا لطف آتا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ولہ

بزرگے را پرسیدند از سیرت اخوان الصفا، گفت کمینہ[1] آنکہ مرادِ خاطر یاران را المصالح خود مقدم دارد کہ حکما گفتہ اند برادر کہ در بند خویش است نہ برادر است نہ خویش است

؎ ہمراہ اگر شتاب کند ہمراہِ تو نیست
دل در کسے مبند کہ دل بستۂ تو نیست

قطعہ

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

شعر

کرم بین و لطفِ خداوندگار گناہ بندہ کرد است او شرمسار

قطعہ

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز کاں سوختہ را جان شد و آواز نیامد
این مدعیاں در طلبش بیخبرانند کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

دیگر

گلے خوشبوے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم

---

[1] یعنی ادنیٰ درجہ

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

قطعہ

اے سبز زنانِ جوین خویش ننماید — معشوق نیست آنکہ بنزدیک تو زشت است
حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف — وز دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

حکایت

بزرگے دیدم اندر کوہسارے — قناعت کردہ از دنیا بغارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی — کہ بارے بند از دل برکشائی
بگفت آنجا پریرویان نغز اند — چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

سید جلال تبریزیؒ

پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ناصر الدین قباچہ کے زمانہ میں کئی دنوں تک سید جلال تبریزیؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہم اللہ علیہم حضرت غوث العلمینؒ کے مہمان رہے تھے چنگیزیوں کے حملہ کے بعد حضرت بختیار کاکیؒ تو دہلی چلے گئے۔ لیکن سید جلال تبریزیؒ غزنی کو چل دیئے۔ کچھ عرصہ بعد وہاں سے دہلی کا رخ کیا۔ سلطان شمس الدین ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سن چکا تھا۔ چنانچہ جب یہ دہلی کے قریب پہنچے۔ سلطان علماء اور مشایخ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے استقبال کو نکلا۔ گھوڑے سے اُتر کر زیارت کی اور انہیں آگے کر کے خود ادب سے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ شیخ نجم الدین ص

جوان ونوں شیخ الاسلام تھے۔ حضرت کی یہ توقیر دیکھ کر سخت آزردہ ہوئے۔ ان کے دل میں رقابت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ مگر اس کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ اس عرصہ میں سلطان نے شیخ الاسلام سے دریافت کیا۔ کہ حضرت کو کہاں اُتارنا چاہیئے۔ یہ دریافت کرنے سے سلطان کا مقصد تو یہ تھا۔ کہ کوئی ایسا محل تبائیں گے۔ جہاں مہمانِ عزیز کو زیادہ سکھ پہنچ سکے گا۔ لیکن شیخ نے عداوت سے ایسا مکان تجویز کیا۔ جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا۔ عرصہ سے بند پڑا تھا۔ اور کوئی اس میں رہنے کا حوصلہ نہ کرتا تھا۔

سلطان نے مہمانِ عزیز کو اس مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا۔ لیکن نجم الدین صغری نے کہا اگر سید جلال کامل درویش ہوں گے۔ تو مکان جنوں سے پاک ہو جائیگا۔ اور اگر ناقص ہوں گے۔ تو دھوکہ دہی کی سزا پائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علیحدگی میں ہوئی۔ لیکن سید جلالؒ نے کشف کے ذریعے معلوم کر کے از خود اس مکان کی کنجی منگوا بھیجی۔

جب کنجی آئی۔ اپنے خادم کو جس کا نام تراب تھا۔ فرمایا۔ کہ اس مکان میں بلند آواز سے پکار کر کہہ دے۔!

"اے جن قوم! سید جلال اس مکان میں آرہا ہے جلدی اس گھر سے نکل جاؤ۔!"

تراب نے شیخ کی ہدایت کے بموجب یہی پیغام جا کر پہنچایا۔ سب جن نکل گئے۔ اور مکان تمام بلیات سے پاک ہو گیا۔ سید جلال اطمینان سے اس مکان میں جا کر فروکش ہوئے دوسرے دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو ملنے کے لئے گھر سے روانہ ہوئے۔ خواجہ رحمہ اللہ کو نورِ باطن سے معلوم ہو گیا۔ کہ سید جلال ملنے کے لئے چلے آتے ہیں۔ فوراً اٹھ کر استقبال کو بڑھے۔ راستے میں دونو بزرگوں کا ملاپ ہوا۔ اور حضرت بختیارؒ اپنے محترم دوست کو پہلو میں لئے خانقاہ واپس آئے۔ یہاں مجلس سماع گرم تھی۔ سب درویش جمع تھے۔ اس شعر پر خواجہ صاحب کو بھی وجد آگیا۔

در مے کدۂ وحدت ہشیار نمے گنجد
در عالم نیرنگی جز یار نمے گنجد

جمعہ کا دن تھا۔ نماز تک دونوں بزرگ ہم صحبت رہے۔ اس کے بعد سید جلال اپنے مکان کو لوٹ آئے۔ سلطان نے سید جلال سے مرشد کا جو یہ رابطہ دیکھا۔ وہ ان کا اور معتقد ہو گیا۔ اس سے شیخ الاسلام کو زیادہ آزردگی پیدا ہوئی۔ اور وہ

شیخ نجم الدین صغریٰ کا دوسرا حملہ

آپ کو سلطان کی نظروں سے گرانے کی تجویز سوچنے لگا۔ سید جلال تبریزی بڑے عبادت گذار انسان تھے۔ اور فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا کرتے تھے۔ ساری رات معمولاً کٹتی تھی۔ نماز کے بعد چاشت کی نماز تک پلنگ پر آرام فرماتے تھے۔ ان ایام میں حضرت نے ڈیڑھ ہزار روپے میں ایک ترکی غلام خرید کر اپنی خدمت میں رکھا ہوا تھا۔ اس کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا۔ کہ حسینانِ جہاں اس پر جان دیتے تھے۔ ایک دن سید جلال صبح نماز ادا کر کے اپنے مکان کے صحن میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے۔ اور وہی غلام پاس بیٹھا پاؤں دبا رہا تھا۔ اتفاق سے اس روز شیخ نجم الدین صغریٰ بہت سویرے سلطان کے ہاں محلسرائے میں چلے آئے تھے۔ شاہی محل کی چھت پر صبح کی نماز ہوئی۔ چونکہ شیخ بادشاہ سے ذرا آگے کھڑے تھے۔ ان کی نظر سید جلال کے صحن میں جا پڑی۔ اسے خیال ہوا۔ کہ حضرت جلال نماز سے غافل ہو کر محو خواب ہیں۔ بادشاہ کو مرغول کے پاس لے جا کر کہا:

"دیکھئے! آپ ایسے آدمی کے معتقد ہوتے ہیں۔ یہ سونے کا کونسا وقت ہے اور اور ایک خوبصورت غلام بھی پاس بٹھا رکھا ہے"

شیخ کو نورِ باطن سے نجم الدین صغریٰ کی سازش کا پتہ چل گیا۔ چادر چہرہ سے ہٹا دی اور بلند آواز سے پکار کر کہا:۔

"اے نجم الدین! اگر تو پہلے دیکھتا۔ تو اس لڑکے کو میرے پاس نہ پاتا"

سلطان شرمندہ ہوا اور شیخ سے بولا "آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں" بجائے نادم ہونے کے شیخ اور جل بھن گیا۔ اس وقت تو یہ بات رفت گذشت ہوگئی۔ لیکن اندر ہی اندر شیخ، سید جلال کو بدنام کرنے کی تجویزیں سوچنے لگا۔

شیخ نجم الدین کا تیسرا حملہ دہلی میں گوہر نامی ایک خوبصورت رقاصہ رہتی تھی۔ جو عشوہ گری اور رقص و سرود میں یکتائے زمانہ تھی۔ اُسے پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ سید جلال تبریزی کو تہمت زنا سے مطعون کرے۔ اڑھائی سو اشرفیاں اسے پیشگی دیدی گئیں اور اڑھائی سو احمد مشرف نامی ایک بنیئے کے پاس امانت رکھوادی گئیں۔ کہ جب یہ عاملہ رقاصہ مذکورہ پایۂ ثبوت کو پہنچادے۔ اس وقت اسے دی جائیں۔

رقاصہ نے سلطان کی خدمت میں جا کر سید جلال تبریزی پر تہمت لگائی۔ بادشاہ یہ سن کر ششدر رہ گیا۔ اُسے یقین تھا۔ کہ حضرت سید جلال اس الزام سے بالکل بری ہیں فاحشہ عورت کی شہادت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ کیونکہ زنا ثابت کرنے کے لئے اعین الربع کی شہادت ضروری تھی۔ لیکن چونکہ مقدمہ سامنے آچکا تھا۔ اس لئے سلطان نے شرعی تحقیقات کی غرض سے محضر طلب کرنے کا حکم جاری کیا محضر میں شرکت کے لیئے اکابر علمار اور مشائخ کو خصوصی دعوت دی گئی۔

حضرت غوث العلمینؒ کی آمد جمعہ کا دن تھا۔ نماز کے بعد جامع مسجد علمار اور مشائخ سے پٹی پڑی تھی۔ مولانا جمالی کے بیان کے بموجب اس محضر میں صرف اڑھائی سو تو اولیائے کرام شریک تھے۔ حضرت غوث العلمینؒ بھی اپنے رفیقوں کے ہمراہ تشریف لا چکے تھے۔ اور سلطان کے پہلو میں تشریف رکھتے تھے۔ سلطان شمس الدین التمش نے شیخ نجم الدین صغریٰ سے فرمایا۔ کہ ان علمار و مشائخ میں سے جس کو آپ کی طبیعت چاہے ثالث مقرر کرلیجئے تاکہ عادلانہ فیصلہ ہوسکے۔ شیخ نجم الدین نے حضرت غوث العلمینؒ کا نام پیش کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی

کہ جب حضرت غوث اور سید جلالؒ شیخ الشیوخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے رخصت ہو کر ملتان کو روانہ ہوئے تھے۔ تو نیشاپور میں ان کے درمیان لطیف سی شکر رنجی ہو گئی تھی۔ شیخ نجم الدین کو اس واقع کا علم تھا۔ اور وہ ان دونوں بزرگوں کی کشیدگی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ نیز انہیں غوث العلمین کی خشک عابدانہ زندگی کا بھی پتہ تھا۔ کہ وہ شکوک اور شبہات کی دنیا سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ بہرحال وہ اس امر کو ضرور محسوس کریں گے۔ کہ سید جلال نے اپنے طرز عمل سے ایسا موقع کیوں بہم پہنچایا۔ جس پر مخالفین کو اس قسم کے الزامات تراشنے کی جرأت ہوئی۔ الغرض حضرت غوث العلمین ثالث تسلیم کر لیے گئے۔ اب شیخ نجم الدین نے رقاصہ کو پیش کیا۔ سید جلال الدین کو طلب کیا گیا۔ وہ جونہی مسجد میں داخل ہوئے تمام مشائخ ان کی بزرگی اور عظمت سے متاثر ہو کر استقبال کو بڑھے۔ حضرت غوث العلمین نے لپک کر ان کی جوتیاں سنبھال لیں۔ اور آستین مبارک میں لپیٹ کر اپنی جگہ واپس آبیٹھے۔ سلطان شمس الدین اس کارروائی کو چشم حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

صاحبو! جبکہ امام الاولیاء بہاؤالدین زکریاؒ جیسے جلیل القدر ثالث نے سید جلال الدین کی اس قدر توقیر کی ہے۔ ان کی بزرگی میں کلام کرنا دانشمندی سے بعید ہے۔ پس وہ الزام جو رقاصہ نے سید جلال پر لگایا ہے۔ باطل ہے۔

حضرت غوث العلمینؒ نے کھڑے ہو کر فرمایا:۔

"میرے لئے فخر کی بات ہے۔ کہ شیخ جلال تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں۔ کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر حضر میں رہے۔ لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال پیدا ہو۔ کہ بہاؤالدینؒ نے شیخ جلال تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے۔ تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت

جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے لیکن پھر بھی دلائل حقیقہ کا اظہار ضروری ہے۔ اسلئے مدعیہ رقاصہ کو پیش کیا جائے۔"

چنانچہ رقاصہ غوث العلمینؒ کے سامنے لائی گئی۔ حضرت نے گرج کر فرمایا:۔

"اے فاسقہ! اولی اللہ سے کوئی امر پوشیدہ نہیں ——— سچ سچ بیان کرو ورنہ اپنے کیے کی سزا پائے گی۔!!"

رقاصہ پر حضرت کی شخصیت کا رعب کچھ اس طرح سے اثر انداز ہوا کہ اس نے سارا حال من وعن بیان کر دیا۔ اور بولی۔

خدا شاہد ہے۔ کہ یہ سب دروغ اور افترا ہے اور حضرت جلال الدین آبِ حیات سے بھی پاکیزہ تر ہیں۔ شیخ نجم الدین صغرا نے مجھے پانچ سو اشرفیاں دینا کی تھیں۔ ان میں سے اڑھائی سو تو میں لے چکی ہوں۔ اور باقی اڑھائی سو احمد مشرف سبزی فروش کے پاس امانت پڑی ہیں کہ بہتان ثابت ہونے پر مجھے ادا کی جائیں۔"

سبزی فروش بلایا گیا۔ اس نے بھی رقاصہ کے بیان کی تائید کی۔ اور اڑھائی سو اشرفیاں لا کر حضرت کے روبرو رکھ دیں۔ شیخ نجم الدین صغریٰ کو یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ اس کے مکر و فریب کا بھانڈا اس طرح چوراہے میں پھوٹے گا۔ وہ شدتِ غم سے چکرا کر گر پڑا۔

سلطان شمس الدین نے برہم ہو کر حکم دیا۔ کہ شیخ نجم الدین کی گردن اڑا دی جائے۔ اور خواجہ قطب الدین بختیار کو شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز کیا جائے۔

غوث العلمینؒ نے فرمایا۔ کہ نجم الدین اپنے کیے کی خود سزا پائے گا۔ آپ اس سے درگذر فرمائیں۔

لہ خلاصۃ العارفین بخط مولانا ضیاء الدین ملتانی ۲ہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد شیخ نجم الدین (باقی صفحہ ۱۹۸ پر)

خواجہ قطب الدین نے شیخ الاسلامی کے بارہ میں ایک رات کی مہلت مانگی۔ اور فرمایا۔ اے یاران! میرا مشورہ یہ ہے۔ کہ آج رات استخارہ کیجئے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس کے نام حکم دیں۔ اُسے شیخ الاسلام کا منصب دیا جائے۔

رات کو تمام مشایخ نے استخارہ کیا۔ آدھی رات تھی کہ سب نے خواب میں دیکھا۔ کہ وہ عرش کے نیچے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں۔ ان سب کی موجودگی میں حضرتؐ نے غوث العلمینؒ کو بلا کر اپنے ہاتھوں سے ایک خلعت پہنائی۔ اور فرمایا شیخ الاسلامی مبارک۔

صبح کو تمام مشائخ پھر اکٹھے ہوئے۔ اور انہوں نے حضرت غوث العلمینؒ کو بارگاہ نبوت سے شیخ الاسلامی کی خلعت پانے پر تہنیت پیش کی سلطان خود بھی خواب میں یہ نظارہ دیکھ چکا تھا۔ اس نے حضرت سے درخواست کی۔ کہ وہ اس منصب کو قبول فرمالیں۔ حضرت نے مسکرا کر رضامندی کا اظہار[لہ] کر دیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت غوث العلمینؒ اور شیخ جلال الدین تبریزی نے ایک روز جمنا کے کنارے قیام فرمایا۔

(بقیہ صفحہ ۱۹۷) نے بعارضہ درد شکم انتقال کیا۔ اللہ والوں کا اخلاق ملاحظہ ہو کہ اس وقت سید جلال الدین بدایوں میں تھے جب انہیں اس امر کا کشف ہوا۔ تو انہوں نے مریدوں سمیت شیخ نجم الدین کا غائبانہ جنازہ پڑھا۔

لہ مولانا جمالی سیر العارفین میں لکھتے ہیں۔ کہ شیخ الاسلامی کا منصب غوث العلمینؒ کے زمانہ سے اب تک آپ کے خاندان میں چلا آتا ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

"واز آنگاہ تا الی یومنا شیخ الاسلامی در خاندان کرام ودودمانِ عظام ایشان است"۔

مولانا جمالی شہنشاہ ہمایوں کے مصاحب تھے اور ان کے زمانہ میں شیخ صدرالدین شہر اللہؒ صاحب سجادہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس خاندان کے آخری بزرگ تھے جنہیں ہندوستان کی شیخ الاسلامی کا منصب حاصل تھا۔ مولانا جمالی یہ بھی لکھتے ہیں کہ دہلی شہر میں شیخ صدرالدین شہر اللہ سے بڑا ارتباط اور میل جول تھا۔ ممکن ہے۔ شیخ کا یہ قیام شیخ الاسلامی سے متعلق ہو۔ لکھتے ہیں:-

"میانِ ایں حقیر و حضرت ایشان در شہر دہلی اتحادے ومحبتے کامل بود"۔ (سیر العارفین)

دوسرے دن غوث العلمینؒ ملتان کو روانہ ہوئے۔ اور سید جلال تبریزی دہلی سے بدایون تشریف لے گئے۔ اس کے بعد سید جلال تبریزی اور غوث العلمین قدس سرہم کی ملاقات نہیں ہوئی۔ سید جلال تبریزیؒ کا مزار دیوبندر (بنگالہ) میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

غوث العلمینؒ کے چند احباب

سید نورالدین مبارک غزنویؒ غوث العلمینؒ کے زمانہ میں ان کے جو پیر بھائی بغداد سے ہندوستان آئے۔ ان میں ایک سید نورالدین مبارک غزنوی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ ان کا دہلی میں بڑا اثر تھا۔ جس وقت امساک باراں کی شکایت ہوتی۔ لوگ ان سے دعا منگواتے۔ اسی وقت بارش برسنے لگتی تھی۔ سلطان شمس الدین ان کے بڑے معتقد تھے۔ ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔ مزار دہلی میں ہے۔

قاضی حمیدالدین ناگوریؒ یہ بھی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بغداد میں آئے۔ تو ان سے گہرے روابط و مراسم قائم ہو گئے جو زندگی کے آخری دور تک استوار رہے۔ بغداد سے مدینہ منورہ آئے۔ ایک برس دو ماہ سات دن یہاں مقیم رہے۔ پھر بزمانہ سلطان التمش دہلی پہنچے۔ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہاں قیام کیا۔ رمضان ۶۴۱ھ میں تراویح کے بعد وتر پڑھ رہے تھے۔ جب سجدہ میں گئے روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔[1]

مولانا جمالی نے قاضی صاحب کو علم و وقار کا کوہ قاف، بحر اسرار کا لجہ، سالکین کا پیشوا اور ثانی ابوسفیان ثوری کہا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب محدث اخبارالاخیار میں لکھتے ہیں۔

---

[1] سیرالعارفین جلد ۲ صفحہ ۲۱

"او جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت"۔
سفینۃ الاولیاء کے صفحہ ۱۶۰ پر آپ کو یہ ریمارکس دیئے گئے ہیں۔
"در تجرید و تفرید یگانہ عصر و از متقدمانِ مشایخ ہند و جامع میان علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات عالیہ بود"۔
طالع شموس، لوائح اور راحت الارواح آپ کی ممتاز تصانیف ہیں۔

شیخ ضیاء الدین رومی قدس سرہ یہ بزرگ بھی حضرت شیخ الشیوخ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سلطان علاؤالدین خلجی ان کا مرید تھا۔ اور بڑا اعتقاد رکھتا تھا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا سلطان قطب الدین مبارک شاہ ان کا مرید ہوا۔ صاحب تذکرہ چشتیہ نے آپ کا سال وفات ۷۲۱ھ لکھا ہے۔ حضرت کی عمر ۱۳۵ سال بیان کی جاتی ہے۔ گویا شیخ الشیوخ کے بعد ۹۱ سال زندہ رہے۔

محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء سے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو سخت پرخاش تھی۔ حضرت نے شیخ ضیاء الدین رومی کو کہلا بھیجا۔ کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں کہ درویشوں کو آزار پہنچانا کسی مذہب میں جائز نہیں۔ مگر اس پیغام کے پہنچنے سے پہلے شیخ کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی خانقاہ میں بادشاہ اور اس کے تمام اکابر امراء فاتحہ خوانی کے لئے جمع ہوئے۔ محبوب الٰہی نے بھی اس مجلس میں شرکت فرمائی۔ مقبرہ حضرت کا دہلی میں ہے۔ مدتوں حضرت کا عرس ہوتا رہا۔ آج کی کیفیت معلوم نہیں۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

سیر و سیاحت

صوفیائے کرام کی سیر و سیاحت بے مقصد نہیں ہوتی تھی۔ ابتدا میں وہ حقائق و معارف کی تلاش اور فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتے تھے۔ لیکن جب وہ علم و عرفان کی نعمت سے مالا مال ہو جاتے تھے۔ تو پھر ان کی سیاحت کا مقصد خلق خدا کو اسی دولت سے بہرہ مند کرنا ہوتا تھا۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمتہ[1] اور مولانا محدث دہلوی[2] بھی اسی نظریے کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت غوث العلمینؒ تنہا سفر پر بہت کم روانہ ہوئے ہیں۔ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے ساتھ زیادہ وقت کٹا ہے۔ یا پھر چار یاروں نے مل کر کشمیر سے ساحل سمندر تک دورے کئے ہیں۔ ہم مخدوم لعل شہبازؒ کے حالات میں تحفتہ الکرام کے حوالے سے ثابت کر چکے ہیں کہ چار یار سے حضرت غوث اور ان کے رفقاء بابا فریدؒ، لعل شہباز اور سید جلال بخاری مراد ہیں۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔ "پنج پیرؒ" کی اصطلاح زیادہ تر پنجابی داستان گوؤں نے اپنے قصہ میں اپنائی ہے۔ ممکن ہے سندھی شاعری میں بھی ان کا ذکر موجود ہو۔ معلوم ہوتا ہے۔ سلطان حمید الدین حاکمؒ کے آملنے سے یہی چاروں دوست پنج پیر کہلانے لگے ہوں گے۔ ان کا گرمائی سفر کشمیر اور صوبہ سرحد کی طرف ہوتا تھا۔ کبھی کبھی بلخ اور بخارا کی طرف بھی چلے جاتے تھے موسم بہار کوہ سلیمان کے دامن میں اور ساون بھادوں سندھ کی غاروں میں بسر کرتے تھے۔ سہوان کے قریب چشمہ واہی کراچی کے پاس سمندر کے کنارے منگھا پیر اور سکھر

[1] لطائف اشرفی
[2] مولانا عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخیار

کے مضافات میں وہ نشست گاہیں اب تک منہ کھولے حضرت غوث العلمینؒ اور ان کے یارانِ بے ریا کی راہ تک رہی ہیں۔

"سفر اب بھی سفر خیال کیا جاتا ہے لیکن آج سے سات سو برس پیشتر جبکہ آمد و رفت کے ذرائع عصرِ حاضر کی طرح سہل نہ تھے۔ دریاؤں اور ندی نالوں پر پلوں کا انتظام نہ تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا چنگیز خاں اور ہلاکو نے ایران اور عراق عرب کے مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیا تھا۔ بغداد کے لاکھوں باشندے اس طرح تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے کہ کوئی اُن پر آنسو بہانے والا نہیں تھا خلیفہ المستعصم کو ہاتھی سے کچل دیا گیا۔ اس کی نازک اندام بہو بیٹیوں کو برسرِعام بے عزت کیا گیا۔ تاج البلاد بغداد جس کے گلی کوچوں سے آٹھوں پہر مشک اور عنبر کی لپٹیں اُٹھا کرتی تھیں۔ انسانی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ کئی دنوں تک چیل گدھ اور کتے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ان لاشوں کو کھاتے رہے۔ اور آخر کو تعفن اس قدر بڑھا کہ کتے بھی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یہ اسلامی عظمت و جلال کے مرکز کی حالت تھی۔ مضافات کی صورتِ حال تو اس سے بھی بدتر تھی۔ آلِ چنگیز کو جہاں کہیں سے مسلمانوں کی بو پہنچی یہ خونخوار بھیڑیوں کی طرح چڑھ دوڑے۔ اس تاخت سے نہ خوارزم بچا نہ ایران، نہ عراق بچا نہ ہندوستان ہر طرف انہوں نے کئی حملے کیے۔ اور ہر حملے میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا کر لوٹے۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ فوج کے ایک دستہ کو جلو میں لیے ملک ملک کی خاک چھانتا پھرتا تھا۔ سندھ کا سرکش تاجدار ناصرالدین قباچہ سلطان شمس الدین التمش سے ٹکرانے کے لئے پر تول رہا تھا۔ ہر جگہ پکڑ دھکڑ کا بازار گرم تھا۔ ہر شخص پر جاسوسی کا شبہ ہو سکتا تھا۔ ایسے حالات میں جبکہ روڑے کنکر کو امان تک نہ تھی۔ سیر و سیاحت کا خیال کس کو آسکتا تھا۔ لیکن غوث العلمینؒ اور ان کے یارانِ طریقت نے ایسے دور میں کشمیر سے سراندیپ اور دہلی سے بلخ بخارا تک کے سفر کئے۔ اور ہزاروں

گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کو صراط المستقیم پہ چلایا۔ اس سے ہم یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہ اولیاء اللہ خدا کے حکم کے تابع تھے۔ ان کا چلنا پھرنا اور اُٹھنا بیٹھنا سب رضائے الٰہی کیلئے تھا۔ اب ہم ناظرین کرام کے سامنے حضرت کی سیاحت کے چند مناظر پیش کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام بغداد میں | شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ یہ دعا گو اور شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ مشائخ بغداد کے حلقہ میں بیٹھے تھے۔ اولیاء اللہ کی کرامت کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک صاحب بول اُٹھے کہ اولیاء اللہ میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ جب چاہیں کسی مکان کو مرصع اور مذہب بنا دیں اگر اس مجلس میں کوئی صاحب کمال موجود ہے۔ تو اس مسجد پر توجہ کرے۔

شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ نے مراقبہ میں سر جھکایا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا یاران! ذرا مسجد پر نظر کیجئے۔

لوگوں نے بیک وقت نظر اُٹھا کر مسجد کو دیکھا۔ اس کی تمام اینٹیں اور لکڑیاں سونے کی نظر آ رہی تھیں۔ اور تمام مسجد مرصع و مذہب بن چکی تھی۔

تمام جماعت کھڑی ہو گئی۔ اور انہوں نے اقرار کیا۔ کہ بیشک مردانِ خدا میں ایسی ہی کمالیت ہوتی ہے

ایک باکمال قلندر | شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ غوث العلمینؒ نے اثنائے سفر میں ایک مسجد میں قیام کیا۔ پاس ہی دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت اُتری ہوئی تھی۔ انہوں نے سید جمال مجرد ساؤجی[1] کا بانا پہن رکھا تھا۔ رات کو جب حضرت مراقبہ سے

---

[1] شیخ نصیرالدینؒ خیرالمجالس میں لکھتے ہیں کہ سید جمال الدین ساوجیؒ مصر کے مفتی تھے اور اتنے بڑے علامہ تھے کہ جس مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آتی۔ آپ بغیر کتاب دیکھے حل کر دیتے تھے۔ اس لئے اہل مصر انہیں کتب خانۂ رواں کہتے تھے۔ آپ کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا۔ کہ یوسف ثانی کہلاتے تھے۔ سوء اتفاق سے مصر کی ایک امیر زادی ان پر عاشق ہو گئی۔ آپ نے اس سے ہر چند پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی آخر تنگ آ کر ایک دن آدھی رات کو مصر سے بھاگ نکلے۔ یہاں سے سات آٹھ منزلوں کے (باقی بر صفحہ ۲۰۵)

فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلے۔ اور قلندروں پر نظر کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک قلندر کی پیشانی سے نور چمک رہا ہے۔ حضرت کو تعجب ہوا کہ اس لباس اور صورت کو تجلیات نور سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ اس قلندر کے پاس تشریف لے جا کر آہستگی سے پوچھا کہ:-

"اے مرد خدا! تو اس گروہ میں کیا کرتا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ اے زکریاؒ! تاکہ تجھے معلوم ہو۔ کہ ہر قوم میں خدا کا ایک خاص بندہ ہوتا ہے جس کے طفیل اس قوم کے عوام بخش دیئے جاتے ہیں۔

حضرت غوث العلمینؒ نے جوہر لطیف پا کر اس کی اصلاح کا ارادہ فرما لیا۔ یہ قلندر موصل کے بہت بڑے عالم اور مجذوب تھے۔ سید عبدالقدوس نام تھا۔ اور سید جمال مجرد کی قبر پر انہوں نے قلندری بانا پہن لیا تھا۔ حضرت غوثؒ نے قوت باطنی سے اُسے لباس قلندری سے نکال کر عالم جذبہ سے عالم سلوک کی طرف پہنچا دیا۔ جب عبدالقدوس نے دل کی کائنات میں یہ تبدیلی محسوس کی۔ تو انہوں نے فوراً قلندرانہ لباس اتار پھینکا۔ اور حضرت کے قدموں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴)

فاصلے پر دمیاط کا مقام پڑتا تھا۔ جو یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے ویران چلا آتا تھا۔ وہاں پہنچ کر ایک گورستان میں قیام کیا۔ مصری خاتون کو ان کے فرار کا پتہ چلا۔ تو وہ بھی بیتاب ہو کر تعاقب میں روانہ ہوئی۔ سید جمال یہ خبر سن کر بڑے گھبرائے۔ بارگاہ الٰہی میں اپنے زوال حسن کی استدعا کی۔ دعا قبول ہوئی۔ فوراً ریش و بروت اور ابرو کا صفایا ہو گیا۔ مصری خاتون نے جب یہ کیفیت دیکھی۔ تو روگرداں ہو کر واپس لوٹ گئی۔ سید جمال پر اس تبدیلی کے وقت پہلے تو کئی دن بیہوشی طاری رہی۔ لیکن پھر کچھ ہوش میں حیرت زدوں کی طرح بیٹھ گئے۔ اور نماز روزہ وغیرہ سب کچھ چھوٹ گیا۔ اڑتی اڑتی یہ خبر مصر جا پہنچی۔ ملک العلماء سخت برہم ہوئے اور علماء کی ایک جماعت ساتھ کر کے دمیاط پہنچے۔ ان پر الحاد اور رفض کا الزام لگا کر قلعی گرم کر کے ان کے حلق میں ڈلوائی۔ لیکن جب انہیں کچھ ضرر نہ پہنچا۔ تو سب معتقد ہو گئے۔ سید جمالؒ کی باقی زندگی اسی مقام میں بسر ہوئی۔ ان کے انتقال پر جو بھی حضرت کا جانشین مقرر ہوا اس نے ریش و بروت کا صفایا کر کے قلندرانہ لباس پہن لیا۔ آہستہ آہستہ ان کے دوسرے معتقدوں نے بھی یہ ہیئت کذائی اختیار کر لی چنانچہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ (فریدی)

گر گئے۔ آپ نے انہیں خرقہ خاص سے مشرف کیا۔ اور کئی دن اپنی صحبت میں رکھ کر درجہ کمال کو پہنچا دیا۔ ہزاروں فاسق و بدکار آپ کے فیضان سے سبیل الرشاد پر فائز المرام ہوئے مقبرہ آپ کا قصبہ نا این میں ہے جو یزد اور موصل کے درمیان واقع ہے رحمتہ اللہ علیہ)

عذاب قبر سے نجات شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے بڑی سیاحت فرمائی تھی۔ اس فقیر نے تیرہ سو اسی ۱۳۸۰ مشایخ کبار کی زیارت کی ہے لیکن شیخ الاسلام ملتانی نے مجھ سے بھی زیادہ مشایخ دیکھے تھے۔ ایک مرتبہ ان کا گزر ایسے شہر میں ہوا۔ جہاں ایک بڑی غار تھی جب کوئی شخص فوت ہوتا۔ تو اس کی لاش کو اس غار میں چھوڑ آتے تھے۔ اور ساتھ ہی ایک زندہ آدمی وہاں بٹھا آتے۔ تاکہ دیکھ سکے کہ مردے پر کیا گذرتی ہے۔ ایک دن ایک شخص فوت ہو گیا جب اس کی لاش کو غار کے دہانے پر لے گئے۔ تو شیخ الاسلام بہاؤالدین ملتانیؒ نے درخواست کی کہ آج مجھے یہاں چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ وہ حضرت کو مردے کے ہمراہ غار میں بند کر کے چلے آئے۔

جب کچھ رات گذری۔ تو عذاب کے فرشتے مُردے کو عذاب دینے کے لئے آپہنچے لاش حرکت میں آئی۔ اور مردہ اُٹھ کر حضرت کے قدموں میں آپڑا۔ اسی وقت ایک غیبی آواز آئی۔ کہ "اُسے چھوڑ دو۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس شخص کو عذاب کریں۔ جو شیخ الاسلام بہاؤالحق والدین ابو محمد زکریاؒ کی حمایت میں آچکا ہو" فرشتے اُسی وقت واپس لوٹ گئے۔ فرماتے ہیں۔ کہ غار کے آس پاس رہنے والوں نے بھی سنی۔ شہر بھر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ لوگ حضرت کی زیارت کو دوڑے۔ مگر شیخ الاسلام غار سے نکل کر کسی نا معلوم سمت کو چل دیئے۔

شیخ الاسلام بخارا میں ایک روز شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ علمار بخارا سے گفتگو میں مصروف تھے۔ ولایت کے بارہ میں بحث ہو رہی تھی۔ معاملہ خاصہ طویل ہو گیا۔ انجام کار فیصلہ یہ ہوا۔ کہ ولی وہ ہے جو خود بھی یہاں خانہ کعبہ کا مشاہدہ کرے اور دوسروں کو بھی اس کی زیارت کرائے۔

وقت شیخ الاسلام مراقبہ میں چلے گئے۔کچھ دیر بعد سر اُٹھا کر فرمایا۔یاران ذرا آنکھیں بند کرو۔سب نے آنکھیں بند کر لیں۔پھر فرمایا۔اب آنکھیں کھول لیجئے۔حاضرین نے جونہی آنکھیں کھولیں۔کعبہ کو سامنے پایا۔

محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ جن دنوں حضرت شیخ الاسلام بخارا میں مقیم تھے۔وہاں اس قدر قحط پڑا کہ آدمی آدمی کو کھانے لگ گیا۔شہر کے علماء و مشائخ اکٹھے ہوئے۔اور انہوں نے طے کیا۔کہ سب مل کر شیخ الاسلام سے دُعا کے لئے درخواست کریں چنانچہ تمام آبادی حضرت غوث العلمینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔۔۔اور عرض کی۔کہ خدا سے بارش کے لئے دُعا کیجئے۔

شیخ الاسلام منبر پر چڑھ گئے۔اور سر سے کلاہ مبارک اُتار کر آسمان کی جانب نگاہ کی۔اور عرض کی۔

"الٰہی بار الٰہا! اگر شیخ الشیوخ نے یہ کلاہ شریف صدق اور اخلاص سے میرے سر پہ رکھی ہے اور میں نے بھی دین و دنیا کی سعادت سمجھ کر اسے اخلاص سے قبول کیا ہے تو اس کی برکت سے بارش برسا دے"۔

ابھی یہ جملہ ختم بھی نہ ہوا تھا۔کہ آسمان پر گرج سنائی دی۔اور اس قدر بارش ہوئی کہ سات روز تک شہر میں پانی کھڑا رہا۔[1]

جذامیوں کے لئے دُعا حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ جب شیخ الاسلام سمرقند میں پہنچے۔وہاں جذامیوں کا ایک گروہ غار میں آباد تھا۔اتفاق سے ایک روز آپ وہاں جا نکلے انہوں نے جب ایک نورانی چہرہ کو اپنے سامنے پایا۔تو وہ سب بے تحاشا حضور کے گرد جمع ہو گئے آپ نے فرمایا۔"تم لوگ کیا چاہتے ہو۔؟"

---

[1] خلاصتہ العارفین و انوار غوثیہ ۲ خ ع

عرض کی حضرت کی دعا چاہتے ہیں تا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے یہ مرض دور کر دے حضرت غوث العلمینؒ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ ندا آئی۔

"اے بہاؤالدین! یہ گروہ زیر عتاب ہے۔ ان کا معاملہ پیش نہ کر" حضرت کی ذات میں کرم اور رحم کا مادہ زیادہ تھا۔ مولا کی جناب میں دوبارہ گڑگڑا کر عرض کی۔ کہ اے ارحم الراحمین اگر تیری ذات ان پر رحم نہیں کرے گی۔ تو یہ اور کس دروازے پر جائیں گے۔ رحمت الٰہی جوش میں آئی اور حضور کی درخواست منظور ہو گئی۔ وہاں ایک حوض پانی سے بھرا ہوا موجود تھا۔ آپ نے جذامیوں کو اس میں غسل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ طرفۃ العین میں سب کے سب شفایاب ہو گئے

سراندیپ کا سفر شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا سراندیپ کی طرف تشریف لے گئے۔ سال بھر ایک پہاڑ پر قیام رہا۔ ایک دن ایک بوڑھا آدمی لکڑیوں کا پشتارہ اٹھائے پاس سے گذرا۔ یہ ایک غریب الحال اور عیالدار شخص تھا۔ گھر میں جوان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ اس قدر رقم پاس نہ تھی۔ کہ رخصتی کے فرائض سے سبکدوش ہو سکتا۔ اس پر شیخ کی نظر جا پڑی۔ پاس بلا کر لکڑیوں کے پشتارے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ لکڑیاں سونا بن گئیں۔ فرمایا۔

"مجھے تمہاری خاطر یہاں بٹھایا گیا تھا۔ تا کہ تمہارا کام انجام دوں"۔

یہ کہہ کر حضور وہاں سے چل پڑے[۱]۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند حضرت غوث العلمینؒ اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام تھے۔ اس منصب کے سلسلے میں حضرت نے کئی بار دہلی کا سفر کیا ہو گا۔ مگر کسی تذکرہ میں دہلی کی مصروفیات کا مفصل حال درج نہیں چند ایک واقعات جو مل سکے ہیں۔ ہدیہ ناظرین کرام ہیں۔ شیخ فریدالدین گنج شکر فرماتے ہیں۔ کہ سلطان شمس الدین التمش کے دربار میں ایک مرتبہ چند علما اور

---

[۱] خلاصۃ العارفین

مشائخ جمع تھے۔ انہوں نے متفقہ طور پر شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ سے سوال کیا کہ آدمیوں کی نظر کیمیا کیسے ہو سکتی ہے۔

شیخ الاسلام نے اپنے تھیلے سے سونے کا ٹکڑہ نکال کر میرے حوالے کیا۔ اور فرمایا بازار سے ایک مجہول مطلق کافر غلام خرید لے آیئے۔ چنانچہ میں بازار گیا۔ اور مجھے جو شکل و صورت میں مکروہ اور عقل کا غبی نظر آیا۔ خرید کر آپ کی خدمت میں لے آیا۔

حضرت شیخ الاسلام نے اُسے اپنے سامنے بٹھا کر کلمہ توحید پیش کیا۔ غلام نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

شیخ نے اس کی پشت پر تھپکی لگائی اور فرمایا کہ

"حضرات علماء تجھ سے جس علم کی بابت سوال کریں۔ جواب دے۔ اور تو بھی ان پر سوال کر۔ کہ تجھے میں نے اپنی طرف سے مناظر مقرر کیا ہے۔!"

کتھ غلام سیدھا ہو بیٹھا۔ علماء نے اس پر سوالات کرنے شروع کئے۔ کتھ ہر سوال کا شافی جواب دینے لگا۔ یہاں تک کہ علماء اور مشائخ از خود چپ ہو گئے۔ اس کے بعد اس غلام نے علماء پر ایک سوال کیا۔ وہ جواب نہ دے سکے۔ انجام کار انہوں نے اس کتھ سے کہا کہ آپ ہی اس سوال کا جواب ارشاد کریں۔ کتھ نے بحیثیت اُستاد کے ان سب کو اس کا جواب ذہن نشین کرایا۔

شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا نے فرمایا۔ کہ آدمیوں کی نظر اس طرح کیمیا کا اثر دکھاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ غلام اس طرح کئی سالوں تک دہلی میں درس دیتا رہا۔ بڑے بڑے علماء اس کے آگے آکر گھٹنے ٹیکتے تھے۔ کسی کو اس کے سوالوں کے جواب کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔

شیخ الاسلام اور قطب الدین بختیار کاکی محفل سماع میں محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔ کہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ اسی وقت مجلس سماع ترتیب دی گئی۔ دونو بزرگوار وجد میں آئے۔ کہتے ہیں کہ آٹھ پہر تک رقص میں مصروف رہے۔ کسی کو اپنے تن بدن کا ہوش تک نہ تھا۔ یہی ایک مصرعہ ورد زبان تھا ع

حاجی بسوئے کعبہ رود من بسوئے دوست

حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں۔ کہ یہ ان اولیاء اللہ کی آخری ملاقات تھی۔ پھر ایک دوسرے سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

تیری نماز بے حضور محبوب الٰہی دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام نے سفر کے دوران میں ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی اور سلام کے بعد امام کو ایک گوشے میں لے جا کر فرمایا امام صاحب یہ کیسی نماز ہے۔ کہ کچھ عرصہ آپ ہرن کے پیچھے بھاگتے رہے۔ کچھ دیر آپ نے کھیتوں کی دیکھ بھال کی۔ کچھ عرصہ آپ مہمان کے پاس رہے۔ کچھ وقت گھر میں گذارا۔ یہ موحدوں[1] کی نماز نہیں۔ بلکہ بچوں کا کھیل ہے۔ اس کے بعد حضرت نے یہ اشعار پڑھے ؎

تن درونِ نماز و دل بیروں — کشتہا مے کنی ز نادانی
ایں چنیں حالت پریشاں را — شرم ناید نماز مے خوانی

غوث العلمین ؒ کے قول پر شیخ حمید الدین کا طنز یہ بھی[2] دہلی ہی کا ذکر ہے۔ کہ ایک دفعہ جبکہ غوث العلمین فقراء کے جمگھٹ میں بیٹھے تھے۔ شیخ حمید الدین نے سوال کیا۔

حضرت! کیا وجہ ہے کہ جہاں خزانہ ہوتا ہے وہاں سانپ بھی ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے۔ "گنج با مار باشد و گل با خار" حالانکہ سانپ اور دولت میں نہ صوری نسبت ہے نہ معنوی۔

---

[1] اہل طریقت کے نزدیک جب تک توجہ کامل نہ ہو۔ نماز نہیں ہوتی۔ لا صلوٰۃ الا بحضور القلب شاید علامہ محمد اقبال ؒ نے اسی خیال کے پیش نظر فرمایا ہے ؎

تیرا امام بے حضور۔ تیری نماز بے سرور — ایسی نماز سے گذر۔ ایسے امام سے گذر

[2] خزینۃ الاصفیاء

فرمایا:-
بے شک سانپ اور مال میں صوری نسبت نہیں ہے۔ لیکن معنوی نسبت ضرور ہے۔
کیونکہ سانپ زہر کے باعث مہلک ہے اور مال بھی آدمیوں کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔
شیخ حمیدالدین نے اُچھل کر فرمایا۔
"یعنی مال بھی سانپ کا حکم رکھتا ہے اور جس شخص نے مال و دولت جمع کر رکھی ہے
گویا اس نے سانپ پال رکھا ہے۔!"
شیخ حمیدالدین کا یہ طنز حضرت غوث العلمین پر تھا۔ کیونکہ آپ اسلامی دنیا کے بہت بڑے امیر بھی تھے۔ وہ درویش جو خشک زندگی بسر کرنے کے عادی تھے حضرت کے تمول کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ سمجھ رہے تھے کہ اس گفتگو سے متکلم کا منشا کیا ہے۔ اسلیئے فرمایا۔
"مال اگرچہ مار است۔ اما کسے کہ افسونِ مار دانستہ باشد۔ مار او را زیاں نمے کند"
یعنی جس شخص کو سانپ کا افسوں آتا ہو۔ اُسے اس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔
شیخ حمیدالدین نے برجستہ جواب دیا۔
"آخر ایسے پلید اور زہر دار کیڑے کے پالنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ آدمی جھاڑ پھونک کا محتاج ہوتا پھرے"
چونکہ حضرت غوث کے مرشدِ طریقت بھی اپنے عہد کے امیر کبیر تھے۔ اس لئے یہ جملہ ان کی ذات پر بھی اثر انداز ہوتا تھا۔ بنا بریں حضرت غوثؒ نے فوراً مراقبہ کیا۔ حضرت شیخ الشیوخ کی روح پر فتوح نے فرمایا:-
"اے بہاؤالدین! حمیدالدین سے کہہ دیجئے۔ کہ آپ کی درویشی اس قدر حسن و جمال نہیں رکھتی۔ کہ اُسے نظر بد کا احتمال ہو لیکن ہماری درویشی کو وہ جمال و کمال حاصل ہے کہ اگر اسکے چہرے پر سیاہی کا ٹیکہ نہ لگائیں تو نظر لگ جانا لازمی ہے۔

حضرت غوث العلمین اجودھن کئی بار آئے گئے ہونگے | کسے جمال خویش بدیگرے نمے دہد

اور خدا معلوم بابا صاحب اور حضرت غوث العلمین کے درمیان کتنی پر لطف صحبتیں ہوئی ہوں گی۔ لیکن چونکہ قران السعدین کی حالت میں دوسروں کو شریک محفل ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اس لئے سیرت کی کتابیں ان صحبتوں کی تفصیلات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ صاحب خزینۃ الاصفیا نے مولانا جمال الدین ہانسوی کے ایثار کا دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے ہم اُسے علی حالہ یہاں درج کرتے ہیں۔

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں۔ کہ شیخ جمال الدین ہانسوی بابا صاحب کے خلیفہ اعظم تھے۔ اور حضرت انہیں تمام خلفاء سے زیادہ عزیز جانتے تھے۔ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ جب اجودھن تشریف لے جاتے۔ شیخ جمال ہانسوی ہی آپ کے آرام و آسائش کا انتظام کرتے۔ شیخ الاسلام کو مولانا جمال کی ارادتمندانہ خدمت گذاری اور شرافت نفسی بڑی پسند تھی۔ ایک دفعہ بابا صاحب سے فرمایا۔

"فرید بھائی! جمال ہانسوی مجھے دے دیجئے۔ اسے میں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں"۔ حضرت شکر گنج نے فرمایا۔

جمال الدین جمال ماست و کسے جمال خویش بدیگرے نمی دہد۔

جب شیخ الاسلام بابا صاحب کی طرف سے ناامید ہوئے۔ تو آپ نے جمال الدین پر جذب باطن کی کمند ڈالی جس پر وہ بے اختیار آپ کی طرف کھچے چلے آتے۔ حضرت بابا صاحب سے شیخ الاسلام زکریاؒ کے ساتھ ملتان جانے کی اجازت چاہی۔ ایک دو مرتبہ تو حضرت نے ٹال دیا۔ لیکن جب اس نے مکرر سہ کرر اصرار کیا۔ تو جبین اقدس پر شکن آ گئی۔ برہم ہو کر فرمایا۔ "جا منہ کالا کر"۔ فی الفور تمام نعمت سلب ہو گئی۔ اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ بابا صاحب نے اسے خانقاہ سے نکال دیا۔ اور فرمایا۔ کہ اگر کسی نے

اس کی سفارش کی۔ تو اس کا بھی یہی حشر ہو گا۔

غوث العلمینؒ تو کبھی کے ملتان جا چکے تھے۔ بچارا جمال روسیاہی اور تباہ دلی کے ساتھ خانقاہ سے نکلا۔ اس حالت میں کہ تن بدن کا اُسے ہوش تک نہ تھا۔ مجنوں وار ننگے سر اور ننگے پاؤں بیابان میں پھرتا تھا۔ ایک سال اسی لیل و نہار میں گذر گیا۔ حضرت غوث العلمینؒ کو کشف کے ذریعے اس صورتِ حال کا علم ہوا۔ تو آپ کو جمال پر بڑا ترس آیا۔ کہ ناحق میری وجہ سے اُسے یہ دن دیکھنا پڑا۔ عالم نام ایک سوداگر اجودھن کو جا رہا تھا۔ آپ نے اُسے بلا کر فرمایا۔ کہ صحرا میں تجھے ایک خراب حال درویش ملے گا۔ جب اجودھن میں برادرم فریدالدین کے ہاں پہنچو۔ تو اس کا ذکر ضرور کرنا۔ چنانچہ عالم اجودھن کو روانہ ہوا۔ راستے میں ایک بے آب و گیاہ صحرا کے اندر ایک تباہ حال انسان نظر آیا۔ قریب جا کر دیکھا۔ تو حیرت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ شیخ جمال الدین تھا۔ حضرت فریدالدین مسعودؒ کا محبوب مرید۔ عالم نے کئی بار اس کے عروج و اقبال کے دن دیکھے تھے۔ بچارے کا حسن و جمال خاک میں مل چکا تھا۔ آنکھوں سے خون کے دھارے بہہ رہے تھے۔ سوداگر کو اس کی حالتِ زار پر بڑا رحم آیا۔ اور وعدہ کیا۔ کہ اجودھن پہنچ کر باباصاحب کی خدمت میں تیری سفارش کروں گا۔

جب عالم اجودھن پہنچا۔ حضرت اس وقت وضو کر رہے تھے۔ اُسے بڑی توجہ سے ملے۔ اور سفر کا حال دریافت کیا۔ کہ کہاں کہاں گیا۔ کہاں کہاں رہا۔ اور اب کس شہر سے آ رہا ہے۔؟"

وہ سب حال عرض کرتا رہا۔ اور بولا۔

حضور جب ملتان کے صحرا میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو ننگے سر اور ننگے پاؤں دیکھا۔ چہرہ اس کا سیاہ ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں

کا سیلاب رواں تھا۔ جب میں اس کے قریب گیا اور پہچانا۔ تو وہ حضرت
جمال الدین ہانسوی تھے۔ میں حیران رہ گیا۔ کہ حضرت کے منظورِ نظر اور جلیل القدر
خلیفہ کی یہ حالت ــــــ!"

حضرت نے سوداگر کی زبان سے یہ واقعہ سن کر حاضرین سے فرمایا۔ کہ شیخ جمالؒ نے بڑی
مصیبت برداشت کی ہے برادرم بہاؤالدین کی رعایت مطلوب ہے۔ اس لئے اُسے بلالو
سوداگر کی طرف دیکھ کر مسکرائیے۔ اور فرمایا۔ عالم! تو نے ملتان کا واقعہ بیان نہیں کیا۔ تو خود
گیا تھا۔ یا برادرم بہاؤالدین نے تجھے طلب کیا تھا۔

سوداگر کی آنکھوں سے بے اختیار عقیدت کے آنسو ٹپک پڑے۔ گلوگیر ہو کر بولا سبحان
اللہ! سب کچھ جانتے ہوئے کیسے بھولے بن رہے ہیں آپ! حضور یہ آپ کے راز و نیاز
کی باتیں ہیں۔ ہم کیا جانیں۔ شیخ الاسلام ذکریا کی خاطر ہی سہی۔ جمال پر ضرور رحم فرمائیے

حضرت نے خادم کو حکم دیا۔ یہ رباعی لکھ کر جمال کو بھجوا دو ؎

رد گرد جہاں بگرد و پا را آبلہ کن، گر ہیچ منی یابی، ما را ایلہ کن،
یک صبح با خلاص بیا بر در ما، گر کار تو بر نیاید آنگہ گلہ کن،

شیخ جمال کا ایک دوست حضرت کا یہ پروانہ لے کر فوراً ہوا ہو گیا۔ دوسرے دن صبح
سویرے جمال حضرت کے قدموں میں پڑا سسک رہا تھا۔

حضرت نے بڑی مہربانی سے جمال کو گلے سے لگایا۔ اور ایک نظر میں جمال سے
قطب الاقطاب شیخ جمال الدین ہانسوی بنا دیا۔

شیخ جیوو گی جو ڈیوو ــــــ! ٹھٹھہ نگر (سندھ) میں شیخ جیوو کے نام سے حضرت غوث العلمینؒ
کے جان نثار خادم کی خانقاہ ہے۔ اس مرد مجاہد کی داستان بھی بڑی دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں
کہ ایک مرتبہ جب حضرت غوث العلمینؒ یہاں مقیم تھے۔ آپ کے چند سادہ لوح مریدوں نے بیٹھ کر

مشورہ کیا۔ کہ اس وقت تو حضرت تشریف لے آتے ہیں اور زیارت ہو جاتی ہے لیکن انتقال کے بعد اگر ملتان دفن ہوئے۔ تو ہمیں یہ مسافت بعید ہمیشہ طے کرنا پڑیگی۔ بہتر ہے کہ حضرت کو آج رات شہید کر کے یہیں دفن کر دیں۔ تاکہ ملتان آنا جانا نہ پڑے۔ اتفاق سے آپ کے ایک جان نثار ملازم شیخ جیوا کے کانوں میں یہ بھنک پڑ گئی۔ وہ بڑا فکر مند ہوا۔ لیکن اس نے کسی سے اس امر کا ذکر نہ کیا۔ رات کو جب غوث العلمینؒ اوراد اذکار سے فارغ ہو کر بستر پہ جانے لگے۔ تو اس نے ادب سے التماس کی۔ کہ اس غلام کی ایک آرزو ہے۔ اگر حضور پوری کر دیں تو بعید از غلام نوازی نہ ہو گی۔

حضور نے مسکرا کر فرمایا میاں جیوا کہہ! کیا کہنا چاہتا ہے۔؟

شیخ جیوا نے عرض کی یحضور! میں ایک سادہ لوح سا آدمی ہوں۔ بات تو کچھ ایسی ویسی ہی ہو گی۔ لیکن حضور کرم نواز ہیں۔ آج تک کبھی اپنے خادم کو مایوس نہیں فرمایا۔ اُمید ہے کہ اب بھی حضور اپنے غلام کو ضرور سرفراز کریں گے۔

"ہاں ہاں کہو بابا۔ انشاء اللہ ہم تمہیں ضرور راضی کرنے کی کوشش کریں گے!"

شیخ جیوا آنکھیں نیچی کئے نہایت ہی ادب سے آگے بڑھا اور بولا۔

"حضور! غلام کی خواہش یہ ہے۔ کہ آج حضرت اپنے کمرے میں اس خادم کو سونے کا شرف عطا کریں۔ اور خود بدولت غلام کے کمرے میں آرام فرمائیں"۔

غوث العلمینؒ کی جبین قدس پر تردد کے آثار ظاہر ہوئے۔ فرمایا۔ "جیوا! کیا تم نے اس کے نتائج پر اچھی طرح سے غور کر لیا ہے؟

"جی حضور"! جیوا نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے عرض کیا۔

"ایک دفعہ پھر سوچ لو!" حضرت غوثؒ نے جیوا کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔

شیخ جیوا نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا۔

"قبلہ عالم! غلام نے اچھی طرح سے سوچ لیا ہے"۔

"بہتر ——— اگر مشیت الہٰی یونہی ہے تو ایسا ہی سہی"۔

یہ کہہ حضور شیخ جیوا کے کمرے میں چلے گئے اور وہ آپ کے کمرے میں سو رہا۔ آدھی رات کا عمل تھا ٹھٹھہ نگر کے لوگ اپنے اپنے بستر پر سوتے تھے کہ چند آدمی دبے پاؤں حضرت کی خوابگاہ میں داخل ہوئے۔ دفعتہً تلواریں چمکیں۔ اور شیخ جیوا اپنے آقا پر سے تصدق ہو گیا۔

صبح کو سندھی حضور کو بخیریت دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ خطاپوش ذات نے انہیں گلہ تک نہ دیا۔ فرمایا "شیخ جیوا کی قسمت کی یاوری دیکھئے کہ شہادت کا مرتبہ لے گیا ———!

شیخ جیوا کو خود قبر میں اُتارا۔ اور قبر پر آبِ رحمت کے چھینٹے دیتے ہوئے فرمایا۔ مریدوں کیلئے میرا یہ حکم ہے۔ کہ جو میری قبر کی زیارت کو ملتان آئیں۔ پہلے اس جان نثار کے مزار پر حاضری دیں چنانچہ آج تک یہ دستور چلا آتا ہے۔ کہ زائرین کی جماعت جب سندھ سے ملتان روانہ ہونے لگتی ہے۔ تو پہلے اس مردِ مجاہد کی خانقاہ پر حاضری دیتی ہے اور ہر سندھی شیخ جیو دملکی جوڈیو د شیخ جیوا چراغ حرم ہے) کہہ کر اس کے مزار نور بار پر عقیدت کے پھول چڑھاتا ہے۔

وارداتِ عشق

عشق تصوف کی جان ہے کوئی سالک اس وادی کو طے کئے بغیر منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ یہ مضمون نہایت ادق اور لطیف ہے۔ اور اسے وہی اچھی طرح بیان کر سکتا ہے جو "راہ و رسم منزلہا" سے پوری طرح واقف ہو۔ میر سلیمان مصری قدس سرہٗ ایک شیخ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ وہ مکان کی چھت سے گر پڑے۔ احباب ان کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ خادم نے اطلاع کی۔ فرمایا۔

"انہیں کہو۔ کہ تم میں سے جو شخص چھت سے گر چکا ہو۔ وہ آئے۔ ورنہ چھت سے گرے ہوئے کو تم کیا جانو اور کیا ہمدردی کرو گے۔!"

باتو غمِ خود چساں بگویم افتادہ نہ زبام ھٰرگز[1]

یعنی میں تم سے اپنے دکھ درد کی حالت کیا بیان کروں کہ تم چھت سے گرے ہوئے نہیں ہو یہی صورتِ حال اب اس نیاز مند کے در پیش ہے۔ کہ بحرِ عشق تو بڑی چیز ہے۔ اس کے ساحل تک کا شناسا نہیں۔ اور نہ ہی کوئی اہلِ درد نظر آتا ہے۔ کہ جس کے آگے یہ قصہ لے بیٹھوں

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر اب ڈھونڈ انہیں چراغِ رُخِ زیبا لے کر

"ھائے" "ھُو" کی وہ مجلسیں جن کے دم قدم سے عشق کی دنیا آباد تھی کبھی کی مٹ چکیں۔ قدسی نفوس جن کے پہلو میں دل سیماب وار بے قرار رہتا تھا۔ دنیا سے اُٹھ گئے۔ ان کے ملفوظ، روزنامچے اور تذکرے جن میں عشقِ الٰہی کے اسرار و رموز بھرے پڑے تھے۔ وہ بھی نادر کالمعدوم[2] قرار دے کر ختم کر دیئے گئے

---

[1] حسنات العارفین از شہزادہ محمد دارا شکوہ [2] النادر کالمعدوم

تا سحر تو نے نہ چھوڑی وہ بھی اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

حسن پرستی کی جگہ نفس پرستی نے لے لی۔ اور عشق بدنام ہو کر رہ گیا۔ غالب مرحوم نے ایک صدی پیشتر کہا تھا ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

ممکن ہے ان کے زمانہ میں "اہل نظر" موجود ہوں۔ مگر اب تو کوئی "صاحب نظر" ملتا ہی نہیں ہر طرف بوالہوسی کا ہی دور دورہ ہے۔ حرف "پروانہ" "وارفتگانِ عشق" کی یادگار باقی رہ گیا ہے۔ جو برسات کے دنوں میں بجلی کے قمقموں کے گرد منڈلا منڈلا کر اور اپنی جان کی قربانی دے کر بنی نوع انسان کو ایک بھولا بسرا سبق یاد دلاتا ہے۔ بقول حکیم شیراز ؎

اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

کیا کہوں اور کس سے کہوں نہ میں اس راز سے آگاہ اور نہ تجھے اس کا مذاق ؎

نہ سلیقہ مجھ میں کلیمؑ کا نہ قرینہ تجھ میں خلیلؑ کا
میں ہلاکِ جادوئے سامری تو قتیلِ شیوۂ آزری

لیکن چونکہ ایک بہت بڑے عارف کے "واردات عشق" کو سپرد قلم کرنا ہے۔ اس لئے سالکینِ طریقت نے عشق کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

صوفیائے کرام نے عشق کو آگ سے تعبیر کیا ہے چنانچہ ایک عارف کا قول ہے۔ اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَاسِوَی اللہ۔ عشق آگ ہے جو خدا کے ماسوا سب کو جلا دیتی ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک واصل حق مناجات میں کہا کرتا تھا۔

"اے پروردگار! اگر تو قیامت کے دن مجھے جلائے گا۔ یا دوزخ میں بھیجے گا۔

تو مجھے تیرے جلال اور عزت کی قسم! کہ دوزخ کے دروازے پر سینے سے ایک ایسی آہ نکالونگا جس سے دوزخ کی ساری آگ نیست و نابود ہو جائے گی۔"

اس شخص سے پوچھا گیا کہ میاں تو کیا کہہ رہا ہے۔ کیا کہیں دوزخ کی آگ بھی تباہ ہو سکتی ہے۔ فرمایا:۔

"ہاں کیوں نہیں۔ اگر آتش محبت کے مقابلے میں دوزخ کی سی لاکھوں آگیں جلائی جائیں۔ انہیں نابود کرنے کے لئے عاشق کے سینے کی ایک آہ کافی ہے اسلئے کہ محبت کی آگ سے اور کوئی آگ تیز نہیں ہے۔"

حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا۔

"اے درویش! عاشق کے سینے میں اس قسم کی آگ رکھی گئی ہے کہ اگر اس کا ایک شعلہ باہر نکل پڑے۔ تو عرش سے تحت الثریٰ تک سب کو جلا کر رکھ دے۔"

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ وہ ایک رات کو اپنی مناجات میں رو رو کر عرض کر رہے تھے ؎

چہ بودے کہ دوزخ زمن پُر شدے مگر دیگراں را رہائی شدے

اے پروردگار کیا ہو جاتا۔ اگر تو دوزخ کو مجھ سے بھر دیتا۔ مگر دوسروں کو چھوڑ دیتا۔

اگرچہ شیخ الشیوخ نے بنی نوع کی خیر خواہی میں یہ آرزو ظاہر کی تھی۔ لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مشائخ آتشِ دوزخ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ حریق المحبت برہان العاشقین حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے منظوم کلام میں ہر جگہ عشق کو آگ سے نسبت دی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

عشق نہیں ہے نار غضب دی تن من کیتس کولے ھ

یعنی عشق کیا ہے غضب کی آگ ہے جس نے تن من کو جلا کر کوئلہ بنا دیا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی دہلویؒ بالعموم یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

داستانِ عشق

عشق الٰہی فنی بھی ہے۔ اور وہبی بھی۔ بعض پیدائشی عاشق ہوتے ہیں۔ اور بعض تزکیہ نفس تصفیہ قلب اور جلائے روح کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد اس وادی میں قدم رکھتے ہیں اس لئے ہم یہاں ابتدائی مراحل کا مختصراً ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔

تزکیہ نفس اور اس کی معرفت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَعْدٰی عَدُوِّکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ ٥ تو اس نفس کو اپنا دشمن جان جو تیرے دونو پہلوؤں کے درمیان میں ہے۔ ارباب طریقت کی اصطلاح میں نفس سے مراد وہ لطیف جاری مراد ہے۔ جو دل سے پیدا ہوتی ہے اور جسے حکماء روح حیوانی کہتے ہیں۔ اس سے بری صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اسے اللہ کریم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ بیشک نفس بری باتوں کا حکم دیتا ہے۔ یہ انسان کے ہر ایک عضو کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ اخروٹ اور تل کے ہر ایک جزو میں روغن ذرد موجود ہوتا ہے۔

"بقا" کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو ہمیشہ باقی تھی۔ اور باقی رہے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بقا ہے، دوسری وہ جو پہلے نہ تھی پھر ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ یہ ارواح ملائکہ اور عالم آخرت کی بقا ہے۔ نفس انسانی کو دونو اقسام کی بقا کی چاشنی حاصل ہے۔ بقائے الٰہی کی چاشنی کا اثر اسے آدم کی مٹی کو خمیر کرتے وقت حاصل ہوا۔ کیونکہ بیدِیْ کے اختصاص سے مشرف ہونے وقت خمیر کی مٹی اور پانی کو قبولیت بقا کی وہ استعداد نصیب ہوئی تھی۔ جو کسی دوسری مٹی، پانی اور نفوس کو میسر نہیں ہوئی۔ بقائے ارواح کی چاشنی کا اثر اسے قالب اور روح

کے ملنے کے وقت حاصل ہوا۔ ان کے اتصال سے نفس اور دل پیدا ہوئے۔ دل روحانی اور علوی تمام صفات کا حامل ہے۔ اور نفس میں خاکی اور سفلی تمام صفاتِ رذیلہ موجود ہیں لیکن چونکہ روح اور قالب کا جنا ہوا ہے۔ اسلئے اس میں بعض نیک صفات جو روحانیت سے متعلق ہیں۔ اور بقا جو کہ روح کی صفت ہے۔ موجود ہے۔ اس لحاظ سے نفس انسانی کو نفس حیوانی پر تفوق حاصل ہے۔

تصفیہ قلب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اِنَّ فِیْ جَسَدِ ابْنِ آدَمَ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ بِھَا سَائِرُ الْجَسَدِ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ بِھَا سَائِرُ الْجَسَدِ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ ابن آدم کے وجود میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب اس کی حالت بہتر ہوتی ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے۔ اور جب وہ بگڑ تا ہے۔ تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور وہ دل ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ دل کیا ہے اور تصفیہ دل کس بات میں ہے۔ اس کی ترتیب کیونکر ہو سکتی ہے اور دل کس طرح اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔

دل صنوبری شکل کا گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو سینے کے نیچے بائیں پہلو پر واقع ہے اور اس ٹکڑے میں روحانی جان ہے۔ جس کا نتیجہ عقل ہے۔ اور یہ دل عام حیوانات میں نہیں ہوتا۔ بلکہ خاص انسان ہی کا حصہ ہے۔ دل کو سنورنے اور بگڑنے کی صلاحیت حاصل ہے اس کا سنورنا اس کی صفائی میں ہے اور اس کا بگڑنا اس کی کدورت میں ہے۔ دل کی صفائی حواس کی سلامتی پر منحصر ہے۔ کہ تمام عالم شہود انہیں پانچ حواس کے ذریعے ادراک کرتا ہے اسی طرح دل میں پانچ حسیں ہیں۔ کہ جب وہ سلامت ہوتی ہیں۔ تو ان سے عالم غیب یعنی ملکوتیات اور روحانیات کا ادراک کر سکتا ہے۔ چنانچہ دل کی آنکھیں ہیں۔ جن سے مشاہدات غیبی کو دیکھتا ہے۔ کان ہیں۔ جن سے اہل غیب اور حق کلام کو سنتا ہے۔ سونگھنے کی طاقت ہے جس سے غیبی خوشبوؤں کو سونگھتا ہے، تالو ہے جس سے ایمان کی حلاوت، محبت کے ذوق اور

عرفان کے طعام کو چکھتا ہے۔ دل میں عقل ہے جس سے کل معقولات سے نفع اُٹھاتا ہے جس شخص میں یہ دلی حواس سلامت ہوں۔ اس کو دلی اصلاح کی وجہ سے بدنی نجات حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آتا ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ اور جس کے دلی حواس میں خلل واقع ہوا وہ گویا دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَہَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَہُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَہُوْنَ بِہَا وَلَہُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِہَا وَلَہُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِہَا ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے ایسے بنائے ہیں جن کے دل تو ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ آنکھیں تو ہیں لیکن دیکھتے نہیں۔ اور کان تو ہیں لیکن سنتے نہیں۔ صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَہُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ گونگے بہرے اور اندھے ہیں (اس لئے) وہ نہیں سوچتے سمجھتے۔ ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے۔ فَاِنَّہَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ وہ ظاہری آنکھوں سے اندھے نہیں بلکہ سینوں کے اندر ان کے دل اندھے ہیں۔ دل کے معالجے کے بارہ میں تمام حاذق حکیم مختلف الرائے ہیں۔ ہر ایک نے ایک خاص طرز سے علاج شروع کیا ہے لیکن قانون الٰہی کے باہر کسی نے قدم نہیں رکھا۔ بعضوں نے اخلاق کو تبدیل کرنے اور سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ ہر بری صفت کا علاج اس کی ضد سے کیا ہے۔ بلحاظ اَلْعِلَاجُ بِاَضْدَادِہَا علاج ان کے اضداد سے کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ طبیب گرمی کو سرد شربتوں سے دُور کرتے ہیں۔ اور سردی کا علاج گرم معجونوں سے کیا جاتا ہے لیکن ہمارے مشائخ کرام پہلے تصفیہ قلب کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ کہ تبدیل اخلاق کی۔ کیونکہ جب دل کا تصفیہ حاصل ہو جائے۔ تو وہ فیض حق کے قابل ہو جاتا ہے اور پھر فیض حق کے اثر سے تھوڑی مدت میں نفسانی صفات خود بخود اصلاح پذیر ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ عمر بھر کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے یہ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

خضرِ راہ | راہ دین کو طے کرنے اور عالم یقین میں پہنچنے کے لئے صاحب ولایت اور صاحب تصرف مرشد کی اشد ضرورت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ تبلیغ و ہدایت کی رو سے شیخ کا مرتبہ اپنی قوم میں وہی ہے۔ جو نبی کا اپنی اُمت میں ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ میرے ولی میری قبا کے نیچے ہیں۔ جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔ موسیٰ علیہ السلام کو مرتبہ نبوت، درجہ رسالت اور العزمی کی تکمیل کے لئے پہلے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنا پڑی۔ پھر کہیں مکالمۂ حق کا درجہ حاصل ہوا۔ کلیم اللہ ہونے کی دولت اور کَتَبْنَا لَہٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَۃً وَّتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (ہم نے اس کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر شے کی تفصیل الواح میں لکھ دی) کی سعادت کے باوجود علم لدنی کی ابجد سیکھنے کے لیے انہیں معلم خضر علیہ السلام سے درخواست کرنا پڑی۔ اس راستے کا نادان مسافر وہ شخص ہے۔ جو یہ خیال کرتا ہے۔ کہ وصال ذوالجلال کے بے کنارہ جنگل کو بغیر کسی راہنما کے طے کرے گا۔ ھَیْھَاتَ ھَیْھَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ اس راستے کے خطرات کو وہی خوب جانتے ہیں جنہوں نے شیخ کامل کی راہنمائی میں اس راہ کو طے کیا ہے۔ اور اگر کوئی صاحب ہمت سالک اپنے قدم کی قوت سے اس راہ کو طے کرنا چاہیے۔ تو سالہا سال کے عرصہ میں وہ ایک مقام کو بھی طے نہ کر سکے گا۔ کیونکہ مبتدی کی سیر گرد چیونٹی کی رفتار سے بھی کم ہوتی ہے نیز اس راہ میں بعض ایسے مقامات ہیں جنہیں اُڑ کر عبور کیا جاتا ہے۔ اور سالک کی ابتدائی صورت نوانڈے کی طرح ہوتی ہے۔ جب تک اُس کے پَر نہ نکلیں۔ وہ کیسے اڑ سکتا ہے شیخ ابوبکر جامیؒ خوارزم کے ایک مجذوب تھے۔ ان کا کوئی شیخ نہیں تھا۔ لیکن جذبات حق کے تصرفات سے عالی مقامات اسے حاصل تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو بتایا کہ میں پینتالیس سال سلوک طے کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچا ہوں۔ اور اس مقام پر

ہیں نے دو سال ظاہری اور باطنی سخت محنت کی اور خونِ جگر کھایا تب کہیں اللہ تعالےٰ نے مجھے اس مقام کو عبور کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جب حضرت مجدالدین بغدادیؒ کو اس امر کی اطلاع ہوئی۔ تو فرمایا۔

کوئی شخص مرشد کی قدر نہیں جان سکتا۔ اور نہ اُس کا حق ادا کر سکتا ہے ہمارے مریدوں ہیں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے دو سال کے اندر اس راہ کے سلوک کا سفر طریقت کے آغاز سے حقیقت کی انتہا تک طے کیا ہے۔ اور جب اس مقام پر پہنچے ہیں۔ تو ایک یا دو روز میں ہم نے انہیں اس مقام سے عبور کرا دیا جس مقام پر شیخ ابوبکر پینتالیس سال کے مجاہدہ کے بعد پہنچا۔ اور دو سال کی سخت ریاضت کر کے آگے بڑھا۔

الغرض جب مرید صادق شیخ کا جمال آئینہ دل ہیں مشاہدہ کرتا ہے۔ تو فوراً اس کے جمال پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اس کا آرام وقرار جاتا رہتا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ لکھتے ہیں کہ تمام سعادتوں کی جائے پیدائش یہی بے قراری اور عاشقی ہے۔ اور جب تک مرید شیخ کی ولایت کے جمال پر عاشق نہ ہو جائے۔ وہ اپنے اختیار اور ارادت کے تصرف سے باہر نہیں نکل سکتا اور ارادت شیخ کے تصرف کو قبول نہیں کر سکتا۔

جب مرید تصرف شیخ کی قبولیت کی شائستگی حاصل کر لیتا ہے۔ تو شیخ اسے انڈے کی طرح اپنی ولایت کے پر و بال کے تصرف ہیں لے لیتا ہے۔ اس وقت مرید واقعی انڈے کی طرح ہوتا ہے۔ جو اپنی بشریت اور انسانیت کی بیضگی ہیں بند ہوتا ہے۔ شیخ اس پر اپنی اعلیٰ ہمت صرف کرتا ہے اور اس کے حال پر توجہ رکھتا ہے۔ انجام کار اس کی ہمت کیمیا اثر کا تصرف مرید کے بیضہ صفت وجود کو بدل کر "عبدیت خاصّ" کے وجود ہیں لے آتا ہے۔ جیسے چوزہ انڈے کو توڑ کر دنیا ہیں قدم رکھتا ہے اسی طرح سالک کو ہمت شیخ کا تصرف "ملکوت" کے دریچہ سے

ہوائے ہویت کے میدان میں لے آتا ہے۔ اب تک اگر دنیاوی انسانیت کا بیضہ تھا تو اب حق تعالیٰ کی عبدیت خاصؔ کا مرغ بن گیا۔ لیکن ابھی اس کے کئی ایک مقامات ہوتے ہیں۔ توحید ایمانی۔ توحید ایقانی۔ توحید احسانی۔ توحید عیانی اور توحید غیبی۔ جب تک ان سب مراحل کو طے نہ کرلے تب تک وحدت کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔ جو بحرِ احدیت کا ساحل ہے۔ ان مقامات کی شرح بہت طویل ہے لیکن یہ سب اخلاق کی تبدیلی سے طے نہیں ہوتے مگر تصفیہ قلب اور توجہ بحق سے، جب مرید ظاہری تجرید اور باطنی تفرید سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ اسی قدر تصفیہ قلب میں خلوت کی مداومت اور ذکر کی کثرت اس کا معمول بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مسلسل تخلیہ سے اس کے ظاہری حواس بے کار ہوجاتے ہیں جس سے محسوسات کی آفتوں کا خطرہ نہیں رہتا۔ کیونکہ دلی حجاب اور کدورتیں زیادہ تر محسوسات میں حواس کے تصرف سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اب صرف شیطانی وسوسے اور خواہشات باقی رہ جاتی ہیں جن سے دل مکدر اور مشوش ہوتا ہے۔ ان کی راہ خطرات کی نفی اور ذکر کے ہمیشہ کرنے سے رُک سکتی ہے۔

ذکر کے آداب صوفیاء کرام نے ذکر کے لئے چند شرائط اور آداب[1] مقرر کئے ہیں۔ جن کا بجا لانا بے حد ضروری ہے۔ تاکہ ذکر مفید پڑے۔

اوّل۔ مرید اپنی ارادت میں صادق ہو۔

دوم۔ اُسے طلب کی درد اور راہ سلوک طے کرنے کی خواہش ہو۔

سوم۔ خلقت سے دور رہے اور ذکر سے الفت کرے تاکہ سب سے منہ پھیر کر ذکر کی پناہ میں آسکے۔ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ (تو اللہ کہو۔ اور انہیں اپنی دھن میں لگا رہنے دے)

---

[1] حضرت غوث العلمینؒ نے شروط الاربعین فی جلوس المتکفین کے نام سے مریدوں کے نام وصایا تحریر فرمائے ہیں جس میں یہ تمام آداب و شرائط وضاحت سے درج ہیں ہم اسے "تعلیمات" کے ضمن میں درج کر رہے ہیں جو حضرات تفصیل میں جانا چاہیں اس پر ایک نظر ڈال لیں۔

چہارم۔ چونکہ ذکر کرنا چاہتا ہے۔ اسلیئے اس کی بنا تمام گناہوں سے توبہ نصوح پر قائم کرے۔
آداب حسب ذیل ہیں۔
۱۔ ذکر کرنے سے پہلے وضو کرے۔ اَلْوُضُوْءُ سَلَاحُ الْمُؤْمِنِ وضو مومن کا ایک اوزار ہے۔
۲۔ لباس سنت کے مطابق ہو۔
۳۔ مقام ذکر خالی۔ صاف، پاک، چھوٹا اور تاریک ہو۔ کیونکہ ایسے مکان میں دلجمعی اور یکسوئی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر خوشبودار چیزیں پاس رکھے یا جلائے تو اور بھی اچھا ہے۔
۴۔ قبلے کی طرف رُخ کر کے مربع بیٹھے۔ باقی حالتوں میں مربع بیٹھنا منع ہے۔ صرف ذکر کے وقت بیٹھنا چاہیئے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد آفتاب نکلنے تک اپنے مقام میں مربع بیٹھا کرتے تھے۔

کیفیت ذکر ذکر کرتے وقت ہاتھ رانوں پر رکھے ــــ دل کو حاضر کر کے آنکھیں بند کرے اور بڑے ادب سے اس طرح شروع کرے لاالہ الا اللہ ــــــــــــــ!

لاالہ ناف کے نیچے سے لائے۔ اور اِلَّا اللہ کی ضرب دل پر لگائے۔ اس طرح کہ ذکر کا اثر اور اس کی قوت تمام اعضا تک پہنچے۔ لیکن آواز بلند نہ کرے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ آواز کو روکنے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اپنے رب کو دل میں عاجزی سے پوشیدہ طور پر یاد کر اور آہستہ بات کر اس طریق سے سخت اور دم بدم ذکر کرے۔ دل میں ذکر کے معنوں کا خیال رکھے اور خطرات کو قریب نہ آنے دے۔ چنانچہ لَا اِلٰہ کہتے وقت جو خطرہ دل میں آئے۔ اس کی نفی کرے۔ خواہ وہ خطرہ نیک ہو یا بد اور یہ خیال کرے کہ میں نے کوئی چیز اور مقصود طلب نہیں کرنا۔ اور نہ میرا کوئی محبوب ہے۔ اِلَّا اللہ صرف خدا ہی میرا مطلوب محبوب اور مقصود ہے۔ لاالہ سے نفی کرے اور اِلَّا اللہ سے اللہ تعالیٰ

کو اپنا مقصود، محبوب اور مطلوب سمجھے۔ مناسب ہے کہ ہر ایک ذکر کے شروع اور آخر میں نفی اثبات سے حاضر رہے۔ اور ہر وقت دل کے اندر نگاہ رکھے۔ جس چیز کا خیال دل میں آئے۔ اُسے دُور کر کے خالص اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ ولایت شیخ سے دعا مانگے۔ مگر "لا الٰہ" کی نفی سے اس پیوند کو بھی کاٹ دے۔ اور "الا اللہ" کے تصرف سے حق تعالیٰ کی محبت کو شیخ کی محبت کا قائم مقام بنائے۔ اسی ترتیب کے موافق ہمیشہ کرے۔ یہاں تک کہ اسکا دل تمام دل بستگیوں سے فارغ اور خالی ہو جائے۔ کیونکہ ذکر کے وقت دل کا ہلنا ذکر کی مداومت پر منحصر ہے۔ دل اس وقت ہلتا ہے جب ذکر کے غلبہ سے ذاکر کی ہستی ذکر کے نُور میں گھل مل جاتی ہے اور ذکر ذاکر کو مفرد بنا دیتا ہے۔ وجودی تعلقات کا بوجھ اس کے کندھے سے اُتار کر جسمانی دنیا سے روحانی آخرت میں ہلکا پھلکا بنا کر لاتا ہے۔

تجلیاتِ حق جس وقت دل کا آئینہ طبیعت کے زنگار سے صاف ہو جاتا ہے۔ تو جمال دوست کے آفتاب کے چمکنے کی جگہ اور ذاتِ حق کا جامِ جہاں نما بن جاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں۔ کہ جس شخص کو قلبی صفائی حاصل ہو جائے۔ اُسے تجلّی کی سعادت بھی نصیب ہو۔ یہ فضل الٰہی ہے جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے۔ کہ جو دل صاف ہے۔ وہ اس سعادت کے قابل ضرور ہو جاتا ہے۔ شیخ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں۔ کہ تجلّی حق اچانک آتی ہے۔ لیکن واقف دل پر آتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ابتداء میں جب دل کا آئینہ صاف بشریت و زنگار طبیعت سے صاف ہو جاتا ہے۔ تو بعض روحانی صفات دل پر تجلّی کرتی ہیں۔ اور یہ تجلیات انوار روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ ذکر کا نُور اور طاعت کا نور انوار روح پر غلبہ کرتا ہے جس سے روحانیت کا دریا ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے اور لہریں دل کے ساحل پر حملہ آور ہوتی ہیں جس سے آئینہ دل کی صفائی میں تجلّی حق نمودار ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ رُوح تمام صفات سے تجلّی

میں آتی ہے اور یہ حالت تمام بشری صفات کے مٹ جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن تجلی حق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تجلیٔ ربوبیت ہے۔ جو موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا پس جس وقت اس کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی۔ تو اسے پاش پاش کر دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ تجلیٔ الوہیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری ہستی لٹ گئی۔ اور وجود محمدی کے عوض ذاتِ الوہیت کے وجود کا ثبوت فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ بے شک جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے اس سعادت کی کمالیت کسی اور پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ اس کھلیان کے خوشہ چینوں کو اس خرمن سے یہ خوشہ عنایت فرمایا۔ لَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبُّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا وَّ یَدًا وَّلِسَانًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَبْطِشُ وَبِیْ یَنْطِقُ بندہ بذریعہ نوافل میرا قرب حاصل کرنے کی خواہش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور اس کے لئے کان آنکھ ہاتھ اور زبان ہو جاتا ہوں۔ پھر وہ مجھی سے سنتا ہے۔ مجھی سے دیکھتا ہے۔ مجھی سے ٹٹولتا ہے۔ اور مجھی سے بولتا ہے۔ یہ سعادت ذات الوہیت کی تجلی کی خاصیت سے ہے۔

الغرض جب سالک سری اور جہری اذکار سے اپنی طبیعت کو لفظ اللہ کے مفہوم کی طرف منتقل کرتا ہے۔ تو وہ رحمتِ کاملہ سے اس کے ذہن پر اس طرح مستولی ہو جاتا ہے کہ اس کی بصر بصیرت ہر وقت اس مفہوم کی طرف مرکوز رہتی ہے۔ اس کی تمام قوائے ادراکہ آنکھ کی طرح اس مفہوم پر ٹکٹکی لگائے رہتی ہیں۔ سوائے اس کے اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوتیں اس وقت تجلی حق سبحانہ وتعالیٰ سالک کے سب سے لطیف جزو روح سے مل جاتی ہے اور اسے اپنی طرف

کھینچتی ہے اور "روح" جو عالم قدس سے ہے اور قفس عنصری میں مقید ہوجانے کے سبب اپنی اصل کو بھول چکی ہوتی ہے۔ اس کے ادراک کے آئینہ پر زنگ کی تہیں جمی ہوتی ہیں۔ تجلّی کے نور سے جب اس کے زنگ خوردہ ادراک کو جلا نصیب ہوتی ہے۔ تو اسے کمالاتِ حق کا عکس اپنے اندر دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس وقت اُسے اپنا بھُولا ہوا وطن یاد آجاتا ہے، اور وہ اپنے اصل کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور خطیرۃ القدس کی طرف صعود کرنے کا ارادہ کرتی ہے۔ لیکن غبارِ بشریت مانع ہوتا ہے۔ اس وقت نفس اور رُوح کے درمیان مزاحمت واقع ہوتی ہے۔ جس سے اس کی رُوح میں شورش اور گرمی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور طالب پر وارفتگی کا عالم طاری ہوجاتا ہے۔ عقل و فکر برباد ہوجاتی ہے۔ ایسی حالت میں سالک اکثر اوقات قانونِ شریعت اور ادب سے بھی باہر ہوجاتا ہے۔ مکانوں اور مجلسوں سے اس کو وحشت ہونے لگتی ہے۔ آٹھوں پہر آہ و فغاں اور اشکباری سے واسطہ رہتا ہے۔ چہرے کا رنگ زرد پڑجاتا ہے۔ کسی سے ملنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی کیفیت کا نام عشق ہے۔ میرے حضرتؒ[1] جو بحرِ عشق کے زبردست شناور تھے۔ اس الم انگیز کیفیت میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں ۔۔۔ یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

ایک اور مقام پر سوز دروں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

پیا عشق آساڈی آن سنگت، ۔۔۔ گئی شد مذہب مذہب دی بھت

کل وسرے علم علوم اساں ۔۔۔ گل بھل گئے رسم رسوم اساں

ہے باقی دردی دھوم اساں

بئی برہوں ندی یاد رہیوسے گت،

حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

[1] امام الاولیا زبدۃ الاصفیا فنا فی التوحید حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ

رباعی

"تا روئے ترا دیدم اے شمع طراز نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز
چوں باتو بوم مجاز من جملہ نماز چوں بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

رباعی

جسمم ہمہ اشک گشت و چشمم بگریست در عشق تو بے جسم ہمے باید زیست
از من اثرے نماند ایں عشق از کیست چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ارباب عشق اور مواجید قانون شرع کے پابند نہیں رہتے۔ مقصد یہ ہے کہ اس منزل میں طالب صادق مشاہدہ جمال ذوالجلال میں اس قدر محو ہوتا ہے کہ اوامر ونواہی کا احساس تک نہیں رہتا۔ بقول عارف ؎

مذہب عاشق ز مذہب ہا جدا ست عاشقاں را مذہب و ملت خدا ست

حضرت شہید محبت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ارشاد ہے کہ

"عارف وہ شخص ہے کہ ہر لحظہ اس میں عالم اسرار سے ہزار ہا اسرار پیدا ہوں۔ اور وہ "عالم سکر" میں رہے۔ اور اگر اس حالت میں اٹھارہ ہزار عالم اس کے سینہ میں ڈالے جائیں۔ تو بھی اُسے خبر نہ ہو۔"

چراغ دہلوی مفتاح العاشقین میں لکھتے ہیں کہ:۔

"جب عارف عالم تحیر میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ وہ ہر وقت مدہوش اور قدرت حق کی آفرینش میں متحیر رہتا ہے۔ اگر کھڑا ہے تو بھی دوست کی یاد میں، اگر بیٹھا ہے۔ تو بھی اسی کی یاد میں اگر لیٹا ہوا ہے تو بھی دوست کی قدرت وعظمت کا تماشا کر رہا ہے اگر بیدار ہے تو بھی دوست کے حجاب وعظمت کے گرد ہے۔"

اس وقت آپ نے یہ رباعی ادا فرمائی ؎

عاشق بہ ہوائے دوست مدہوش بود وز یادِ محبت خویش بے ہوش بود
فردا کہ ہمہ بحشر حیراں باشند نام تو دو دلِ سینہ در جوش بود

ایک اور عارف نے کہا ہے ؎

یکے بین و یکے دان و یکے گو یکے خواہ و یکے خوان و یکے جو

اگر سالک کو اپنے مطلب کے حصول کا گمان استماع مزامیر، عشق مجازی شغل برزخ او ترک اذکار و عبادت میں ہو۔ تو اس کی طبیعت کا میلان اسی طرف ہو جاتا ہے۔ لعل شہباز اور بو علی قلندر اسی قبیل کے درویش تھے۔ اور اگر بوجہ دینداری وہ اپنے تئیں زبردستی ان امور ممنوعہ سے روکے رکھے۔ تو یہ سالک کا کمال ہے۔ اس مرحلہ میں مرشد کے ساتھ قلب کا تعلق شدت پکڑ جاتا ہے۔ کیونکہ عشق کی پرپیچ وادیوں میں صرف یہی ایک ذات خضر راہ کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ کسی عاشق نے کہا ہے۔ کہ

"اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کے سوا کسی دوسرے لباس اور شکل میں تجلّی فرمائے تو میں کبھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہونگا"[1]

اور یہ بھی اسی عالم کی کیفیات کا خاصہ ہے کہ سالک کو علم اور طاعات ظاہری کی قطعی پرواہ نہیں رہتی۔ جیسے امام عاشقین حضرت فرید ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے ؎

جڈاں عشق فریدؔ اُستاد تھیا سب علم عمل برباد تھیا
پر حضرت دل آباد تھیا سو وجد کنوں لکھ حال کنوں

یعنی جب سے ہم نے عشق کی شاگردی اختیار کی ہے۔ علم و عمل رخصت ہو چکا ہے۔ ہاں مگر حضرتِ دل وجد اور حال کی کیفیات سے خوب آباد ہے۔

---

[1] سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر تھانیسری مرحوم

ثمرات عشق جب لوہے کے ٹکڑے کو آہنگر بھٹی میں ڈالتا ہے۔ تو آگ لپک کر اُسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے۔ اور اس کے اجزائے لطیفہ لوہے کے نفس و جوہر میں اتر کر کے اُسے ہمرنگ، ہم شکل و ہم صفات بنا لیتے ہیں۔ اس وقت لوہا آگ اور آگ لوہا بن جاتی ہے۔ کوئی اس ٹکڑے اور انگاروں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جلانا اور بھوننا جو آگ کی خاصیت ہے اس لوہے کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر اس وقت لوہے کی زبان ہوتی تو وہ ضرور پکار اُٹھتا کہ میں وہی آگ ہوں۔ کہ جس سے لوہاروں، زرگروں اور دیگر کاریگروں کے کاروبار انجام پاتے ہیں یہی کیفیت سالک کی اس وقت ہوتی ہے۔ جب وہ دریائے وحدت میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ بہ سبب حدت اور شدت کیفیت عشقیہ اور کمال جذب روح الٰہی غبار شہادت سالک پر منکشف ہو جاتا ہے اور نور و ظلمت کے حجابات پھٹ جاتے ہیں۔ اس وقت حسب وعدہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو کوئی میری راہوں کو تلاش کرتا ہے۔ میں اس کو اپنی راہیں دکھا دیتا ہوں، مشاہدہ جمال بے مثال میسر آتا ہے۔ اور بفحوائے حدیث اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ میں اپنے بندہ کے گمان کے نزدیک ہوں اور میں اُسی کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اس قلق اور اضطراب کے عوض جو سالک نے فراق میں اُٹھایا تھا خلعت مکالمہ مرحمت ہوتی ہے ——— وحشت انس سے بدل جاتی ہے اور فنا و بقا کے مقامات سب بے حجاب نظروں میں پھر جاتے ہیں۔ اس وقت یہ مشتِ خاک بحر وحدت میں غوطہ زن ہو کر لوہے کے ٹکڑے کی طرح اپنی اصلیت کو بھول کر انا الحق (میں خدا ہوں) اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہ (اس جبہ میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے) پکار اُٹھتا ہے۔ شیخ الاسلام احمد جام قدس سرہٗ نے بھی اسی عالم میں کہا تھا

ماتاج سرفراز ہمہ خلق خدائیم	ما بادشاہ مملکت ہر دو سرائیم
ہستیم و نہ ہیم نہ در قرب و نہ در بعد	مائیم نہ مائیم نہ مائیم نہ مائیم

باشیم نہ باقیم کہ باشد کہ نہ باشیم ماخانہ و ماخانگی و خانہ خدائیم
ماغرق محیطیم دگر آب بجوئیم اے بر لب ساحل تو چہ دانی کہ کجائیم
احمد چو بروں رفت زجائے کہ مکاں است
آیا تو کجائی کہ ندانیم کجائیم،

شیخ عبداللہ بلیانی کی ایک رباعی اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتی ہے ؎

با جملہ خدائے پاک پاکیم نے ز آتش وباد و آب و خاکیم
از ہستی و نیستی ہمیشہ عریاں شدہ ایم و جامہ چاکیم

قرآن مجید میں آتا ہے خضر علیہ السلام نے کہا وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ یعنی کشتی کا توڑنا وغیرہ میں نے خود نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث قدسی میں آیا ہے۔

"میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں ہی اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میں ہی اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ پس وہ میرے ذریعے سے سنتا، میرے ہی ذریعہ سے دیکھتا، میرے ہی ذریعہ سے پکڑتا اور میرے ہی ذریعہ سے چلتا ہے۔"

مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری مرحوم کتاب سوانح احمدی میں لکھتے ہیں کہ "یہ بہت باریک اور نازک مسئلہ ہے۔ اس کے پیچھے پڑنا نہیں چاہیئے لیکن جب کسی سالک پر یہ باتیں ظاہر ہوں تو اس سے انکار بھی نہ کرے۔ کیونکہ جب وادی مقدس میں آگ نے کہا تھا۔ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (میں جہانوں کا رب ہوں) اگر نفس کاملہ اس اشرف موجودات کا کہ نمونہ ذات الٰہی کا ہے۔ کلمہ "انا الحق" کہے تو جائے تعجب نہیں ہے۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

اس مقام پر پہنچ کر ایسے بزرگوں سے خرق عادات، قبول دعوات اور دفع بلیّات کثرت سے ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ کہ "اگر بندہ (ایسے حال میں) مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو فوراً دے دیتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں پناہ دیتا ہوں"۔ اور ایسے بزرگوں کے دشمنوں پر غضب الٰہی اور وبال نازل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا ہے۔ کہ "جو کوئی میرے دوست سے مخالفت کرتا ہے۔ اُسے میری طرف سے جنگ کا چیلنج ہے"۔

اس حدیث شریف کے مخاطب اگرچہ بنی نوع انسان ہیں۔ مگر قانون الٰہی تمام حیوانات کے لئے ہے۔ اگر کسی جانور نے اللہ والوں کے حق میں گستاخی کی ہے۔ تو وہ بھی قہر الٰہی کی لپیٹ سے نہیں بچ سکا۔ مولانا خدا بخش صاحب خیرپوری کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ کہ آپ ملتان کے ایک کوچہ سے گذر رہے تھے۔ ایک کتیا آپ کو بھونکی۔ آپ نے مڑ کر اُسے ایک نظر سے دیکھا۔ اور چلے گئے۔ جب واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کتیا مری پڑی ہے۔ آپ ایک لمحہ کے لئے رک گئے۔ اور فرمایا۔

"اے کتیا! اس فقیر نے تجھے کچھ نہیں کہا۔ خدائے غیور سے اُس کے بندے کے حق میں تیری گستاخی گوارا نہیں ہو سکی"۔

حضرت غوث العلمینؒ عشق کی وادی میں

حضرت غوث العلمینؒ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عارف تھے۔ ان کا سینہ بے کینہ بھی عشق الٰہی کی بھٹی بنا ہوا تھا۔ اگرچہ یاد الٰہی سے آپ ایک لحظہ بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ زندگی بھر میں ایک لمحہ اگر اس قسم کا پیش آیا۔ تو آسمانوں میں آپ کی موت[1] مشہور ہو گئی۔ حیات طیبہ کا بیشتر حصہ عالم صحو میں گذرا لیکن کبھی کبھی آپ عالم تحیر میں اس

[1] ایران کی سرزمین سے چند درویش حضرت غوث العلمینؒ کی زیارت کے لئے ملتان کو چلے آتے تھے (باقی صفحہ ۲۳۶ پر)

قدر کھوئے جانے لگتے ۔ کہ کئی کئی دنوں تک آپ کو تن بدن کا ہوش نہیں رہتا تھا حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے یہ واردات کئی بار مشاہدہ کی ہیں ۔ فرماتے ہیں ۔ کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵)

جب کوہ سلیمان کی تلہٹی میں پہنچے ۔ چند چڑیوں نے جو یہاں کسی درخت پر بیٹھی چہچہا رہی تھیں ۔ درویشوں کو گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا ۔

ایک نے کہا ۔ "یہ درویش شیخ زکریاؒ کو ملنے ملتان جا رہے ہیں ۔

دوسری بولی ۔ مگر ان کا تو آج انتقال ہو چکا ہے ۔

تیسری چڑیا نے افسوس کرتے ہوئے کہا ۔ آہ بچاروں کا یہ سفر رائیگاں گیا ۔

درویش ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے ۔ اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ۔ ایک درویش بولا "صاحب جب شیخ ہی نہیں رہے ملتان جانے کی کیا ضرورت ہے ۔ چلو ۔ واپس چلیں ۔

ایک معمر درویش نے کہا ۔ "دوستو! اگر شیخ کی زیارت ہماری قسمت میں نہیں رہی ۔ تو کیا ہم ان کی قبر پر فاتحہ بھی نہ پڑھیں "نہیں نہیں ہمیں ملتان ضرور جانا چاہیئے" ۔ دوسرے تمام درویشوں نے بیک زبان جواب دیا ۔

گروہ چلتا رہا ۔ یہاں تک کہ ملتان آ گیا ۔ درویش قلعہ کے بڑے دروازے سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے خانقاہ معلی پر پہنچے ۔ وہاں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے ۔ کہ حضرت شیخ الاسلام منبر پہ بیٹھے وعظ فرما رہے ہیں ۔

درویش حیرت سے ایک بار پھر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ۔ کہ کیا معصوم پرندے بھی جھوٹ بول سکتے ہیں ۔ !"

حضرت غوث العلمینؒ نے کشف کے ذریعے ان کے دل کا "چور" معلوم کر لیا جب وعظ ختم ہوا ۔ اور درویش قریب پہنچ کر قدمبوس ہوئے ۔ تو فرمایا ۔ "یاران! تعجب نہ کرو ۔ تم نے جو کچھ راستے میں سنا وہ بھی صحیح تھا ۔ اور جو کچھ اب دیکھ رہے ہو یہ بھی درست ہے ۔"

درویشوں کے ماتھے پر فکر کے آثار ظاہر ہوئے ۔ وہ سوچ میں پڑ گئے ۔ کہ یہ دونو باتیں درست کیسے ہو سکتی ہیں ۔ !"

حضرت غوث العلمینؒ نے انہیں پھر مخاطب کیا ۔ اور فرمایا ۔

ایک لمحہ اس فقیر پر ایسا آیا تھا ۔ کہ اس کا دل خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تھا جس پر فرشتوں نے مشہور کر دیا ۔ کہ بہاؤ الدین مر گیا ۔ چڑیوں نے یقیناً کسی فرشتے سے یہ بات سنی ہو گی (حاشیہ اردو ترجمہ کشف المحجوب از مترجم)

اللہ اللہ! یہ وہ باعظمت لوگ تھے ۔ جو خدا کی یاد سے غافل ہونے کو موت سے تعبیر کرتے تھے ۔ اسی واقعہ سے ان کی عبادت و ریاضت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

ایک دن آپ حالتِ شوق و ذوق میں مستغرق تھے۔ اور ہر بار نئی نئی کیفیت اور حالت پیدا ہوتی تھی۔ ہائے ہائے کر کے زار زار روتے تھے۔ اور بیخودی کے اسی عالم میں یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

با درد بساز چوں دوائے تو منم | درکس منگر چوں آشنائے تو منم
گر بر سر عشق من کشتہ شوی | شکرانہ بدہ کہ خون بہائے تو منم

سات دن انہیں دو شعروں میں مستغرق رہے۔ کہ دنیا و مافیہا کی خبر تک نہ تھی[1]۔ یہ بھی حضرت باباصاحب کی روایت ہے۔ کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام زکریا رحمتہ اللہ علیہ اپنے محل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ایک ہاتھ ایک کواڑ پر اور دوسرا دوسرے کواڑ پر رکھے۔ یہ شعر بار بار پڑھتے تھے ؎

کردی ضمائر سرمایا رد گر | ماہیچ نکردیم خدا مے داند

حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ خدا معلوم وہ کون سی بات تھی۔ جو بار بار آپ سے یہ شعر پڑھواتی تھی۔

ایک دفعہ حضرت گنج شکرؒ اور حضرت غوث العلمینؒ بغداد کہنہ کی مسجد کہف میں بیٹھے تھے چند بزرگ "عشق" کے بارہ میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک صاحب نے کہا۔

"عشق ایک سلطنت ہے جس کا دارالخلافہ شوق ہے۔ اس میں تخت کے اوپر "رضا" کے ہاتھ میں نرگسِ وصال کی ایک شاخ ہے جس پر تیغ ہجر اور خنجر فراق کا پہرہ ہے اور اگر کوئی ادھر کا رخ کرتا ہے۔ تو اس پر خنجر اور تلوار کے وار شروع ہو جاتے ہیں اگر ایک دقیقہ وصال کا میسر آجائے۔ تو ان تلواروں اور خنجروں سے سینکڑوں اسرار منکشف ہوتے ہیں[2]۔ پس اے دوستو! جسے عشق کی دولت حاصل ہے۔ اگر اسے

---

[1] امددو ترجمہ اسرار الاولیا صفحہ ۵۶ [2] از سیاست خنجر فراق و تیغ ہجراں کشیدہ و یک شاخ نرگسِ وصال بدست رضا دادہ ودر وصال ہر نفسے ہزار ہزار اسرار از آں تیغ برسے وارند (خلاصتہ العارفین)

ہزار خنجر لگیں اور سینکڑوں تلواریں پڑیں۔ خواہ ہزار دفعہ اس کی گردن کاٹیں۔ آہ تک نہیں نکالے گا۔

اس کے بعد شیخ الاسلام زکریا ملتانیؒ نے رقت بھری آواز اور انتہائی سوز و گداز سے یہ رباعی پڑھی۔ اس کے سننے سے ہر دل میں وہ ذوق پیدا ہوا۔ کہ اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی

رباعی

در یادِ تو اے دوست چناں مدہوشم — صد تیغ اگر زنی سر نخروشم

آہے کہ زنم بیادِ تو وقت سحر — گر ہر دو جہاں دہند واللہ نفروشم

اسی طرح ایک مرتبہ جامع امیہ دمشق میں اللہ والوں کی مجلس گرم تھی۔ پانچ سو کے قریب اہل علم موجود تھے۔ دفعتہً غوث العلمینؒ تشریف لائے۔ حضرت گنج شکرؒ اتفاق سے اس اجتماع میں شریک تھے۔ آپ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے اُٹھے۔ اور مل کر وہیں ان کے پہلو میں بیٹھ رہے "عشق و حیرتؔ" کے بارہ میں گفتگو شروع ہوئی۔ باری باری ہر بزرگ نے عشق کے اسرار و رموز بیان کئے۔ جب غوث العلمینؒ کی باری آئی۔ آپ نے فرمایا۔

عشق کی تعریف یہ ہے کہ عارف سوائے خدا تعالےٰ کے کسی کو نہ دیکھے بہشت و دوزخ، عذاب و ثواب اور مال و منال واصلین حق کے نزدیک ——————

اتنا کچھ فرمایا تھا۔ کہ آپ پر تحیّر کا عالم طاری ہو گیا۔ یہ رباعی پڑھتے تھے اور بے تابانہ رقص کرتے تھے۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند — فرزند و عیال و خانماں را چہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بدہی — دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

آپ کے ساتھ اولیائے کرام کے عشق کی دبی ہوئی چنگاری بھی بھڑک اُٹھی۔ وہ بھی محبت کے ناپیداکنار سمندر میں کھو گئے۔ "دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند" پڑھتے تھے اور بے اختیار

جھوم جھوم جاتے تھے۔[1]

حضرت محبوبِ الٰہی دہلوی فرماتے ہیں کہ ملتان سے ایک بزرگ ہمارے پاس آئے انہوں نے بیان کیا۔ کہ ایک روز شیخ الاسلام زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا آپ غلبات شوق میں سربسجود ہوکر یہ فرماتے تھے۔ کہ "عشق اندر آیا اور اس نے اپنے سوا باقی سب کو نکال دیا۔ اور ہمارا بھی نشان مٹا دیا" میں نے شمار کیا۔ تو حضرت نے ٹھیک سو (۱۰۰) مرتبہ سجدہ کیا۔ اور یہی فرمایا۔[2]

حضرت گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا پر عشق ومحبت اور جذب وسکر کی کیفیت کا حالت طاری تھی۔ آپ نے فرمایا۔

"دوستو! جب عاشق حقیقی کے دل سے آہ نکلتی ہے۔ تو آتش عشق سے تمام دنیا جل کر خاکستر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی آگ آتشِ محبت سے زیادہ جلانے والی نہیں۔ اس وقت آپ نے یہ رباعی کہی۔ اور ایک مہینہ تک حیرت کے سمندر میں کھوئے رہے ؎

عاشقاں ہر دو جہاں بے تو بیک جو نخرند | ہر زماں خستہ دلاں تیر بلا را سپرند
شرف آں روز کہ غوغا بقیامت باشد | عاشقاں بردرِ درگاہ تماشا نگرند

حضرت گنج شکر سے روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا پر عشق واشتیاق کا عالم طاری تھا۔ اسی حالت میں فرمایا کہ:۔

قیامت کے دن بعض عاشقوں کی گردن میں نور کی زنجیر ڈال کر فرشتے بہشت کی طرف کھینچیں گے۔ مگر وہ لوگ زنجیر کو ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے عرش کے نیچے کھسک جائیں گے۔ کہ دیدار الٰہی سے دل کو ٹھنڈا کریں۔ پھر حکم ہو گا کہ نور کی اور زنجیریں ڈالی جائیں۔ چنانچہ ان کی گردن میں اسی ہزار زنجیریں اور ڈالی جائیں گی

[1] منقول از حضرت گنج شکر قدس سرہ العزیز [2] افضل الفوائد حصہ اول

مگر پھر بھی یہ کھینچیں گے اور شور مچائیں گے۔ اس وقت ندا آئے گی۔ کہ دیدار کا وعدہ تو بہشت میں تھا۔ اس وقت یہ لوگ بہشت میں داخل ہو کر دلی مقصد سے شاد کام ہوں گے۔

یہ بھی حضرت بابا صاحبؒ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اور قطب العلمین سید جلال بخاری برادرم مولانا بہاؤالدین زکریاؒ کے پاس بیٹھے تھے۔ اس وقت حضور عالم مشاہدہ و مکاشفہ میں تھے۔ جب محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے۔ تو عین اس حالت میں اپنے محبوب حقیقی سے درخواست کی یَارَبِّ اَعْطِنِیْ خَیْرًا مِنَ الدَّارَیْنِ وَمَا فِیْھَا۔

آواز آئی۔ اَنْتَ قُطْبُ الْعٰلَمِیْنَ (آپ جہانوں کے قطب ہیں)

عرض کی۔ زِدْنِیْ یَارَبِّ (اے رب مجھے اس سے بھی زیادہ عنایت کیجیے)

جواب ملا۔ اَنْتَ غَوْثُ الْعٰلَمِیْنَ (آپ جہانوں کے غوث ہیں۔)

پھر عرض کی۔ زِدْنِیْ یَارَبِّ (اے رب مجھے اس سے بھی زیادہ عنایت کیجیے)

جواب ملا۔ بَعْدُ هٰذَا دَرَجَةُ الْاَنْبِیَآءِ وَلَیْسَتِ الرِّسَالَةُ بَعْدَ خَتْمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنْ اَعْطَیْتُکَ اَسْمَآءً مِنْ اَسْمَآئِیْ اَنْتَ الشَّیْخُ الْکَبِیْرُ الْمُنِیْرُ وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا

حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اس کے بعد برادرم مولانا بہاؤالدین زکریا حالت صحو میں آئے۔ اور فرمایا:۔

اِذَا قَالَ ذُوْحَاجَةٍ اَوْصَاحِبُ ھَمٍّ فِیْ کُلِّ صَبَاحٍ وَّمَسَآءٍ اَحَدَیْ وَعِشْرِیْنَ یَوْمًا اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ مَرَّةً اِلٰھِیْ بِحُرْمَتِ وَبِبَرَکَتِ شَیْخِ الْاِسْلَامِ قُطْبِ الْعٰلَمِیْنَ غَوْثِ الثَّقَلَیْنِ شَیْخِ الْکَبِیْرِ الْمُنِیْرِ بَھَآءُ الْحَقِّ وَالشَّرْعِ وَالدِّیْنِ مُحَمَّدٌ زَکَرِیَّا قُدِّسَ سِرُّہُ الْعَزِیْزِ اِقْضِ حَاجَتِیْ، قَضَی اللّٰہُ حَاجَتَهٗ دِیْنِیَّةً اَوْدُنْیَوِیَّةً وَّغَفَرَ ذُنُوْبَهٗ وَاِنْ نَوَی اِتْیَانَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَأْتِ حَاجَتُهٗ فَاَنَا ضَامِنٌ فِیْ یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَلَمْ یَزَلْ حَتّٰی

يَقُوْلُهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ هٰذِهِ الْاَسْمَآءَ بِهٰذَا الطَّرِيْقِ۔

یعنی جب کسی کو کوئی مہم آپڑے۔ یا کوئی ضرورت پیش آئے۔ تو اُسے چاہیئے۔ کہ اکیس[۲۱] دن صبح و شام گیارہ دفعہ یہ کلام پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو آسان کر دے گا۔

(کلام کا متن اِلٰهِیْ بِحُرْمَتِ سے شروع ہو کر اِقْضِ حَاجَتِیْ پر ختم ہوتا ہے)۔

اس سے نہ صرف اس کی مشکل حل ہو گی۔ بلکہ خداوند کریم اس کے جملہ گناہ بھی بخش دے گا۔

اور جس نے استقامت ایمان کے لئے یہ دعا پڑھی۔ اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے اس کا ایمان محفوظ رہے گا۔ اور اگر تبرک کے طور پر پڑھی ہے۔ اور کوئی سوال نہیں کیا۔ تو حضرت غوث العلمین فرماتے ہیں۔ کہ میں اس کا قیامت کے دن کا ضامن ہوں۔ اور مناسب ہے کہ ان اسمار کا روزانہ ورد کرتا رہے۔

خشیّت الٰہی ایک دفعہ حضرت غوث العلمینؒ عالم مکاشفہ میں تھے۔ احوال عالم کے علم و اطلاع کے بعد آپ پر اس قدر خوف و ہراس چھایا۔ کہ اُٹھ کر حجرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اور توبہ استغفار کے لئے سجدے میں گر گئے۔ اتنی گریہ وزاری کی کہ مصلیٰ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ کئی دن اسی حالت میں گذر گئے۔ "ہائے" ہائے" کی مسلسل دردناک آواز آرہی تھی جس سے لوگوں کے دل پھٹے جاتے تھے۔ صاحبزادگان اور بعض پیارا ارادتمندوں نے دروازہ کھولنے کے لئے ہر چند الحاح کی۔ مگر کسی کا عرض قبول نہ ہوا۔ انجام کار حضرت کے پیارے پوتے شیخ رکن الدینؒ کو لے آئے۔ انہوں نے دو تین مرتبہ زور سے پکارا۔ "داداجان! دروازہ کھولئے ——"

غوث العلمینؒ فرط محبت سے اُٹھے۔ اور حجرہ کا دروازہ کھول دیا۔

شیخ رکن الدینؒ نے دیکھا۔ کہ خداشناس آنکھیں کثرت مجاہدہ سے سوج آئی ہیں اور اُن سے آنسوؤں کی بجائے خون کے قطرات ٹپ ٹپ گر رہے ہیں۔ عرض کی "حضور اس گریہ وزاری کا سبب کیا ہے؟

فرمایا۔ بیٹا۔ میں نے عالمِ مکاشفہ میں دیکھا۔ ایک شخص بہاؤالدین جو زہد و ورع میں صاحب کمال اور علم و عمل میں یگانۂ روزگار تھا۔ فوت ہو گیا۔ اس کی عبادت و طاعت کسی کام نہ آئی۔ اس کے تمام اعمال اس کے منہ پر مارے گئے۔ اور ایمان سلب کر لیا گیا۔ یہ حال دیکھ کر مجھ پر خوف طاری ہوا۔ کہ خدا جانے اس فقیر بہاؤالدین سے کیا سلوک ہو گا۔ دوسرا یہ کہ روزِ میثاق جب تمام ارواح خداوند کریم کے حضور پیش ہوئیں۔ ارشاد ہوا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ؟ جواب عرض ہوا "بلیٰ"۔ حکم ہوا "میں تمہارا معبود ہوں مجھے سجدہ کرو ــــــــ"!

پہلے حکم پر کئی سجدے میں چلے گئے اور کئی کھڑے رہے۔ دوسرے پر پہلے لوگوں کے ساتھ کئی اور بھی شریک ہو گئے۔ یہ سب مخلصین کہلائے۔ اول مسعود آخر محمود۔ لیکن جنہوں نے سجدہ نہیں کیا تھا وہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ کے مصداق بنا دیئے گئے۔ خدا معلوم یہ ناچیز کس گروہ میں تھا۔ حضرت رکن عالمؒ اس وقت اگرچہ کمسن تھے لیکن مادرزاد ولی تھے۔ اور قطبیت عظمیٰ کے درجہ پر فائز تھے۔ آپ نے عرض کی۔

"دادا جان! آپ ہر دو امور کی بابت تسلی فرمائیں کیونکہ حضور کی رُوح مخلصین کے اس گروہ میں سے ہے جس نے ہر دو مرتبہ خلوصِ دل سے سجدہ کیا۔ اور اپنے مالک حقیقی کو واحدانیت اور یگانگت میں پہچانا۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ آپ کی روح اغواث کی صف میں تھی۔ اور میں اقطاب کی صف میں تھا۔ میں نے چاہا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی صف میں جا کر کھڑا ہوں حضرت جبرائیلؑ کو حکم ہوا کہ "رکن الدینؒ" کو اس صف سے ہٹا دو۔ حضرت جبرائیلؑ نے ایک پر لگایا۔ جس سے میرا پاؤں زخمی ہو گیا۔ میں اقطاب کی صف میں لوٹ آیا۔ اور آپ کی روح پرفتوح کو دیکھا۔ کہ اغواث کی صف میں کھڑی رب العزت کی حمد و ثنا کر رہی تھی"۔

قطب الاقطاب کے بیان سے غوث العلمینؒ کی تسلی ہوئی۔ اسی وقت "جبینِ نیاز" ادائے "شکر" کے لئے خاکِ عبودیت پر رکھ دی۔ اور پھر باہر تشریف لا کر مشتاقانِ جمال کو شربتِ دیدار سے شاد کام فرمایا۔
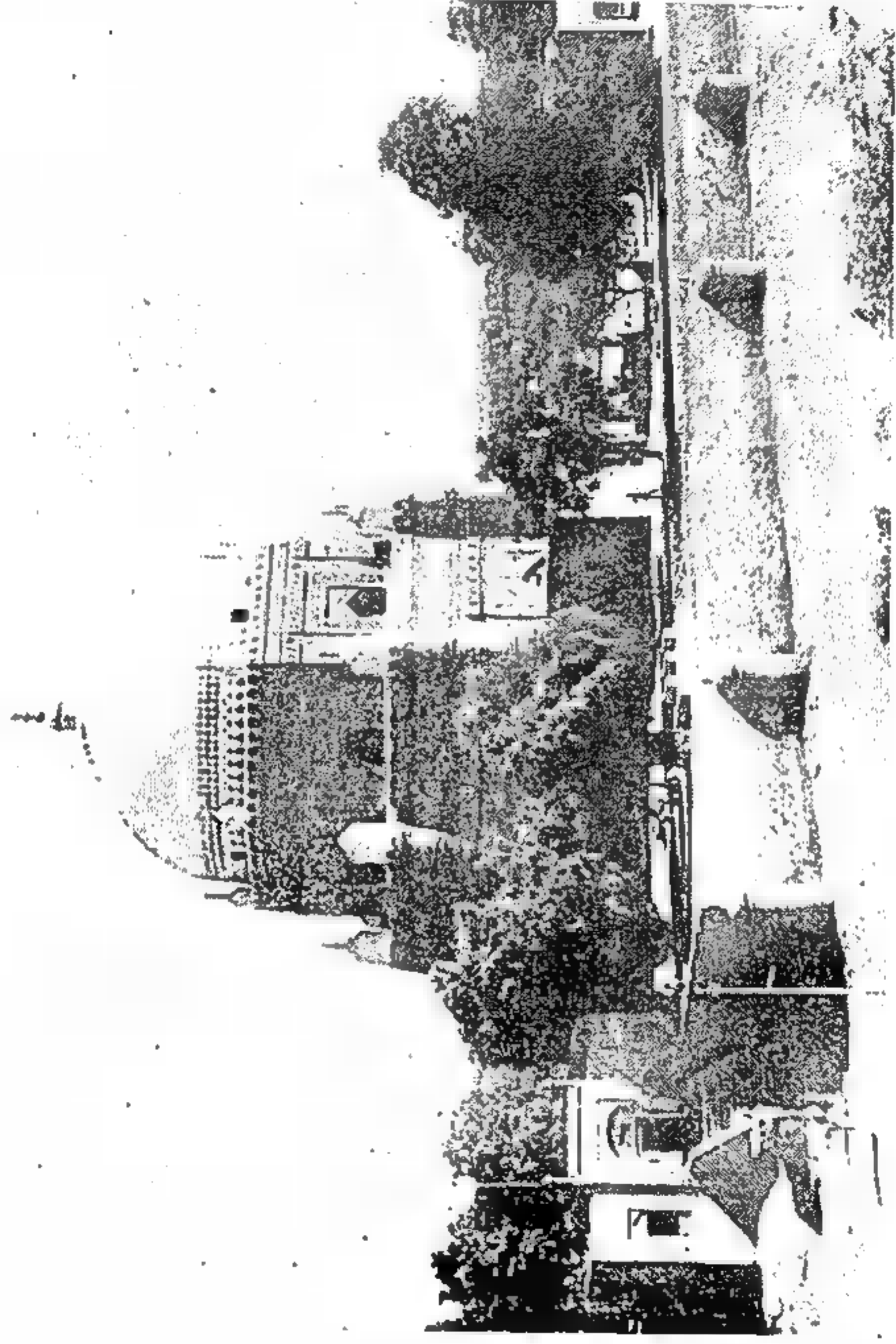
مقبرہ قطب الاقطاب شیخ الاسلام والمسلمین حضرت رکن الدین ابوالفتح ملتانی نبیرہ غوث العلمین قدس اللہ اسرارہم

جو اپنے حسن و جمال شوکت و عظمت، غیر معمولی بلندی اور اعجازی پختگی اور مضبوطی کے باعث نہ صرف دنیا کا ایک عجوبہ ہے۔ بلکہ اسلامی سلطنت کی غیر فانی یادگار ہے اور وسط ایشیاء میں دنیا کے بہت بڑے ولی کو آغوش میں لئے کئی میلوں سے اپنے ارادتمندوں کو خوش آمدید کہتا ہوا دکھائی دیتا ہے ؎

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق — ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

کشف وکرامات

بعض مشائخ کرام نے سلوک کے سو ۱۰۰ مراتب مقرر کیے ہیں۔ اور کشف و کرامات کو ستر ھواں ۱۷ درجہ دیا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک کامل مردود ہے۔ جو اپنے تئیں ستر ھویں ۱۷ درجے پر کشف نہ کرے۔ اگر کریگا تو آگے ترقی نہیں کر سکے گا۔ اگر سوئیں ۱۰۰ درجے پر پہنچ کر کشف کرے تو جائز ہے حضرت بایزیدؒ اور شاہ شجاع کرمانیؒ نے سلوک کے پچاس ۵۰ مراتب مقرر کیے ہیں۔ جن میں دسواں ۱۰ درجہ کشف و کرامات کا ہے۔ جو درویش دسویں مرتبے پر پہنچ جائے۔ وہ ان کے نزدیک صاحب کشف و کرامت ہے۔ خواجگان چشت اہل بہشت نے سلوک کے پندرہ مراتب مقرر کیے ہیں۔ جن میں پانچواں درجہ کشف و کرامت کو دیا ہے۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ اپنی کتاب "اعلام الہدیٰ" میں لکھتے ہیں۔ کہ "ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اولیاء اللہ ہیں۔ جن سے کرامات صادر ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر ایک رسول کے زمانہ میں ان کے تابعین ہوتے تھے۔ جن سے کرامات و خرق عادات ظاہر ہوا کرتے تھے۔ اولیاء کی کرامات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا تتمہ ہے۔ لیکن جو شخص کہ احکام شرعیہ کا ملتزم نہیں اور اس کے ہاتھ پر خرق عادات کا ظہور ہو۔ تو ہمارے اعتقاد میں وہ شخص زندیق اور بے دین ہے اور جو کچھ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ مکر و استدراج[1] ہے۔"

---

[1] ونعتقد ان للاولیاء من امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم کرامات واجابات وهكذا كان فی من كل رسول كان لهم كرامات وخرقات للعادات وكرامات الاولياء من تتمة معجزات الانبياء ومن ظهر له وعلى يده من الخرقات وهو على غير الالتزام باحكام الشريعة نعتقد انه زنديق وان الذى ظهر له مكر واستدراج (عقيدت ارباب التقى)

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ نے نفحات الانس میں کرامات و خرق عادات پر[1] تفصیل سے بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

خرق عادات کے اقسام تو بہت ہیں۔ جیسے معدوم کا موجود اور موجود کا معدوم کر دینا پوشیدہ امر کو ظاہر اور ظاہر کو پوشیدہ کرنا، دعا کا مقبول ہونا، مسافتِ بعید کو تھوڑے عرصہ میں طے کر لینا۔ امور غائب سے باخبر کرنا۔ ایک ہی وقت میں متعدد مکانوں میں حاضر ہونا۔ مردوں کو زندہ کرنا۔ زندوں کو مارنا، حیوانات، نباتات اور جمادات کا کلام اور تسبیح وغیرہ سننا بوقت ضرورت بغیر کسی ظاہری سبب کے طعام کا مہیا کر لینا۔ پانی اور ہوا پر چلنا اور ہوا میں سیر کرنا۔ وحشی حیوانات کا مسخر کر لینا۔ ان کے اجسام میں قوت کا آجانا۔ مثلاً ایک شخص "سکر" اور "وجدان" کے عالم میں اپنے پاؤں سے درخت کو جڑ سے اکھیڑ دے۔ یا دیوار پر ہاتھ مارے تو وہ پھٹ جائے۔ اور بعض اپنی انگلی سے کسی کی طرف اشارہ کیا کرتے ہیں۔ کہ وہ گر جائے پھر وہ اسی وقت گر جاتا ہے۔ یا کسی کی گردن اڑانے کا اشارہ کریں۔ تو فوراً اس کا سر اڑ جائے۔ خلاصہ یہ کہ جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے دوستوں میں سے بعض کو اپنی قدرت کاملہ کا مظہر بناتے ہیں۔ تو جس طرح وہ چاہتے ہیں، تصرف کر سکتے ہیں۔ در حقیقت وہ اثر و تصرف خدا تعالیٰ کا ہی ہوتا ہے۔ جو ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت وہ درویش درمیان میں نہیں ہوتا۔

---

[1] وغیر ذلك من فنون الاعمال الناقضة للعادة كالمشى على الماء والسياحة فى الهواء وكالاكل من الكون وكتسخير الحيوانات الوحشية وكالقوة الظاهرة على ابدانهم كالذى اقتلع شجرة برجله من اصلها وهو يد ورنى السماع وضرب اليد على الحائط فيشق وبعضهم يشير باصبعه الى شخص ليقع فيقع او يضرب عنق احد بالاشارة فيطير راس المشار اليه (نفحات الانس)

گو خرق عادات تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے لیکن بعض معتزلی المشرب اولیاء اللہ کی کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ صدہا سال آج سے پہلے چلا آتا ہے۔

نارِ نمرود کی غلط تاویل فتوحات میں درج ہے کہ ۶۳۵ھ میں ایک فلسفی شیخ ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ یہ شخص خوارق عادات اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا منکر تھا۔ اتفاق سے جاڑے کا موسم تھا۔ اور مجلس میں انگیٹھی جل رہی تھی۔ اس فلسفی نے کہا :۔

"عام لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تھا لیکن وہ نہیں جلے تھے یہ امر محال ہے۔ کیونکہ آگ کا کام بالطبع یہ ہے۔ کہ جو چیزیں جلنے کے لائق ہوں انہیں جلا دے۔"

پھر فلسفی تاویل کرنے لگا کہ :۔

قرآن میں جو آگ مذکور ہے، اس سے مراد نمرود کے غضب کی آگ ہے اور ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے سے مراد یہ ہے۔ کہ نمرود سخت جھنجھلایا۔ اور غصہ سے لال پیلا ہو گیا۔ حضرت کے نہ جلنے سے مقصود یہ ہے۔ کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دلیل و حجت سے اس پر غالب آ گئے تھے۔ اس لئے نمرود کا غصہ فرو ہو گیا۔

جب فلسفی نے اپنی تقریر ختم کی۔ تو حاضرین شیخ کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہ وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔

شیخ نے بڑی متانت سے فلسفی پر نظر ڈالی اور فرمایا۔

کیا تم قرآن کے اس قصہ کا انکار کرتے ہو؟ میں یہ بات تمہیں اسی جگہ دکھا دیتا ہوں۔ اس سے مقصود معجزہ کی صحت کا یقین دلانا ہے۔ اپنی کرامت کا اظہار منظور نہیں!

فلسفی نے کہا۔ یہ قطعاً ناممکن ہے۔

شیخ نے دونوں ہاتھوں سے انگیٹھی کو پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔ اور فرمایا۔ کیا یہ آگ وہی ہے

جس کے متعلق تم کہہ رہے ہو۔ کہ جلانے کی خاصیت رکھتی ہے؟

کہا۔ "ہاں یہ وہی آگ ہے۔"

شیخ نے انگیٹھی اٹھا کر فلسفی کے دامن میں انڈیل دی۔ پہلے تو وہ گھبرایا لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس سے نہ کپڑے جلتے ہیں اور نہ بدن کو حرارت محسوس ہوتی ہے۔ تو وہ حیرت سے ان لال لال انگاروں کو تکنے لگا۔

شیخ بے تکلفی سے انگاروں کو الٹ پلٹ رہے تھے۔ بظاہر دہکتے ہوئے انگاروں کو اٹھا کر فلسفی کے سر اور بدن سے نچھاور کیا۔ وہ اِدھر اُدھر گرے پڑتے تھے۔ مگر کوئی چیز انکی حرارت سے متاثر نہیں ہوتی تھی۔ اب فلسفی نے بھی انگاروں کو ہاتھ میں اٹھانے کی جرأت کی۔ واقعی حرارت کی خاصیت ان سے زائل ہو چکی تھی۔

شیخ نے اس آگ کو پھر انگیٹھی میں ڈال دیا۔ اور اس فلسفی سے فرمایا۔ کہ

"اپنا ہاتھ اس میں ڈال!"

جب فلسفی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ جلنے لگا۔

آپ نے فرمایا۔

"اب یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ کہ آگ کا جلانا یا نہ جلانا خدا تعالیٰ کے حکم میں ہے نہ یہ کہ اس کی طبیعت کا خاصہ ہے۔

فلسفی نے اقرار کیا اور ایمان لے آیا۔

روح سے ملاقات فتوحات میں شیخ نے ایک اور پر لطف واقعہ درج کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ کہ:۔

میں جمعہ کی نماز کے بعد کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ طواف کرتا ہے لیکن کسی سے مزاحم نہیں ہوتا۔ اور نہ کوئی اس کی مزاحمت کرتا ہے۔ بلا تکلف دو

آدمیوں کے درمیان آجاتا ہے۔ اور انہیں جدا نہیں کرتا۔ میں نے سمجھ لیا۔ کہ یہ رُوح ہے اور انسانی قالب میں طواف کرتی پھرتی ہے۔ میں نے اس کا خیال رکھا جب وہ شخص قریب آیا۔ تو اُسے سلام کہا۔ اُس نے مجھے جواب دیا۔ اور میں اس کے ہمراہ ہولیا۔

ہم نے آپس میں چند باتیں کیں۔ وہ شیخ احمد سینی کی رُوح تھی۔ جب میں اس سے رخصت ہو کر اپنے دوستوں کے پاس آیا۔ تو ایک صاحب نے کہا۔

"یار! وہ کون آدمی تھا۔ جو مطاف میں آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔!"

میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ تو حاضرین نے تعجب کیا۔

شہزادی کو بچا لیا مولانا جامی فتوحات کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ کہ ایک درویش نے شیخ سے کہا۔ کہ بادشاہ کی لڑکی سخت بیمار ہے۔ چونکہ فقراء اور مساکین کی پرورش کرتی ہے اور بڑی نیک بخت ہے۔ اس لئے لازم ہے۔ کہ آپ وہاں تشریف لے جا کر شہزادی کو دُعا کریں۔ یہ سن کر شیخ شاہی محل کو روانہ ہوئے۔ شہزادی کے شوہر نے استقبال کیا۔ اور شیخ کو مریضہ کے سرہانے لا بٹھایا۔

شیخ نے دیکھا کہ وہ عالت نزع میں ہے۔ فرمایا۔

"جلدی پکڑو۔ یہ تو چلی ——— !"

اس کے خاوند نے گھبرا کر عرض کی۔

"حضور! میں اسے کیسے پکڑوں ——— !!"

حضرت مریضہ کے تنفس کی طرف متوجہ تھے۔

فرمایا:۔

"اسے خرید لیا ہے۔ اس کا پورا خون بہا لے آؤ۔!"

نزع اور جان کندنی کی حالت میں توقف پڑ گیا۔ لڑکی نے آنکھ کھولی اور شیخ کی طرف دیکھ کر لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا۔

"السلام علیکم۔!"

شیخ نے کہا۔

"بیٹی! قطعی خوف نہ کر۔!! ہم نے تجھے ملک الموت سے چھڑا لیا ہے۔ تو بڑی قدر اور مرتبہ والی ہے۔ اگر تو زندہ رہے گی۔ تو لوگوں کو تجھ سے فائدہ پہنچے گا۔ میری ایک بچی ہے جو مجھے بہت پیاری ہے۔ میں اُسے تجھ پر سے تصدق کرتا ہوں۔"

پھر ملک الموت کی طرف متوجہ ہوئے۔

فرمایا "کہ تم بغیر کوئی جان لئے واپس جانے والے نہیں ہو۔ اچھا میری بیٹی کی روح اس کے بدلے میں لے لو شہزادی کو تو میں خدا تعالیٰ سے خرید چکا ہوں۔"

اس کے بعد شیخ اپنی لڑکی کے پاس گئے۔ اُسے کوئی بیماری نہ تھی۔ گھر کے صحن میں بیٹھی کام کر رہی تھی۔ باپ کو آتا دیکھ کر ادب سے کھڑی ہو گئی۔ شیخ نے کہا۔

"اے لختِ جگر! مجھے اپنی جان بخش دے۔ کیونکہ نفع رسانی میں تو شہزادی کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔"

اس معصومہ نے بلا تامل عرض کیا۔

"اے پدر بزرگوار! میری جان آپ کے حکم میں ہے۔ جو مناسب سمجھئے عمل میں لائیے"

شیخ نے ملک الموت سے فرمایا۔

"آگے بڑھ اور اس کی روح قبض کر۔!"

اُسی وقت شیخ کی لڑکی فرش پر گر پڑی۔ اور مر گئی۔[1]

---

[1] نفحات الانس فتوحات مکیہ

پتھر سے درخت پھوٹ نکلا شیخ عدیؒ کے پاس ایک مرید آیا۔ اور بولا۔

"اے شیخ! میں چاہتا ہوں کہ اس جنگل میں رہوں اور لوگوں سے قطع تعلق کر لوں کیا اچھا ہوتا کہ یہاں پانی ہوتا کہ میں پیا کرتا۔ اور کچھ کھانے کو مل جاتا کہ میں اپنی قوت بناتا۔" شیخ اُٹھا وہاں پر دو پتھر پڑے تھے۔ ایک پر پاؤں مارا تو اس سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ دوسرے پر پاؤں مارا تو انار کا ایک درخت پھوٹ نکلا۔ انار سے کہا۔ "اے درخت ہر روز خدا کے حکم سے ایک انار شیریں اور دوسرے دن کھٹا دیا کر۔" امام یافعیؒ لکھتے ہیں کہ ہم نے اس انار کا مشاہدہ کیا تھا۔ واقعی وہ دنیا کے بہترین اناروں سے[1] تھا۔

وقت میں فراخی پیدا ہو گئی شیخ الشیوخ ابن سکینہ رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مرید قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ جب فِی یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ پر پہنچا۔ تو اس کے دل میں ایک تردد سا پیدا ہوا۔ کہ ایک دن ہزار سال کا کیونکر ہو سکتا ہے، یہ شخص فن زرگری میں ماہر تھا۔ جمعہ کے دن شیخ کی خانقاہ سے درویشوں کے مصلّے مسجد جامع میں لے جا کر بچھاتا اور نماز کے بعد انہیں لپیٹ کر واپس خانقاہ میں لے آتا جمعہ کا دن تھا۔ اس کے ہاں چند مہمان آئے ہوئے تھے۔ اس نے بازار سے مچھلی خرید کر گھر میں دی۔ کہ اسے مہمانوں کے لئے تل رکھیں۔ نماز کا وقت قریب تھا۔ اس نے مصلّے مسجد میں پہنچانے تھے۔ لیکن اس نے سوچا کہ پہلے دریا پر جا کر غسل کر لوں۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دجلہ پر پہنچا۔ کپڑے اتار کر کنارہ پر رکھے اور خود پانی میں اُتر گیا۔ ڈبکی لگا کر جب سر باہر نکالا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ نہ وہ دریا ہے اور نہ وہ شہر۔

لوگوں سے پوچھا "یہ کون سا دریا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "دریائے نیل۔!"

سنار تعجب میں پڑ گیا۔ پانی سے باہر نکل آیا۔ شہر قریب ہی نظر آ رہا تھا۔ وہی تہمد پہنے شہر

---

[1] تاریخ امام یافعیؒ ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہو گی۔

میں گیا۔ اور ایک سنار کی دوکان پر جا کر چپ چاپ ٹھہر گیا۔ دوکاندار نے فراست سے معلوم کر لیا۔ کہ یہ کوئی سنار ہے۔

بلا کر قریب بٹھایا۔ اور آزمائش کے لئے تھوڑا سا کام دیا۔ جسے اس نے عمدگی سے کر لیا۔ دوکاندار نے اس کی بڑی عزت کی۔ گھر لے گیا۔ اور اپنی لڑکی کا اس سے نکاح کر دیا۔ سات سال اس شخص کو اسی طرح مصر میں گذر گئے۔ اس بیوی سے اس کے تین لڑکے پیدا ہوئے ایک دن معمول کے مطابق نیل پر آیا۔ نہانے کے لئے ڈبکی لگائی جب سر باہر نکالا۔ تو دیکھا کہ بغداد کے دجلہ میں کھڑا ہے۔ اور کپڑے جو سات سال پہلے پہن کر آیا تھا۔ جوں کے توں ایک پتھر پر رکھے ہیں۔

سنار نے جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ اور افتاں و خیزاں خانقاہ میں آیا۔ دیکھا کہ مصلّے اُسی طرح بندھے پڑے ہیں چند درویش جو خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ بولے "جلدی مصلّے مسجد میں لے جا۔ کیونکہ جماعت کے کئی درویش صبح سے مسجد گئے ہوئے ہیں۔

سنار وہم بخود مصلّے اُٹھا مسجد پہنچا۔ اور نماز کے بعد انہیں لپیٹ کر خانقاہ میں لے آیا۔ گھر گیا۔ تو بیوی نے تلی ہوئی مچھلی سینی میں رکھ کر پیش کی۔ کہ مہمانوں کو کھلاؤ۔ سنار نے مہمانوں کو کھانا کھلایا۔ اور اس کے بعد شیخ ابن سکینہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ تمام ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "مصر جا کر اپنے بچوں کو لے آ۔ پھر اس امر پر غور کریں گے"۔ سنار چند دنوں میں ہی اپنی بیوی بچوں کو مصر سے لے آیا۔ بغداد کے ہر گھر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔

شیخ نے سنار سے پوچھا۔ کہ اب یہ بتا۔ کہ اس دن تم کس فکر میں تھے۔ اور تمہارے دل میں کیا بات آئی تھی۔

اس نے دل کا تردد بیان کیا ——— خدا نے تیرے ایمان اور اعتقاد کی درستی کیلئے زمانے کی درازی اور فراخی کا نمونہ پیش کیا۔ وہ اس امر پر قادر ہے کہ بعض بندوں کی نسبت زمانے

کو فراخ اور دراز کر دے۔ باوجودیکہ دوسروں کے لئے وہ زمانہ تھوڑا ہو۔ اور یہی زمانہ کے قبض کا حال ہے۔ کہ اگر چاہے تو لمبے زمانہ کو تھوڑا کر دے۔ واللہ قادرٌ علی من یشاء

لہ خرقِ عادت کے منکرین کا تمام تر استدلال یہ ہے کہ خرقِ عادت، قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ اور جو چیز قانونِ فطرت کے خلاف ہو۔ وہ ممتنع ہے۔ اس دلیل کے دوسرے حصے سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن پہلے حصے کے ثابت ہونے کا کیا طریقہ ہے۔ کیا فطرت کے تمام قوانین منضبط ہو چکے ہیں؟ کیا اس پر اطمینان ہو چکا ہے کہ ہم جن امور کو قانونِ فطرت سمجھ رہے ہیں۔ وہ درحقیقت قانونِ فطرت ہیں۔

علوم جدیدہ کی تحقیقات اور تجربہ نے سینکڑوں ایسے قوانین فطرت دریافت کئے۔ جو پہلے مطلق معلوم نہ تھے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے۔ صدہا سال سے فقراء کے متعلق یہ واقعات منقول چلے آتے ہیں۔ کہ وہ محض توجہ قلب سے دوسرے شخص کو مدہوش و متاثر کر سکتے تھے۔ موجودہ زمانہ کا مادہ پرست طبقہ اسی بنا پر انکار کر رہا ہے۔ کہ یہ خلاف قانون فطرت ہے کہ ایک مادہ بغیر اس کے کہ دوسرا مادہ اس سے ملاقی ہو۔ کسی قسم کا اثر قبول نہیں۔ لیکن جب مسمریزم کے تجربوں نے قوت نفسانی کا اثر ثابت کیا۔ تو پچھلے تمام واقعات تسلیم کرنے پڑے۔ آج مسمریزم کا ایک مشاق علی رؤس الاشہاد دوسرے اشخاص کو محض قوت نظر یا قوتِ نفس سے بے ہوش کر سکتا ہے۔ اس سے جو بات چاہے۔ کہلوا سکتا ہے۔ جو کام چاہے کرا سکتا ہے۔

قدیم عربی کتابوں میں مذکور ہے۔ کہ مصر میں ایک مچھلی ہوتی ہے۔ جس کے چھونے سے جسم پر رعشہ طاری ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آگر آدمی اس کو ہاتھ سے پھینک نہ دے۔ تو رعشہ کی شدت سے بیہوش ہو کر گر جائے۔ یہ واقعہ ایک عرصہ تک خلافِ عقل قرار دیا جاتا رہا۔ لیکن موجودہ تحقیقات نے اس مچھلی کا وجود ثابت کر دیا۔ اور معلوم ہوا کہ اس میں بجلی ہوتی ہے۔

خود یورپ کے محققین اس بات کو تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ کہ جس قدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے۔ ناممکن چیزیں ممکن ثابت ہوتی جاتی ہیں۔ فرانس کا مشہور فاضل کیمیل فلامریان (فزیکل سائنس کا ماہر) لکھتا ہے۔ کہ انسان کی فطری عادت یہ ہے کہ جو چیز بظاہر مشکوک ہوتی ہے یا جس کو وہ نہیں جانتا۔ اور سمجھ نہیں سکتا۔ اسکے وجود سے انکار کرتا ہے۔ ہیروڈوٹس یا پلین کی تحریروں میں اگر ہم یہ پڑھتے کہ ایک عورت کی ران میں چھاتی تھی۔ اور وہ اس سے اپنے بچہ کو دودھ پلاتی تھی۔ تو ہمیں بے اختیار ہنسی آتی۔ اور ہم استہزا کرتے۔ لیکن پیرس کی علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۷۰ء میں یہ واقعہ برأی العین مشاہدہ کیا گیا۔ اسی طرح اگر کوئی ہم سے یہ کہتا۔ کہ ایک شخص مر گیا۔ اور جب اس کی تشریح کی گئی۔ تو اس کے پیٹ میں ایک بچہ پایا گیا۔ جو اس شخص کا توام تھا۔ اور اس کے جسم میں پرورش پاتا رہا تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے لیکن چند روز ہوئے (باقی صفحہ ۲۵۳ پر)

قطب الاقطابؒ نے مردہ زندہ کر دیا | ایک مرتبہ قطب الاقطاب چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں سلوک کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۲)

ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ ایک بچہ چھبیس برس تک بدن ہی میں پرورش پاتا رہا۔ اور پھر ظاہر ہوا۔

ہیروڈوٹس کے ایک مترجم نے لکھا ہے۔ کہ لوگوں کا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی روکسان نے ایک بچہ دیا تھا جس کا سر نہ تھا۔ خلاف عقل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آج تمام طبی ڈکشنریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہیں" اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں۔ کہ ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ کیونکہ جو لوگ بغیر بصیرت کے انکار کر دیا کرتے ہیں۔ وہ جاہل اور کودن ہیں۔

دنیا میں خرق عادات سے ہمیشہ اس فرقہ کو انکار رہا ہے۔ جو طبیعی اور مادہ پرست ہوتا ہے۔ یورپ کا ایک مدت تک یہی حال رہا۔ پھر ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے روح اور روح کے اثرات کی تحقیقات پر توجہ دی۔ ان لوگوں نے کافی تجربات کے بعد یہ دعویٰ کیا۔ کہ رُوح جسم سے ایک جداگانہ چیز ہے۔ اور اس کے قویٰ اور ادراکات بالکل الگ ہیں۔ رُوح سینکڑوں کوس سے بغیر حواس کی وساطت کے ہر چیز کو دیکھ سکتی ہے اور سن سکتی ہے۔ رُوح آئندہ واقعات کا ادراک کر سکتی ہے۔ روح کوسوں تک اپنا اثر پہنچا سکتی ہے۔ غرض روح کے ذریعہ سے بہت سے ایسے افعال ہو سکتے ہیں۔ جن کو خرق عادت کہا جاتا ہے۔ اس فرقہ نے اپنے دعویٰ کو اس بلند آہنگی سے ظاہر کیا۔ کہ لوگوں کو اس کی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ۱۸۶۹ء میں بمقام لنڈن ان امور کی تحقیقات کے لئے ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ اٹھارہ ماہ تک یہ مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی۔ انجام کار اس نے جو رپورٹ مرتب کی۔ اسکے بعض فقرات یہ ہیں۔

"مجلس نے اپنی رائے کا مدار صرف ان تجربات پر رکھا۔ جو مجلس نے برای العین مشاہدہ کئے۔ اور جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجلس میں ۴/۵ ممبر ایسے تھے۔ جو شروع میں ایسے واقعات کے سخت منکر تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ ان واقعات میں یا تو فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کے عصبی نظام کا اثر ہے لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربوں کے بعد ان کو یہ اقرار کرنا پڑا۔ کہ یہ خرق عادات حقیقی اور واقعی ہیں"۔

اس کے بعد انگلستان اور امریکہ میں اس کی تحقیقات کے لئے ایک اور مجلس بیٹھی۔ جس کے ممبر ہنری وب اور ہوڈسن تھے۔ یہ مجلس تقریباً بارہ برس تک تحقیقات میں مصروف رہی۔ بالآخر ۱۸۹۹ء میں اس نے اپنی تحقیقات ختم کی۔ اور ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا۔ چنانچہ رپورٹ کے خاتمہ پر لکھا ہے کہ (باقی بر صفحہ ۲۵۴)

"سلوک کی دنیا میں کامل مرد وہ ہے۔ کہ جب ولایت کے مرتبہ کو پہنچے۔ اگر اس وقت مُردے کے حق میں دعا کرے تو وہ زندہ ہو جائے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۳)

"مجھے اُمید ہے۔ کہ مَیں پرس دن کے بعد تمام دنیا کو بدلائل قطعیہ یہ ثابت کر دونگا۔ کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہ خرق عادات دیکھے۔ جن کی نسبت کسی طرح شعبدہ اور فریب کا احتمال نہیں ہو سکتا۔"

ہوڈسن کی رپورٹ کے چند جملے ملاحظہ ہو۔

"دنیا کو بہت جلد عظیم الشان اطلاعات موصول ہونے والی ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ایک دو برس میں دنیا کے لئے انسانی زندگی کے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کر دونگا۔ اگر پروفیسر ہیزلوب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے مردوں کی روحوں کے ساتھ باتیں کیں۔ تو اس نے بالکل سچ دعویٰ کیا ہے۔"

ایک اخبار کے نامہ نگار نے ہوڈسن سے اسی مسئلہ کے متعلق بات چیت کی تو اس نے یہ الفاظ کہے:۔

"میں نے اور پروفیسر ہیزلوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کی۔ ہم دونو دہریہ تھے۔ اور کسی شے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ تحقیقات سے ہماری یہ غرض تھی۔ کہ مدعیان روحانیت جو شعبدہ بازیاں کرتے ہیں ان کی پردہ دری کی جائے۔ لیکن آج میں اس بات کا قائل ہوں۔ کہ مُردوں سے بات چیت ہو سکتی ہے۔ اور اس کے متعلق ایسے دلائل ظاہر ہو چکے ہیں۔ کہ اب شبہ کی مطلقاً گنجائش نہیں رہی۔"

رسل ویلز اپنی کتاب "عجائبات رُوح" میں لکھتا ہے کہ

"میں محض دہریہ تھا۔ مجھ کو ذرہ بھر بھی خیال نہ تھا۔ کہ میں رُوح کا معترف ہو سکونگا۔ لیکن حیرت خیز مشاہدات نے مجھے مجبور کر دیا۔ کہ میں ان حقیقی چیزوں کو حقیقی اور واقعی تسلیم کروں۔

۱۸۹۲ء میں بمقام میلان ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی۔ نامور حکماء نے اجلاس میں ان امور کی تحقیقات کی۔ اور بالآخر اپنی رپورٹ میں لکھا۔ کہ جو خرق عادات ہم نے مشاہدہ کئے۔ ان میں کسی قسم کی شعبدہ بازی اور چالاکی نہیں تھی۔ اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہیں۔ کہ مسائل علمیہ میں داخل کئے جائیں۔

اس قسم کی صدہا شہادتیں ہیں۔ جنہیں نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس لئے ہم بوعلی سینا کی رائے پر اکتفا کرتے ہیں۔ انہیں بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار رہا۔ لیکن جو صوفیائے کرام اس زمانہ میں موجود تھے۔ ان کی کرامات اس کثرت سے ان کے مشاہدے میں آئیں۔ کہ بالآخر ان کو اعتراف کرنا ہی پڑا۔ اشارات میں خود ان کے الفاظ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔

(باقی صفحہ ۲۵۵ پر)

خواجہ صاحب ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے۔ کہ ایک بڑھیا روتی ہوئی آئی۔ اور عرض کی۔
"حضور! میری فریاد سنیئے۔ بادشاہ نے میرے لڑکے کو بے گناہ پھانسی پر چڑھا دیا ہے"
یہ سنتے ہی آپ کھڑے ہو گئے۔ عصا ہاتھ میں لیا۔ اور احباب کو ہمراہ لے بڑھیا کے پیچھے روانہ ہوئے۔ وہ حضرت کو لاش کے پاس لے گئی۔ لڑکا پھانسی پر لٹکا ہوا تھا۔ شیخ نے مصلوب کی گردن پکڑ کر آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہا۔

"اے پروردگار! اگر یہ لڑکا بے گناہ سولی پر چڑھایا گیا ہے۔ تو اسے زندہ کر دے"
ابھی یہ جملہ حضرت کے منہ میں تھا۔ کہ لڑکا زندہ ہو گیا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ دہلوی یہ روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ مرد کا کمال اسی قدر ہوتا ہے جب انسان اس درجے پر پہنچ جائے۔ تو پھر اس سے آگے کا مقام سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ کہ

"درویشی کے ستر مرتبے ہیں۔ جن میں سے پہلا یہ ہے۔ کہ جب درویش اسے طے کرلے تو اسے اتنی روحانی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ اگر زمین کی طرف نگاہ کرے۔ تو تحت الثریٰ تک کی چیزیں دکھائی دینے لگیں۔ اور اگر آسمان کی جانب نظر اٹھائے۔ تو عرشِ عظیم بے حجاب نظر آئے۔ لیکن جو درویش ستر ہزار مراتب طے کر لیتا

(بقیہ حاشیہ ۲۵۵) اس پر تو سپرچولیزم والے بھی صاف تسلیم کرتے ہیں۔ کہ روح ایک مستقل جداگانہ چیز ہے۔ اور یہ خوارق عادات اسی کے آثار ہیں۔ جو لوگ روح کے قائل نہیں۔ ان کو بھی مشاہدات اور تجربوں کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان میں کوئی ایسی قوت ہے۔ جس سے وہ خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں۔ جو جسم اور مادہ سے سرزد نہیں ہو سکتے۔
غرض خرق عادات و کرامات اہل اللہ کا ہر سلیم الفطرت انسان عام اس سے کہ وہ عالم ہو یا جاہل، رند ہو یا صوفی متمدن ہو یا وحشی کم عقل ہو یا فلاسفر اعتراف و اقرار کرتا ہوا "کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ" کا نعرہ لگاتا ہے۔
(تذکرۃ العارفین از مولانا غلام قادر صاحب اشرفی فرید کوٹی)

ہے۔اس کی روح عظمتِ کبریا کے ساتھ مل جاتی ہے۔یہ بات عقل و فکر میں نہیں آسکتی۔یہ عقل کی حد سے باہر ہے۔"

بعد ازاں فرمایا۔

"جس طرح درویشی کا مقام ستر ہزار عالم سے بالاتر ہے۔اسی طرح جو درویش ستر ہزار عالم سے با خبر نہیں۔وہ درویش ہی نہیں۔اس میں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جب مراقبہ کرے تو اٹھارہ ہزار عالم کے گرد پھر آئے۔اور جب واپس آئے۔تو اپنے تئیں سجادہ پر پائے"[1]

یہ کسی عامی کے الفاظ نہیں بحضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا دہلوی کا دعویٰ ہے۔جن کی عظمت اور جلالت کے آگے علاؤالدین خلجی جیسے قہرمان سلاطین نے سر جھکا دیے تھے۔دنیائے تصوف کا جلیل القدر شہر یار کہ سات سو برس سے اس کی مرقدِ پاک مرجع خلائق چلی آتی ہے۔اور آج جبکہ کفرستانِ ہند میں کوئی مسجد اور کوئی خانقاہ محفوظ نہیں ہے۔بھارت کے بڑے بڑے سکھ اور ہندو لیڈر حضرت کی آرام گاہ پر حاضر ہو کر عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔یہ شخصیتیں تصرفات اور کشف و کرامات کی دنیا سے ورا الورا ایسے مقام پر پہنچ چکی تھیں۔کہ طرفتہ العین میں اٹھارہ ہزار عالم کی سیر کر لیتی تھیں۔ان کی روحیں عظمت کبریا کے ساتھ کچھ اس طرح سے مل چکی تھیں۔کہ انسانی عقل و فکر اس کا ادراک تک نہیں کر سکتی۔مادہ پرست حضرات اپنی جگہ سچے ہیں۔وہ بچارے ان باتوں کو کیا جانیں۔سلوک کی وادی میں جب کوئی شخص داخل نہیں ہوا۔اُسے اس کی عجائبات کا کیا علم۔بقول حکیم نیراز ع

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

کرامت معیارِ درویشی نہیں | محبوب الٰہیؒ دہلوی فرماتے ہیں۔کہ جب اولیاء اللہ شوق کے غلبات میں ہوتے ہیں۔تو "سکر" کے عالم میں ان سے خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔لیکن جو کامل ہیں ان سے کسی قسم کا بھید ظاہر ہونے نہیں پاتا ع

[1] راحت المحبین

مرداں ہزار دریا خوردند و تشنہ رفتند

آگے چل کر فرماتے ہیں۔ کہ کرامت درویشی کے لئے حجاب کا مرتبہ رکھتی ہے۔ جن لوگوں نے درویشی کا معیار کشف و کرامات قائم کر رکھا ہے۔ انہیں یہ سن کر مایوسی ہوگی۔ کہ مستقیم الاحوال درویشوں سے خوارق اور کرامات کا اظہار بہت کم ہوتا ہے۔ اس موقع پر حضرت محبوب الہیؒ نے شیخ سعدالدین حمویہؒ کی ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے کہ آپ کے ملک کا بادشاہ ایک دفعہ آپ کو ملنے آیا حضرت کے آگے سیبوں سے بھرا ہوا ایک تھال رکھا تھا۔ آپ سیب چاقو سے کاٹ کاٹ کر خود بھی کھا رہے تھے۔ اور بادشاہ کو بھی کھلا رہے تھے۔ تھال میں ایک سیب سب سے بڑا تھا۔ بادشاہ کی نظر اس پر پڑی۔ تو اس نے خیال کیا۔ کہ اگر شیخ میں کچھ کرامت اور صفائی ہے۔ تو وہ سیب اٹھا کر مجھے دے گا۔

جونہی بادشاہ کے دل میں یہ خیال آیا۔ شیخ نے ہاتھ بڑھا کر وہ سیب اٹھا لیا۔ اور بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرنا شروع کیا۔ فرمایا۔

ایک دفعہ میں سیر کرتے کرتے ایک شہر میں جا نکلا۔ وہاں ایک قلندر کو تماشا کرتے دیکھا بہت سے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو رہے تھے۔ میں بھی چلا گیا۔ دیکھا کہ اس نے ایک گدھے کی آنکھیں کپڑے سے باندھ رکھی ہیں۔ اسی اثنا میں قلندر نے ایک انگوٹھی جیب سے نکال کر ایک شخص کے حوالے کی۔ اور تماشائیوں سے کہا۔ اب یہ گدھا بتائے گا کہ انگوٹھی کس کے پاس ہے۔ پھر گدھے کو پکڑ کر اس مجمع میں پھرایا۔ وہ ہر ایک کو سونگھتا تھا۔ اور آگے بڑھ جاتا تھا یہاں تک کہ جب وہ انگوٹھی والے آدمی کے پاس پہنچا۔ تو اسے سونگھ کر ٹھہر گیا۔ قلندر نے اس آدمی سے انگوٹھی لے لی۔

حکایت ختم کرنے کے بعد شیخ نے بادشاہ سے فرمایا۔ کہ

"اگر لوگ کرامت یا کشف دکھائیں۔ تو اس گدھے کی مانند ہیں۔ اور اگر نہ دکھائیں تو

تم لوگ سمجھتے ہو کہ یہ درویش صفائی اور کرامت سے خالی ہے"۔
یہ کہہ کر سیب اس کی طرف پھینک دیا۔ بادشاہ بڑا شرمندہ ہوا۔
یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے۔ کہ اگر کشف و کرامت سلوک میں محمود تصور نہیں ہوتی۔ تو پھر اکابر اولیاء اللہ سے اس قسم کے خوارق ظہور میں کیوں آئے! سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ، داتا گنج بخش، شیخ الہند اجمیری، شاہ یوسف گردیزاور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ علیہم اجمعین اس پایہ کے درویش ہیں کہ ان کی روحانی عظمت کا آج تک ان کے کسی مخالف نے بھی انکار نہیں کیا۔
ان تمام سے کشف و کرامات کا صدور ثابت ہے۔ صاحب فوائح العرفان نے صفحہ ۹۸ پر اس امر کو صاف طور پر واضح کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"اگرچہ اہل کمال کے نزدیک کشف و کرامت کی کچھ وقعت نہیں۔ لیکن جو عارف مخلوق کے افاضہ اور تلقین پر مامور ہو۔ اس سے خرق عادت باتیں سرزد ہوتی ہیں جن سے لوگوں کا اعتقاد ان کے حق میں راسخ ہو۔ اس سے ان کے کمال میں کچھ نقصان پیدا نہیں ہوتا۔ خلاف اس کے سالک کے لئے جو ابھی منازلِ راہ طے کر رہا ہو ظہور خرق عادت خلل کا باعث ہوتا ہے۔"

حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں۔

جو شخص ابتدا میں غلبات شوق کی وجہ سے اسرار ظاہر کر دے۔ وہ اس کی خام کاری ہے کیونکہ جہاں تک نگہداشت کی حد ہے۔ وہاں تک اسے محفوظ رکھنا ہی چاہیئے لیکن جب درویش دوست کے اسرار سے مالا مال ہو جائے۔ اس وقت اگر اس کی زبان سے کوئی بات نکل جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جب جگہ ہی نہ رہے تو وہ پھر کیا کرے۔ (اردو ترجمہ اسرار الاولیا)

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الیواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں کہ انبیاء معجزات کے

ذریعے مشرکین پر غلبہ پکڑتے ہیں۔ اور اولیا کرامات کے ذریعے تاکہ وہ اصلاح پذیر ہو جائیں اور اطمینان حاصل کر لیں[۱]۔

حضرت امام حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا۔ کہ صحابہ کرام سے کرامات اس کثرت سے وقوع میں کیوں نہیں آئیں جتنی کہ ان کے بعد کے اولیا کرام سے صادر ہوئیں۔ فرمایا صحابہ کرام کا ایمان بدرجہ غایت قوی تھا۔ اس لئے انہیں کرامات ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ لیکن ان کے بعد جب لوگوں کا ایمان ضعیف ہو گیا۔ تو اسے تقویت دینے کے لئے اولیا کرام سے کرامتوں کا اظہار ہوا[۲]۔

حضرت محبوب الہی دہلویؒ نے امام شافعی رحمتہ اللہ عنہ کا ایک پُرلطف واقعہ بیان کیا ہے فرماتے ہیں:۔

ایک مرتبہ بغداد میں قیصر روم کے قاصد مناظرہ کے لئے آئے۔ ہارون رشید نے امام شافعی سے درخواست کی۔ کہ آپ ان سے بحث کریں۔

امام نے منظور فرمایا۔ اور کہلا بھیجا کہ کل دجلہ کے کنارے بحث ہوگی۔ دوسرے دن خلیفہ نے دجلہ کے کنارے دربار لگایا۔ روم کے قاصد تخت کے پاس آ بیٹھے۔ اور بحث کے لئے تقاضا کرنے لگے۔ اتنے میں امام صاحب بھی آ پہنچے۔ اور مسلمانوں کو سلام کر کے دریا کی طرف بڑھے چلے گئے۔ منجدھار میں سطح آب پر مصلیٰ بچھا دوگانہ ادا کیا۔ اور وہیں سے پکار کر کہا۔ کہ

---

[۱] فَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ یَحْتَجُّوْنَ بِالْمُعْجِزَاتِ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ وَالْاَوْلِیَاءَ یَحْتَجُّوْنَ بِالْکَرَامَاتِ عَلٰی نُفُوْسِهِمْ لِتَقُلَّهَا وَلِنُفُوْسِهِمْ لِتَطْمَئِنَّ ص۱۰۱

[۲] وَقَدْ سُئِلَ الْاِمَامُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لِمَ لَمْ یَشْتَهِرْ عَنِ الصَّحَابَةِ مِنْ کَثْرَةِ الْکَرَامَاتِ کَمَا وَقَعَ لِمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْاَوْلِیَاءِ۔ فَقَالَ اِنَّمَا لَمْ یَشْتَهِرْ عَنِ الصَّحَابَةِ کَثْرَتُ کَرَامَاتٍ لِاَنَّ اِیْمَانَهُمْ کَانَ فِیْ غَایَةِ الْقُوَّةِ بِخِلَافِ اِیْمَانِ مَنْ بَعْدَهُمْ فَکُلَّمَا ضَعُفَ اِیْمَانُ قَوْمٍ کَثُرَتْ کَرَامَاتُ اَوْلِیَاءِ عَصْرِهِمْ تَقْوِیَةً لِیَقِیْنِ ضُعَفَاءِ مِنْهُمْ (الیواقیت والجواهر ص۱۰۲)

جس کسی نے ہم سے بحث کرنا ہو۔ یہاں آکر نپٹ لے۔

عیسائیوں نے جب یہ کرامت دیکھی۔ تو اُٹھ کر اپنی پگڑیاں گلے میں ڈالیں۔ اور عرض کی۔ حضور! ہم نے اسلام کی حقانیت دیکھ لی۔ آپ تشریف لے آئیں۔ تاکہ ہم معافی مانگیں۔ آپ مصلّی سے اُٹھ کر دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ سب نے قدموں میں سر رکھ دیئے جب یہ خبر قیصر روم نے سُنی۔ تو کہا۔

"شکر ہے کہ امام صاحب یہاں نہیں آئے۔ ورنہ روم کے سارے لوگ مسلمان ہو جاتے۔"

امام صاحب کی اس کرامت کو "عالم سکر" اور شوق غلبات سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ آپ نے "عالم صحو" میں ہی اس کرامت کا اظہار کیا۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ مناظروں سے تنازع فیہ اُمور کے فیصلے بہت کم ہوتے ہیں۔ اگر بغداد کے علماء و مشایخ ان عیسائیوں سے بحث کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ تو ان کے کئی دن اس مناظرہ کی نذر ہو جاتے۔ مگر پھر بھی یہ نتیجہ مترتب نہ ہوتا شیخ الاسلام بہاؤالحق والدین ابوالمحمد زکریا قدس سرہ العزیز کی کشف و کرامات بھی اسی قبیل سے ہیں "عالم سکر" میں جو مکاشفات ہوئے اور جو کرامات صادر ہوئیں۔ ان کا ذکر ہم حضرت کے حالات میں ضمناً کر چکے ہیں۔ اب ہم چند ان خوارق کا ذکر کریں گے جو "عالم صحو" میں آپ سے صادر ہوتے

غوث العلمینؒ کا مرتبہ آپ گذشتہ اوراق میں حضرت محبوب الٰہی دہلوی کی زبان مبارک سے درویشی کی تعریف سن چکے ہیں۔ اب انہی بزرگوار سے غوث العلمین ملتانیؒ کا مرتبہ بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

"شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ہفتاد ہزار علوم درویشی مرتب کردہ بود و آں جملہ را بکرا رسانیدہ بودند۔ مرتبہ ایشاں بداں غایت رسیدہ بود کہ اگر نظر در آسمان مے کردند عظمتِ عظیم بدیدے۔ و اگر نظر در زمین کردے تا تحت الثریٰ معلوم گردیدے و بارہا فرمودے کہ رتبہ درویشی از ایں بیشتر است اگر گویم شنوندگان را زہرہ آب

شود وایں ادنیٰ مرتبہ درویشی است۔"

یعنی شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے درویشی کے ستر ہزار علوم طے کر لئے تھے۔ اور ان تمام پر اپنے عمل کو حد کمال تک پہنچا دیا تھا۔ انہیں اتنی روحانی قوت حاصل ہو چکی تھی۔ اگر آسمان کی جانب نظر اٹھاتے عظمت عظیم بے حجاب مشاہدہ کرتے۔ اور اگر زمین پر نظر کرتے۔ تو تحت الثریٰ تک کی چیزیں دکھائی دینے لگتیں۔ باایں ہمہ وہ بارہا فرماتے تھے۔ کہ درویشی کا مرتبہ اس سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اگر کہہ ڈالوں سننے والوں کا زہرہ آب ہو جائے۔ یہ تو درویشی کا ادنیٰ درجہ ہے۔

جن بزرگوں کا تصوف کی دنیا میں یہ مقام ہو۔ کشف و کرامات اور خوارق عادات سے سہارا لینے کی انہیں ضرورت ہی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کرامت کے اظہار کو حضور پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنے خلفاء اور مریدوں کو بھی خوارق کے چھپانے کی ہدایت کر رکھی تھی۔ علی کھیری آپکا نامور مرید تھا۔ جب اس سے پیہم کرامات صادر ہونے لگیں۔ تو آپ سخت برہم ہوتے اور اسے اپنے حلقہ سے خارج کر دیا۔ خود بھی اس بارہ میں بڑے محتاط تھے۔ ایک دفعہ شیخ المشائخ فریدالدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ شریک سفر تھے۔ اچانک شام کے وقت کسی ایسے دریا پر جا پہنچے جہاں کشتی وغیرہ کا انتظام نہ تھا۔ حضرت بابا صاحبؒ بلاتامل آگے بڑھے۔ اور سطح آب پر چلنے لگے۔ لیکن حضرت غوث العلمینؒ دل سے فتویٰ لینے کے لئے رک گئے۔ کہ کرامت کا اظہار کروں یا نہ کروں!

حضرت بابا صاحبؒ نے کشف کے ذریعے حضرت کے اس تردد کو معلوم کر لیا۔ فرمایا بھائی صاحب! یہ مقام بے حد خطرناک ہے چوروں کا مسکن ہے۔ یہاں کرامت کے اظہار میں کوئی ہرج نہیں۔ بلاتکلف چلے آیئے۔ یہ سن کر حضرت نے بھی سطح آب پر قدم رکھا اور طرفتہ العین میں دریا عبور کر گئے۔

اسرارِ دوست فاش مکن حضرت بابا صاحب[1] کی بابت حضور کو اطلاع پہنچی کہ آپ سے مسلسل کرامات کا اظہار ہو رہا ہے۔ آپ نے فوراً ان کے نام خط لکھا کہ :-

"اے درویش! یہ کیا نادانی ہے کہ دوست کے راز ظاہر کر رہا ہے۔ یہ بات اہلِ اسرار کے لئے ٹھیک نہیں۔!

حضرت گنج شکر علیہ الرحمتہ نے جواب میں تحریر فرمایا :-

"بھائی جان! کام گفتگو سے گذر گیا۔ میرا سینہ اسرارِ محبوب سے اس قدر پُر ہو چکا ہے کہ ذرہ بھر جگہ خالی نہیں رہی ——— اب چونکہ گنجائش نہیں ہے اس لئے عالم انوار سے جو اسرار متجلیٰ ہوتے ہیں۔ وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اے بھائی! میں تو بڑی کوشش کرتا ہوں کہ محفوظ رکھوں۔ اور ذرہ بھر ظاہر نہ کروں لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟"

جب یہ خط غوث العلمینؒ کی خدمت میں پہنچا۔ تو آپ نے سر جھکا لیا۔ اور فرمایا۔

"یارِ من کارِ خویش بکمال رسانیدہ ——— !

یعنی ہمارے یار نے اپنا کام انجام تک پہنچا لیا

عبداللہ روحیؒ اسی طرح ایک دفعہ ملتان میں عبداللہ نامی رُوم سے کوئی درویش آیا۔ شہر بھر میں اس کی کرامتوں کا چرچا ہونے لگا۔ حضور کو علم ہوا۔ تو حیران ہو کر فرمایا۔ کہ "یہ شعبدہ باز کہاں سے ٹپک پڑا۔"

خود بنفسِ نفیس اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا۔

"کھڑے ہو کر دوگانہ ادا کرو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم نماز کس طرح پڑھتے ہو ——— !"

شیخ عبداللہ آپ کی شخصیت سے مرعوب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور دوگانہ ادا کیا۔ مگر دو

---

[1] اردو ترجمہ اسرار الاولیاء مرتبہ خواجہ بدر اسحاق رحمتہ اللہ علیہ صفحہ ۱۵

قدموں کے درمیان فاصلہ ذرا زیادہ رکھا۔

آپ نے فرمایا۔

دوبارہ پڑھو۔ قدموں کا فاصلہ زیادہ ہے۔

وہ دوبارہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا۔ مگر اس نے جتنی کوشش کی۔ قدموں کے فاصلے کو درست نہ کر سکا اور اس کی ساری شیوخت کرکری ہو کر رہ گئی۔

آپ نے فرمایا۔ اُچ[1] تشریف لے جائیے۔ اور وہاں قیام کیجئے۔ چنانچہ عبداللہ رومی وہاں چلے گئے۔ اور آپ کی توجہ سے بڑے مرتبہ پر پہنچے۔

درویشی کی نعمت سلب کر لی محبوب الٰہی دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا شریعت کے معاملے میں بڑے متشدد تھے۔ ان کے زمانے میں علی کھیریؒ نام ایک شخص گذرا ہے۔ جس درویش میں عشق اور درد نہ ہوتا۔ یہ اس کا معتقد نہ ہوتا۔ خواہ وہ کتنا زاہد اور عابد کیوں نہ ہوتا۔ علی برملا کہہ دیتا۔ کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں عشق نہیں ہے۔ اس کی زبان سے شین تک درست نہیں نکل سکتی تھی۔ اس لئے عشق کو "اسک" کہتا تھا۔ حضرت غوث العلمینؒ کی شہرت سُن کر حاضر ہوا۔ اور جو کچھ سُن کر آیا تھا۔ اس سے زیادہ پایا۔ دلی عقیدت سے مرید ہو گیا۔ حضرت نے اُسے اوراد و وظائف تلقین کئے۔ اور وہ شہر کے باہر ایک غار میں جا کر معتکف ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک دفعہ حضرت غوث العلمین سیر کرتے ہوئے اس کے پاس چلے گئے دوران گفتگو میں علی کھیریؒ نے مٹی کا ڈھیلہ زمین پر دے مارا۔ جس سے وہ زرِ خالص بن گیا۔ شیخ الاسلام نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا یا غفور! یا غفور!! یا غفور!!! علی! تمہیں ایسا

[1] اُچ ریاست بہاولپور میں ستلج اور چناب کے سنگم پر قدیم تاریخی شہر ہے۔ جہاں غوث العلمینؒ کے محبوب خلیفہ سید جلال بخاری قدس سرہ کا خاندان آباد ہے۔

نہیں کرنا چاہیئے تھا۔" یہ کہہ کر آپ لوٹ آئے۔

دوسری مرتبہ جب ملنے گئے۔ تو شام کا وقت تھا۔ علی کھیریؒ نے چراغ کو ذرا سا اشارہ کیا وہ جگمگا اُٹھا۔ یہ شیخ الاسلام کو ملال پیدا ہوا۔ کہ یہ عجیب آدمی ہے۔ جو مجھے بھان متی کے تماشے دکھا رہا ہے۔

فرمایا۔ "علیؒ! شاید تجھے نفس امارہ نے لے لیا ہے؟"

یہ کہہ کر آپ چلے آئے۔ لیکن علی کھیری کا بُرا حال ہوا۔ واقعی اُسے نفس امارہ نے شکنجہ میں کس لیا۔ وہ طرح طرح کے مکروہات میں پھنس گیا۔ منجملہ ان کے ایک جوع البقر کا عارضہ تھا۔ کہ کھاتے کھاتے پیٹ نہ بھرتا۔ نہ عبادت میں لطف آتا۔ اور نہ ہی وہ ذوق و شوق باقی رہا۔ ناچار تنگ آ کر بنگال کا رُخ کیا۔ یہاں حضرت سید جلال الدین تبریزیؒ مقیم تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حال عرض کیا۔

آپ نے فرمایا۔ بھائی! جب تک تمہارے واسطے شیخ الاسلام اجازت نہ دیں بندہ دُعا نہیں کر سکتا۔

علی کھیری کو اس جواب سے سخت مایوسی ہوئی کہ اتنے دُور دراز کے فاصلے پہ جانے کو کون تیار ہو گا۔

شیخ نے ایک کاغذ پر لکھا۔

"رانده آں برادر بما آمده است۔ اگر رخصت آں برادر باشد۔ در حق او دُعا کنیم"[1]۔

اس خط کو حضرت نے مصلّے کے نیچے رکھ دیا۔ اور کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر مصلّیٰ اُٹھا کر دیکھا۔ تو اس کی پشت پر یہ الفاظ مرقوم تھے۔

---

[1] بھائی کا راندہ ہوا یہاں آیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو اس کے حق میں دعا کی جائے۔

"چوں بطرف شما رفتہ است اگر از اں فعل توبہ کند در حق او دعا کنید۔"[1]

شیخ جلال الدین نے پوچھا۔

"اے علیؒ! توبہ کرتے ہو ———— ؟؟"

عرض کی "ہاں قبلہ توبہ کی۔"

اس پر شیخ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اور علی کھیریؒ خواجہ علی ہوگیا۔[2]

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت غوث العالمینؒ کشف و کرامات کے سلسلہ میں کس قدر محتاط تھے۔ آپ سے جو خوارق صادر ہوئے۔ وہ اس کتاب کے مختلف اوراق میں بکھرے پڑے ہیں۔ ہم نے انہیں اپنے محل اور موقع پر درج کیا ہے۔ کئی یہاں پیش کر رہے ہیں۔ ان سب کی نوعیت جداگانہ ہے۔ آپ غوثِ زماں تھے۔ کئی خوارق آپ کے منصب سے متعلق ہیں۔ بعض خلق کے افاضہ اور تلقین سے تعلق رکھتے ہیں۔ کئی ایسے اسرار ہیں۔ جو بحرِ وحدت میں ٹھاٹھ آجانے کے سبب شوق غلبات میں بے اختیار ظاہر ہوگئے بعض ایسے ہیں۔ جن سے حضرت خضر علیہ السلام کی طرح محض حکم الہٰی کی تعمیل مقصود تھی۔ چنانچہ خواجہ بدر اسحاق علیہ الرحمتہ نے اسرار الاولیاء میں حضرت گنج شکر قدس سرہ العزیز کی زبانی ایک واقعہ[3] درج کیا ہے۔ جس سے اس امر کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے فرماتے ہیں:-

آتش دوزخ حرام ایک مرتبہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا نے غلباتِ شوق میں منادی کرائی۔ کہ آج جو شخص میرا منہ دیکھ لے گا۔ میں ضامن ہوں کہ قیامت کے دن اسے دوزخ

---

[1] چونکہ آپ کی طرف آیا ہے۔ اگر وہ اس فعل سے توبہ کرے۔ تو اس کے لئے دعا فرمایئے۔

[2] افضل الفوائد حصہ اول و انوار غوثیہ وغیرہ

[3] اردو ترجمہ اسرار الاولیا

میں نہیں ڈالا جائیگا۔" جب یہ آواز اہلِ اشتیاق نے سُنی۔ تو گروہ در گروہ آپ کی زیارت کو جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ خانقاہ کا صحن لوگوں سے بھر گیا۔ اس وقت عوام کی سہولت کے پیشِ نظر آپ نے سواری کا گھوڑا طلب کیا۔ اور سوار ہو کر شہر کو روانہ ہوئے۔ اعلانچی ہر طرف دوڑ پڑے۔ اور جگہ جگہ اس امر کا ڈھنڈورہ پٹ گیا۔ تمام شہر اپنا کاروبار چھوڑ کر حضرت کی زیارت کو دوڑا۔ آپ پر عجیب حالت طاری تھی۔ چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اور حق بین نگاہیں جمالِ یار کے عکس کو منعکس کر رہی تھیں۔ آپ ایک ایک سے بڑے تپاک کے ساتھ مصافحہ کرتے اور فرماتے۔

"اے بھائی! خدا کی قسم۔ قیامت کے دن تم دوزخ میں نہیں جاؤ گے۔!"

رہ رہ کر ارشاد ہوتا۔ "ہاں بھائی! جب خداوند کریم نے اپنی مخلوق پر اس قدر انعام کیا ہے تو میں بخل کیوں کروں۔!"

ضعیفی اور عالمِ پیری کے باوجود غوث العلمینؒ نے شہر کے تمام بازاروں کے چکر کاٹے اور محتاجوں اور بوڑھے آدمیوں کے ہاں خود چل کر پہنچے اور انہیں اپنی زیارت کرائی۔

اس وقت دوست نے ایک راز کے ظاہر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسے کون چھپاتا!

شیخ سعدالدین حمویہ کا جنازہ حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں اور برادرم مولانا بہاؤالدین زکریاؒ ایک ہی جگہ بیٹھے تھے۔ اور سلوک کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ دفعتہً آپ کھڑے ہو گئے اور ہائے ہائے کر کے رونے لگے۔ بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے اور زار زار روتے تھے۔

میں نے پوچھا۔ بھائی یہ کیا حالت ہے؟

فرمایا۔ "اُٹھ کر دیکھ۔!"

میں نے کھڑے ہو کر نگاہ کی۔ تو بغداد کو سامنے پایا۔ اور دیکھا۔ کہ لوگ دروازہ کے

باہر شیخ سعدالدین حمویہؒ کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔[1]

آپ کے مرید کو آسمان سے عیدی ملی آپ کے مریدوں میں ایک صاحب بدر بجستانیؒ تھے۔ وہ لاہور میں رہتے تھے۔ ایک دن عید پڑھنے کے لئے عیدگاہ کو تشریف لے گئے۔ جب نماز ختم ہوئی۔ تو آپ نے آسمان کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اُٹھا کر عرض کی۔

"خداوندا! ہر غلام اپنے مالک سے عیدی مانگتا ہے اور میں تجھ سے عیدی مانگتا ہوں۔"

بیک عمر در نعمت زیستم گدائے درت نیستم کیستم
اگر ہست نمائے از و یک سرم دگرنہ بحرماں مراں از درم
غیر از تو دگر درے ندارم
دریاب کہ دیگرے ندارم

جب دُعا کے الفاظ ختم ہوئے۔ ایک حریر کا ٹکڑا سبز خط سے لکھا ہوا آسمان سے نازل ہوا۔ کھول کر دیکھا۔ تو اس پر لکھا تھا۔

"ہم نے اس عید سعید کی خوشی میں تجھ پر دوزخ کی آگ حرام کی۔"

عیدگاہ لاکھوں آدمیوں سے پٹی پڑی تھی۔ یہ کرامت دیکھ کر لوگ آپ کی طرف لپکے اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگے۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔

"حضرت! مجھے بھی عیدی ملنی چاہیئے۔"

شیخ نے حریر کا وہی ٹکڑا اس کے حوالے کر دیا۔ کہ یہ عیدی تجھے مبارک ہو۔ قیامت کے دن میں جانوں اور آتش دوزخ!ؔ

---

[1] اردو ترجمہ اسرار الاولیاء۔ شیخ سعدالدین حمویہؒ بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ان کی ایک دلچسپ حکایت درج ہو چکی ہے

اگر بخشے تو نہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا   سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

سبحان اللہ! جس کے ادنیٰ مریدوں کے فضل و کمال کی یہ کیفیت ہو اس کے اپنے مراتب کا کیا کہنا ———!

بناوٹی سید کو دُگنی نذر حضرت غوث العلمینؒ کا معمول تھا۔ کہ اگر کوئی غریب الحال سید ملنے کو آتا۔ تو ایک خلعت اور سات اشرفی مرحمت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قحط کے ایام تھے ملتان کے مضافات کا کوئی کمہار حاضر ہوا اور عرض کی۔ کہ "مَیں غریب سید ہوں۔ بھوکا مر رہا ہوں خدا کے لئے مدد فرمایئے"۔ جونہی اس شخص نے اپنی گفتگو ختم کی۔ حضرت سرو قد کھڑے ہو گئے بڑے ادب سے اسے اپنی مسند پر لا کر بٹھایا۔ اور غلام کو حکم دیا۔ کہ چودہ اشرفی اور دو فاخرہ خلعتیں آپ کو پیش کرو۔!"

تمام خدام اور احباب تعجب سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس وقت تو ادب سے کچھ عرض نہ کر سکے۔ جب کمہار اشرفیاں اور فاخرہ خلعتیں لے کر چلا گیا۔ تو ایک خادم نے بڑھ کر عرض کی۔

"حضور یہ تو فلاں گاؤں کا کمہار ہے۔ جھوٹ بول کر حضرت سے اس قدر مال لے گیا"۔

حضرت نے فرمایا۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے بھی یہ بات معلوم تھی۔ لیکن جب وہ میرے سامنے پیش ہوا۔ اس کے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بابرکت ہاتھ تھا۔ اس وقت مَیں نے آنحضرتؐ کی ہی تعظیم کی تھی۔ اور اسی وجہ سے عام سادات کے مقابلے میں اسے دگنی نذر پیش کی۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں ایک مرتبہ حضور ہاتھی پر سوار ہو کر شہر کو دیکھنے گئے۔ چوک میں ایک سوداگر غلاموں کو فروخت کر رہا تھا۔ اس نے چیوترے پر

چھوٹے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں بیچنے کے لئے کھڑی کر رکھی تھیں۔ آپ نے منشی کو حکم دیا کہ گھر کے لئے ایک لڑکی خرید لو۔ چنانچہ ایک قبول صورت اور ہونہار لونڈیا خرید لی گئی حضرت غوث العلمینؒ کے محل میں ایسی بیسیوں خادمائیں پہلے سے موجود تھیں۔ یہ بھی ان کے ساتھ گھُل مل گئی۔

دن گذرتے چلے گئے۔ لونڈیا جوان ہو کر بڑی حسین نکلی۔ اس زمانے میں غلاموں کی حکومت تھی۔ خاندانی اونچ نیچ کی گنجائش تک نہ تھی۔ اور پھر غوث العلمینؒ کے گھرانے میں جہاں محض اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کا دَور دورہ تھا۔ اور یہ بھی اسی محلسرا کی شان تھی کہ خادمائیں چکی پر سے قرآن ختم کر کے اُٹھتی تھیں۔ اور کئی ان میں ایسی باکمال عارفہ تھیں۔ جن کا سارا وقت ذکر اذکار میں گذرتا تھا۔ بڑی بیگم لونڈیا کے حسن و جمال اور سگھڑاپنے کو دیکھ کر کبھی کبھی دل میں یہ سوچ بیٹھتی تھیں۔ کہ ممکن ہے حضرت غوث العلمینؒ نے اسے اپنے کسی لڑکے کے لئے خریدا ہو۔ چنانچہ ایک دن کسی موقع سے اس کا ذکر حضرت سے کر بیٹھیں۔

"کیا جوان ہو چکی ہے وہ لونڈیا۔!"

حضرت نے فکرمند ہو کر پوچھا۔ "اچھا آج کھانا اُسی کے ہاتھ بھجوانا" چنانچہ دوپہر کو جب حضرت غوث العلمینؒ محلسرائے میں تشریف لائے۔ تو بڑی بیگم نے لونڈیا کو بلا کر حکم دیا۔ کہ حضرت کی خدمت میں کھانا لے جاؤ۔!

لونڈیا کو اس سے پہلے کبھی حضرت غوث العلمینؒ کی بارگاہ میں حاضری دینے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ خوانچہ اُٹھائے بڑے ادب سے پاؤں پر پاؤں رکھتی دولت خانے میں داخل ہوئی۔ حضرت کی صاحبزادیاں اور پوتیاں پہلے سے حضور کے گرد جمع تھیں۔ حضرت ان سے دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ لیکن جونہی خادمہ پر نظر پڑی۔ دفعتہً سنجیدہ

ہو گئے۔ ایک بار پھر لونڈیا کو دیکھا۔ خوف الٰہی سے بدن مبارک پر پسینہ آگیا۔ اور خدا ترس نگاہوں سے آنسو کے قطرات ٹپک پڑے۔ صاحبزادیوں نے یہ کیفیت دیکھی۔ تو وہ گھبرا گئیں۔ بڑی بیگم کو اطلاع ہوئی۔ وہ ہانپتی کانپتی تشریف لائیں۔

ابھی تک خادمہ کھانے کا خوان اُٹھائے کھڑی تھی۔ اور اُسی طرح حضرت غوث العلمینؒ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا بہہ رہی تھی اور بچیاں سہمی ہوئی ایک طرف دبکی بیٹھی تھیں بڑی بیگم نے قریب پہنچ کر ادب سے پوچھا۔ "حضور یہ کیا حالت ہے؟ لونڈیا کبھی کی کھانا لیئے کھڑی ہے۔ کھانا تناول فرمائیے۔!!

حضور نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا۔

"بیگم۔ کیا بتاؤں ذکریا کے گھر میں ایک لڑکی پلے پڑے۔ عمر گذارے۔ اور پھر دوزخ کا ایندھن بنے۔ اس سے زیادہ میری بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے!"

لونڈیا بڑے غور سے حضور کی تقریر سُن رہی تھی۔ جب اسے اپنی بابت یہ انکشاف ہوا۔ تو اس کے ہاتھ سے کھانے کا طبق گر گیا۔ اور وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ خادمائیں دوڑ کر آگئیں۔ کسی نے جگہ صاف کی۔ اور کئی اس لونڈیا کو اُٹھا لے گئیں۔

بڑی بیگم نے پھر حضرت کی خدمت میں عرض کی۔ "حضور والا! آپ زمانہ کے غوث ہیں۔ اس لونڈی کیلئے دُعا فرمائیں۔ ممکن ہے اللہ میاں اس کی تقدیر بدل دیں۔!

"اے نیک بخت! خدا کی مشیت میں دخل دینا فقرا کا کام نہیں۔ تجھے کچھ علم ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے اپنے پیارے بیٹے کی نجات کے لیئے دعا مانگی تھی۔ انہیں کیا جواب ملا تھا"!

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ ایک خادمہ نے آکر عرض کی۔

"حضور! اجودھن سے حضرت فریدالدین تشریف لائے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ دوزخ

لونڈیا کو میرے پاس بھیج دو۔!"

یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا۔ "فرمایا۔ میرا بھائی آگیا۔ لونڈیا کو جلدی بھیجو۔ وہ نجات کی کوئی راہ ضرور نکال لیں گے۔"

خادمائیں لونڈیا کو حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں لے گئیں۔ آپ نے فرمایا "اے لونڈیا پانی کا کوزہ بھر لا۔!"

خادمہ پانی کا آفتابہ بھر لائی۔ آپ نے اُسے ہاتھوں پر بہا دیا۔ فرمایا "اور بھر لا ــــــ!" لونڈیا دوسری بار کوزہ بھر لائی۔ آپ نے اُسے بھی اسی طرح ہاتھوں پر بہا دیا۔ فرمایا "اور کوزہ بھر لا" لونڈیا تیسری دفعہ کوزہ بھر لائی۔ آپ نے اس سے وضو کیا۔ اور فرمایا "جا مبارک ہو! خدا نے تجھے دوزخ سے نجات دی۔!!"

لونڈیا دوڑتی ہوئی حضرت غوث العالمینؒ کی خدمت میں پہنچی۔ آپ اُسے دیکھتے ہی سجدہ میں گر گئے۔ اور خداوند کریم کا بڑا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد باہر تشریف لا کر حضرت گنج شکرؒ سے ملے۔ اور فرمایا "بھائی تو نے کمال کیا۔ تین کوزوں سے لونڈیا کی قسمت بدل ڈالی۔!" حضرت فریدالدینؒ نے مسکرا کر عرض کی:۔

"ہاں بھائی! آج طبیعت ذرا اُداس تھی۔ آپ کے گھر کا حال معلوم کرنا چاہا۔ مراقبہ میں سر جھکایا ہی تھا۔ کہ حزن وملال کا نقشہ نظروں میں پھر گیا۔ آپ کی محتاط طبع کا تو علم تھا۔ اسلئے افتاں وخیزاں اپنے آپ کو یہاں پہنچایا۔ الحمدللہ کہ محنت بر آئی۔ اور پانی کے چند چھینٹوں نے لونڈیا کی لوحِ تقدیر کو صاف کر دیا۔"

جہاز کو غرق ہونے سے بچا لیا مولانا حسام الدینؒ[1] روایت کرتے ہیں کہ شیخ الاسلام زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ کمال الدین مسعود شیروانی بہت مالدار سوداگر تھے۔

---

[1] آپ حضرت محبوب الٰہی دہلوی کے نامور مرید تھے (سیر العارفین)

اور اکثر جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ دلن سے بندرگاہ عدن کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی آدھا سفر طے کیا تھا۔ کہ سمندر میں ہولناک طوفان آگیا جہاز کا مستول ٹوٹ گیا۔ پانی کی لہریں جہاز کے اوپر سے گذرنے لگیں۔ قریب تھا کہ جہاز ڈوب جائے۔ اس وقت خواجہ کمال الدین انتہائی عاجزی سے شیخ الاسلام ملتانی کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی "اے پیر دستگیر المدد۔ المدد!!

خدا کے حکم سے اسی وقت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ جہاز پر ظاہر ہوئے۔ اور اہل جہاز کو نجات کی خوشخبری دے کر غائب ہو گئے۔ آناً فاناً ہوا بند ہو گئی۔ طوفان تھم گیا اور جہاز بندرگاہ عدن میں صحیح سلامت[1] آ پہنچا۔ تمام اہلِ جہاز یہ کرامت دیکھ کر متحیر ہوئے اور سوداگروں نے اپنا تہائی مال نہایت محبت اور اخلاص سے خواجہ کمال الدین کے سپرد کیا۔ کہ ملتان میں شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچا دیں۔ خواجہ کمال الدین نے وہ مال لے کر اور نصف جواہر اپنے شامل کر کے خواجہ فخر الدین گیلانی کی معرفت ملتان بھجوائے۔ خواجہ فخر الدین خواجہ کمال الدین کے بھانجے تھے۔ اور نہایت متورّع اور دیانت دار شخص تھے۔ قطع مسافت کے بعد ملتان پہنچے۔ انہوں نے شیخ الاسلام کو پہلی بار صرف تختہ جہاز پر دیکھا تھا۔ اب آپ کی ملازمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضرت کو اُسی صورت اور لباس میں دیکھ کر زیادہ معتقد ہوئے۔ اور تمام زر و جواہر کہ ستر لاکھ کی مالیت کا تھا۔ بطور نذر کے پیش کیا۔ حضرت غوث العلمینؒ نے وہ مال تین روز کے عرصہ میں مساکین اور فقرا میں تقسیم کر دیا۔ خواجہ فخر الدین حضرت کی فیاضی سے اس قدر متاثر ہوئے۔ کہ اپنا تمام مال و اسباب شیخ کی نذر کر کے حضرت

[1] اب تک پاکستان کے ملاحوں میں یہ رسم چلی آتی ہے کہ جب کشتی کہیں بھنور میں پھنس جاتی ہے تو وہ "مدد بہاؤ الحق" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے وہ خطرہ ہٹ جاتا ہے۔

کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اور تھوڑے سے عرصہ میں ہی واصلانِ حق سے ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ خواجہؒ کم و بیش پانچ سال حضرت کی صحبت میں رہے۔ انہیں غوث العلمین کے فرزند اکبر سلطان العارفین شیخ صدرالدین سے زیادہ محبت تھی۔ اکثر وقت ان کی خدمت میں گزرتا تھا۔ اس کے بعد اجازت لے کر زیارت بیت اللہ کے ارادہ سے ارضِ پاک کو روانہ ہوئے۔ اور جدہ پہنچ کر رحمت حق سے واصل ہوئے۔ مولانا جمالی لکھتے ہیں۔کہ اب تک ان کا مقبرہ سمندر کے کنارے موجود ہے اور مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ مولانا جمالی کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

چُوں بمقام جدّہ رسید۔ برحمت حق پیوست۔ الآن مقبرہ متبرکہ او در کنار دریا صم درمقام فرخندہ جام جدّہ است و اغلب وقت اکثر مردم بداں حظیرہ مکرمہ توجہ دارند۔ و نذر و شکرانہ مے آرند۔"

پیاسوں کو پانی پلایا ایک[1] دفعہ شیخ الاسلام ملتانی کے چند ارادتمند بغداد سے ملتان چلے آتے تھے۔ اتفاق سے وہ ایسے بے آب وگیاہ صحرا میں آپھنسے۔ جہاں انہیں پانچ روز تک پانی نہ ملا۔ پیاس سے سخت بدحواس ہوئے۔ اور قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں موت وحیات کی اسی کشمکش کے اندر انہوں نے شیخ الاسلام کا نام لے کر پکارا۔ اسی اثنا میں ایک درویش نمودار ہوا۔ اور انہیں کوزہ سے پانی پلا کر چلا گیا۔ انہیں حضرت غوث العلمینؒ کی زیارت کا پہلے اتفاق نہیں ہوا تھا۔ جب ملتان پہنچے۔ تو دیکھا کہ جس درویش نے لق و دق صحرا میں پانی پلایا تھا۔ وہی غوث العلمینؒ کے نام سے مسندِ ارشاد پہ بیٹھا خلق خدا کو صراطِ المستقیم پر گامزن کر رہا ہے۔ بے اختیار اپنی ٹوپیاں اتار کر حضور کے قدموں میں ڈال دیں۔

[1] خلاصۃ العارفین

درویش ہلاک ہوگیا محبوب الٰہی دہلوی فرماتے ہیں[1]۔ ایک روز کوئی درویش شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ اس نے التماس کی۔ کہ حضور مجھے کوئی ایسی نعمت عطا فرمائیں کہ ملتان سے دہلی تک میری آنکھوں کے سامنے کوئی حجاب نہ رہے۔ حضور نے فرمایا۔ جاؤ یہ چلّہ کرو۔ جب یہ چلّہ پورا ہوگیا۔ تو ملتان سے دہلی تک اس کی نظروں میں کوئی حجاب نہ رہا۔

اس نے پھر آکر التماس کی۔ کہ اب میں چاہتا ہوں کہ فرش سے عرش تک میری نظروں میں کوئی حجاب نہ رہے۔ حضرت نے فرمایا۔ "ایک چلّہ اور پورا کرو"۔ جب پورا ہوگیا۔ تو واقعی کوئی حجاب نہ رہا۔ تمام زمین اس کے سامنے تھی۔ اور وہ ہر چیز کا مشاہدہ کررہا تھا تحت الثریٰ سے عرش معلیٰ تک تمام اشیاء اور انوار و برکات بے حجاب نظر آرہی تھیں۔ اس نے حاضر ہوکر یہ کیفیت عرض کی۔ فرمایا "بس کرو! اتنا کافی ہے!" لیکن درویش نے اس پر قناعت نہ کی۔ عرض کی۔

"حضور! اب میں چاہتا ہوں کہ حجابِ عظمت تک کا مکاشفہ حاصل ہو۔!"

درویش کے اس مطالبہ سے جبینِ غوثیت پر شکن آگئی۔ ناراض ہوکر فرمایا "ایسا نہ کہو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔!"

ابھی زبانِ مبارک سے یہ فقرہ ادا بھی نہ ہوا تھا۔ کہ درویش نعرہ مار کر گر پڑا۔ اور جان بحق ہوگیا۔ یعنی واقعی وہ درویش جمالِ حقیقی کے مشاہدہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور حسنِ ازل کی شمع پر پروانہ وار تصدق ہوگیا۔

قلندروں نے سر قدموں پر رکھ دیا ایک مرتبہ چند دلق پوش قلندر غوث العلمینؒ کے آستان قدس پر آئے۔ ایک ناشائستہ ہجوم ان کے ساتھ تھا۔ آپ اس وقت خلوت خانہ

---

[1] اردو ترجمہ افضل الفوائد حصہ اول مرتبہ امیر خسروؒ دہلوی

میں خواص کی تلقین و افاضہ میں مصروف تھے۔ انہوں نے بے ہنگم سا شور برپا کر دیا۔ خدام خانقاہ نے انہیں شور کرنے سے روکا۔ جب یہ باز نہ آئے۔ تو حضرت کو اطلاع کی۔ آپ نے فرمایا۔ دروازہ بند کر دو۔

خانقاہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ انہوں نے دروازے پر اینٹیں مارنی شروع کیں آپکو علم ہوا۔ تو خلوت خانہ سے باہر نکل آئے۔ اور بڑے جوش میں فرمایا۔ کہ "میں یہاں خود تو نہیں بیٹھا۔ مجھے شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بٹھایا ہے۔ مجھے مردِ خدا نے یہاں بٹھایا ہے۔ دروازہ کھول دو ———— !"

جب کھولا گیا۔ تو قلندروں نے سر قدموں پر رکھ دیا۔ اور واپس چلے گئے۔[1]

ایک اور کرامت ایک مرتبہ حضرت مجلس میں توریت کی ایک حکایت بیان فرمارہے تھے اتفاق سے تورات کا کوئی عالم بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ اس نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا۔ شیخ الاسلام نے غیب سے تورات کا ایک صحیفہ برآمد کر کے اس کے حوالے کیا۔ اس نے کھول کر دیکھا تو یہ واقعہ اسی طرح درج تھا۔ جیسے حضور نے فرمایا تھا۔[2]

کرامت از درویشاں مطلب! لاہور کے قریب دریا کے کنارے حضرت شیخ الاسلام کا ایک مرید رہتا تھا۔ کچھ زمین اسے معافی کے طور پر ملی ہوئی تھی۔ ایکدفعہ حاکم پنجاب کا تحصیلدار ادھر سے گذرا۔ اور اس درویش کی زمین پیمائش کرنے لگا۔ بولا۔" اتنے سالوں سے تو سرکار کا محصول غصب کئے بیٹھا ہے۔ اب کوئی کرامت دکھا۔ ورنہ سب کھایا ہوا مال اگلوایا جائے گا۔!"

اس درویش نے بڑی منت سماجت کی۔ کہ فقیروں سے نہ الجھ اور کرامات کا مطالبہ

[1] اردو ترجمہ فوائد الفواد جلد اول صفحہ ۹۱ مرتبہ حضرت امیر حسن علی سنجری رحمۃ اللہ علیہ
[2] خلاصۃ العارفین

نہ کر[1]۔ لیکن تحصیلدار اپنی ضد پر اڑا رہا۔ لوگوں نے بھی ہر چند سفارش کی۔ مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ انجام کار درویش نے کہا۔ "آپ مجھ سے کیسی کرامت چاہتے ہیں؟" تحصیلدار نے کہا۔ اگر تو صاحبِ کرامت ہے تو پانی پر چل۔ درویش دریا کے کنارے جا کھڑا ہوا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اپنے پیرِ طریقت شیخ الاسلام ملتانی کو یاد کیا۔ اور دریا سے اس طرح گزر گیا۔ جیسے کوئی خشک زمین پر چلتا ہے۔ تحصیلدار خدا کی قدرت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ درویش جب دوسرے کنارے پہنچا۔ تو آواز دی۔ کہ کشتی بھیجو تاکہ واپس آؤں!"

کہا۔ "جیسے گئے تھے۔ ویسے واپس کیوں نہیں چلے آتے۔؟"

فرمایا۔ اس نفس شوم سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اس میں عجب اور نخوت پیدا نہ ہو جائے۔

چنانچہ وہ درویش کشتی پر سوار ہو کر واپس آیا۔

دست بایں سیلے دست بدہ! ایک دفعہ حاکم وقت نے کسی قصور پر ایک شخص کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ وہ شخص عرصہ تک شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر رہا۔ ایک دن اسکی یہ حالت دیکھ کر حضور کو بڑی رقت ہوئی۔ اس شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ "اگر کوئی آرزو ہو تو بیان کر!" اس نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ آگے بڑھائے۔

حضرت غوث العلمینؒ نے آسمان کی طرف نظر کی۔ اور عرض کی۔

"دست بایں سیلے دست بدہ۔!"

اُسی وقت اس کے دونوں ہاتھ درست ہو گئے۔

کتابیں جل گئیں مولانا صدر الدین کوفیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مولانا نجم الدین سنامی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے سوال کیا۔ "آج کل کیا شغل ہے۔؟"

---

[1] از فقرا بگذر و کرامات از درویشان مطلب (اسرار الاولیا صفحہ ۱۲)

[2] منقول از محبوب الٰہی نظام الدین اولیا (فوائد الفواد)

مَیں نے عرض کی "تفسیر کا مطالعہ کر رہا ہوں"۔

فرمایا۔ کونسی تفسیر ———— ؟

عرض کی۔ کشاف۔ ایجاز، اور عمدہ

فرمایا۔ کشاف اور ایجاز کو آگ لگاؤ۔ عمدہ تیرے لئے کافی ہے۔

مجھے یہ امر ناگوار گذرا۔ پوچھا "کیوں ———— ؟"

فرمایا "شیخ بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ اسی طرح فرماتے ہیں"۔

مجھے یہ بات اور بھی ناگوار گذری۔ جب رات ہوئی۔ چراغ جلا کر تینوں کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ ایجاز اور کشاف نیچے تھیں اور عمدہ اوپر۔ اسی اثنا میں نیند آ گئی۔ اچانک شعلہ پیدا ہوا۔ آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ کشافؔ[1] اور ایجاز جل گئی ہیں لیکن عمدہ سلامت ہے۔

زمخشری کا حشر حضرت محبوب الٰہی دہلوی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام کے بڑے صاحبزادے حضرت صدر الدین عارف نحو مفصل پڑھنے کے آرزومند تھے۔ قبلہ گاہ سے اجازت طلب کی۔ فرمایا۔ آج رات صبر کرو۔ صبح کو فیصلہ کریں گے۔

جب رات ہوئی۔ شیخ صدر الدین نے خواب دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے لئے جا رہے ہیں۔

پوچھا "یہ کون ہے؟"

کہا "یہ مفصل کا مصنف زمخشری ہے۔ اسے دوزخ میں لئے جا رہے ہیں۔

عبداللہ قوال کو ڈاکوؤں سے بچا لیا مولانا جمالیؒ سیر العارفین میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ نام شیریں مقال اور خوش کلام قوال روم سے ملتان آیا۔ اور حضرت شیخ الاسلام

[1] صاحبِ کشاف کا عقیدہ باطل تھا۔ فوائد الفواد

کی خدمت میں قدمبوس ہو کر عرض کی کہ شیخ الشیوخ نے مجھ سے قوالی سنی ہے۔ آپ بھی سنیں۔

حضرت نے فرمایا "اگر شیخ الشیوخ نے تجھ سے قوالی سنی ہے۔ تو زکریاؒ بھی سنے گا۔ عبداللہ کو اپنے پاس ٹھہرالیا۔ رات ہوئی۔ تو ایک شخص سے فرمایا۔ کہ عبداللہ اس کے ساتھی کو حجرے میں لے چلو۔ تیسرا کوئی شخص نہ تھا۔ دو آدمی وہ ——— ایک آپ ——— !

عبداللہ کا بیان ہے کہ مجھے اور میرے رفیق کو حجرے میں پہنچا دیا گیا۔ عشا کی نماز کے بعد جب شیخ الاسلام اوراد سے فارغ ہوئے۔ تو تنہا حجرے میں تشریف لائے اور بیٹھ کر تقریباً نصف پارہ قرآن کا تلاوت فرمایا۔ اس کے بعد اُٹھ کر حجرے کے دروازے میں زنجیر لگادی اور مجھے فرمایا "ہاں شروع کرو۔!"

مَیں نے یہ شعر پڑھا ؎

مستاں کہ شرابِ ناب خوردند
از پہلوئے خود کباب خوردند

جب اس بیت کی تکرار کی۔ تو شیخ الاسلام وجد میں کھڑے ہو گئے۔ اور چراغ گل ہو کر حجرے میں اندھیرا ہو گیا۔ ہم اسی طرح گاتے رہے۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا تھا۔ شیخ الاسلام گھوم رہے ہیں۔ جب پاس آتے تھے۔ تو دامن دکھائی دیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ شیخ الاسلام جنبش اور حرکت کر رہے ہیں۔ لیکن تاریکی کی وجہ سے پتہ نہ چلتا تھا۔ کہ ضرب پر حرکت کرتے ہیں یا بغیر ضرب۔ جب سماع ختم ہوا۔ تو حضرت نے دروازہ کھول دیا۔ اور حجرہ سے باہر تشریف لے گئے۔ مَیں رات بھر مع اپنے رفیق کے حجرہ میں رہا۔ صبح ہوئی۔ تو شیخ الاسلام نے خادم کے ہاتھ خلعتِ فاخرہ اور بیس اشرفیاں

بچا دیں"۔

محبوبؒ الٰہی دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ عبداللہ قوال ملتان سے رخصت ہو کر اجودھن آیا۔ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سرہ کی خدمت میں چند یوم بسر کیے۔ یہاں سے دہلی پہنچا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس قوال کو دیکھا تھا۔ دہلی سے پھر واپس اجودھن آیا۔ اور حضرت بابا صاحبؒ سے بمنّت عرض کی۔ کہ میں ملتان جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ راستہ پُرخطر ہے۔ دعا فرمایئے۔ تاکہ میں صحیح سلامت ملتان پہنچ جاؤں۔

آپ نے فرمایا۔ یہاں سے فلاں حوض تک میرا علاقہ ہے۔ یہاں تک تو تم سلامت جا پہنچو گے۔ وہاں سے ملتان تک شیخ بہاؤالدینؒ کا علاقہ ہے۔

عبداللہ کا بیان ہے کہ میں بابا صاحب سے یہ بات سُن کر چل پڑا۔ جب حوض کے نزدیک پہنچا۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں ڈاکہ پڑتا ہے۔ مجھے شیخ کی بات یاد آگئی۔ اور بلا دھڑک چلا گیا۔ اللہ نے ڈاکوؤں کو اس راہ سے دور پھینک دیا۔ وہ راستہ بھول گئے۔ اور میں صحیح سلامت حوض پر جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر وضو کر کے دوگانہ ادا کیا۔ بعدازاں شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ کو یاد کیا۔ اور کہا یہاں تک تو فریدالدین شکر گنج کی حد تھی۔ سلامت پہنچ گیا ہوں۔ اب آگے آپ کی حد ہے۔ اب آپ ذمہ دار ہیں"۔ جب میں حوض سے آگے بڑھا۔ تو راہزن ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے للکارتے ہوئے آپہنچے۔ میں نے گھبرا کر شیخ الاسلام کو مدد کے لیے پکارا۔ راہزن اُسی وقت ڈر کر بھاگ گئے۔ اور میں صحیح سلامت ملتان پہنچ گیا۔ جب حاضر خدمت ہوا۔ تو میں جامۂ سقرلاتی جو ناگور کے علاقہ میں بُنا جاتا ہے۔ پہنے ہوئے تھا۔ حضرت نے مجھے اس لباس میں دیکھ کر فرمایا۔ "یہ شیطانی لباس ہے۔ اسے اُتار دے"۔

حضرت محبوب الٰہی دہلوی فرماتے ہیں کہ عبداللہ قوال کو یہ بات شاق گذری۔ اور حرص

---

[1] فوائد الفواد، سیر العارفین [2] بوستان غوثیہ

اس لباس کے اتارنے میں مانع ہوا۔ بے ساختہ کہہ بیٹھا۔ کہ لوگوں کے گھر سونے چاندی سے بھرے پڑے ہیں۔ اس پر نظر نہیں کرتے۔ اور ایک گلیم کہنہ جو اٹھنی میں خریدی جا سکتی ہے انہیں بری معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نے دیکھا کہ قوال دائرہ ادب سے نکلا جاتا ہے۔ فرمایا

عبداللہ ہوش میں آ۔ اور زبان سنبھال۔ حوض کے کنارے جب ڈاکوؤں نے تجھے سراسیمہ کر رکھا تھا۔ ذرا اس وقت کو یاد کر کہ آخر زکریاؒ ہی تیری نجات کا موجب بنا۔"

عبداللہ یہ فرمان سن کر سخت نادم ہوا۔ اور قدمبوس ہو کر اپنے قصور کی معافی چاہی۔ غوث العلمینؒ کی تو شان ہی یہی تھی۔ کہ معافی پر معافی دیتے تھے۔ اور جبین ولایت پر شکن تک نہیں آنے دیتے تھے۔ عبداللہ کو نہ صرف معاف کیا۔ بلکہ اس کا دامن دینوی اور دنیاوی سعادتوں سے بھر دیا۔[1]

---

[1] مولانا جمالی صاحب سیرالعارفین

تعلیمات و تصنیفات

حضرت غوث العالمینؒ کی تصانیف کے سلسلہ میں صرف اتنا پتہ چل سکا ہے کہ آپ نے ایک کتاب "اوراد" کے متعلق لکھی تھی۔ جو اس وقت "متداول بین الناس" نہیں۔ مگر ان کی ایک ملبس شرح موجود ہے۔ جس کا نام "کنز العباد فی شرح الاوراد" ہے۔ جو حضرت قطب الاقطاب شیخ رکن عالم قدس سرہٗ کے ایک فاضل مرید مولانا علی بن احمد غوریؒ کی جودت طبع کا نتیجہ ہے۔ اس کا ایک ضعیف قلمی نسخہ بڑی کوششوں کے بعد نواب مخدوم مرید حسین قریشی سجادہ نشین بارگاہ غوثیہؒ نے جھنگ کے ضلع سے برآمد کیا ہے۔ فاضل شارح اس کتاب کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

اَعْظَمُ الْمَحَامِدِ لِلّٰہِ الْعَظِیْمِ وَ اَکْرَمُ الصَّلٰوۃِ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ ھٰذَا شَرْحُ اَوْرَادِ الشَّیْخِ الْاَجَلِّ الْکَبِیْرِ مُحْیِ السُّنَّۃِ مَاحِی الْبِدْعَۃِ کَاشِفِ الْحَقَائِقِ مَظْھَرِ الدَّقَائِقِ حُجَّۃِ الْحَقِّ وَالدِّیْنِ عَلَی الْخَلْقِ بَھَاؤُ الْحَقِّ وَالشَّرْعِ وَالدِّیْنِ اَسْکَنَہٗ فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ، اَلَّفَہُ الْعَبْدُ الضَّعِیْفُ اَصْغَرُ خُدَّامِ الشَّیْخِ الْاَعْظَمِ الْمُعَظَّمِ الْمُکَرَّمِ الْاَکْرَمِ قُدْوَۃِ الثَّقَلَیْنِ سُلْطَانِ الْمَشَائِخِ الْخَافِقَیْنِ رُکْنُ الْحَقِّ وَالشَّرْعِ وَالدِّیْنِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ عَنَّا وَجَعَلَ الْفِرْدَوْسَ مَثْوَاہُ وَھُوَ عَلِیُّ بْنُ اَحْمَدَ الْغَوْرِیُّ السَّاکِنُ بِخِطَّۃِ کُرَّۃَ ٥

وَسَمَّیْتُہٗ بِکَنْزِ الْعُبَّادِ فِیْ شَرْحِ الْاَوْرَادِ فَالْمَامُوْلُ مِنَ اللّٰہِ الْقَوِیِّ الْقَدِیْرِ اَنْ تَکُوْنَ مَقْبُوْلًا لَدَی الصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ ـــــــ

اور آخر میں اس کتاب کا خاتمہ ان الفاظ میں ہوتا ہے:-

وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَقَعَ الْفَرَاغُ مِنْ تَسْوِیْدِ هٰذِهِ النُّسْخَةِ الشَّرِیْفَةِ الْمَیْمُوْنَةِ الْمُسَمَّاةِ بِشَرْحِ الْاَوْرَادِ، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ

شرح کی زبان اگرچہ عمومی طور پر عربی ہے۔ مگر غوث العلمینؒ کی اصل کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اور گو اس کا نام "اوراد" ہے۔ لیکن حقیقتہً وہ "اوراد و وظائف" کی کتاب نہیں بلکہ وہ صوفیانہ رنگ کی فقہی تصنیف ہے جس میں نماز، روزہ، طہارت، توبہ اور اخلاص وغیرہ کے مسائل درج ہیں۔ انہی مسائل کی تشریح شرح میں فقہی ابواب کی تقسیم کے ساتھ کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت غوث العلمینؒ کا مسلک تصوّف شریعت سے ایک انچ بھر بھی ادھر ادھر نہیں تھا۔ اسلئے ان کے "اوراد" بھی گویا مسائل شریعت میں انہماک کا دوسرا نام ہے اور "اتباع شریعت" سے علیحدہ ہو کر کوئی چیز بھی ان کے ہاں ورد نہیں کہلا سکتی۔ ہم حضرت غوث العلمینؒ کے "اوراد" کی ایک عبارت یہاں نقل کرتے ہیں۔ جو شرح میں بطور متن آگئی ہے۔ اس۔ سے کتاب کی زبان حضرت کے اندازِ بیان اور ان کے "اوراد" کی حقیقی آن بان پوری شان کے ساتھ منظرِ عام پر آجاتی ہے۔

قولہ:- وآنچہ بر کاغذ بسیار ہا نویسند کہ "اِفْعَلْ وَلَا تَفْعَلْ" آں نباید کرد کہ بدعت است۔ واستخراج را فضیا نست و توکل را زیاں دارد۔ بداں نباید رفت متابعت سنت باید بود و برکت در آنست۔ (ص ۱۶۵)

یعنی جو لوگ احکام شرعیہ میں اِفْعَلْ اور لَا تَفْعَلْ بہت لکھتے ہیں "ایسا کرنا چاہیئے اور ایسا نہ کرنا چاہیئے" یہ بدعت ہے۔ شیعوں کی مجوّزہ ہے اور توکّل کو نقصان دیتی ہے۔ اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ سنت نبویہ پر عمل کرنا لازم ہے کیونکہ برکت اسی میں ہے۔

شرح میں صرف فقہی تشریحات ہی نہیں بلکہ ادعیہ و آیات قرآنیہ کی لغوی توضیحات،

تفسیری نکات، متصوفانہ تنسیقات اور تعریفات بھی درج ہیں۔ اور ہدایہ و محیط کے حوالے کے ساتھ بستان ابولیث، عوارف اور شرعہ الیسی کتابوں کے حوالے بھی تشریحاً موجود ہیں۔ غرض حضرت غوث العلمینؒ کا متن اگر کوزے میں دریا کی مثال ہے۔ تو مولانا عوزی کی شرح ایک بحرِ محیط ہے جس کا ایک کنارہ اگر فقہ و تصوف سے شروع ہو رہا ہے۔ تو دوسرے کنارے کا پتہ ملنا دشوار ہے۔

بس علوم کا ایک بحر بیکراں ہے۔ کہ جس میں طالب علم اور طالب مولیٰ دونوں کے لئے اپنے اپنے رنگ کی چیزیں موجود ہیں۔ متن اور شرح کی غالب کے اس شعر کے سوا اور کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

کنز العباد کے ایک حسین و جمیل پارے کا اردو ترجمہ

سورہ فاتحہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

قولہٗ تعالیٰ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ الحمد کے معنی ثنا ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی شکر ہیں۔ اللہ پاک نے اپنی تعریف آپ کی ہے۔ تاکہ اپنے بندوں کو سکھائیں کہ خدا کی تعریف کس طرح کی جاتی ہے۔ اس جگہ قُوْلُوْا مقدر ہے۔ یعنی تم کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی مخلوق کے تمام انواع و اقسام کو پالنے والا ہے۔ مخلوق کی ہر قسم ایک علیحدہ عالم ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا فرمائے ہیں۔ ان میں سے دنیا ایک عالم ہے۔ مقاتل بن حیان کے نزدیک کل اسّی ہزار عالم ہیں۔ چالیس ہزار خشکی میں ہیں اور چالیس ہزار پانی میں۔ کعب فرماتے ہیں کہ خدا ہی

کی تعداد بے شمار ہے۔ گنتی میں نہیں آسکتے۔ وَمَا یَعْلَمُ اِلَّا هُوَ عالم ایسا جمع ہے جس کا واحد نہیں ہے۔ جیسے انام اور رھط عالم علامت سے مشتق ہے جس کے معانی دلیل کے ہیں۔ گویا تمام مخلوق اللہ پاک (صانع حقیقی) کی دلیل ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "رحمٰن" لفظ خاص ہے۔ مگر "عام" کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ ہر نیک و بد کو رزق دیتا ہے اور ان سے مصائب و آلام کو دفع کرتا ہے۔ اللہ پاک کے بغیر اس لفظ کے ساتھ کسی کا نام رکھنا جائز نہیں ہے۔ "رحیم" لفظ "عام" ہے۔ مگر اس کے معنیٰ "خاص" ہیں۔ اس حیثیت سے کہ غیر کا نام بھی اس لفظ کے ساتھ رکھا جاسکتا ہے جیسے قرآن پاک میں آیا ہے۔ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔

الغرض "الرحیم" کے معنیٰ ہیں وہی اللہ پاک خاص مومنین پر معرفت کے ساتھ مہربانی کرنے والا ہے۔ انہیں بخشے گا اور جنت میں داخل کریگا۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ "رحمٰن" اس ذات کا نام ہے کہ اگر اس سے سوال کیا جائے تو خالی واپس نہ کرے۔ اور "رحیم" وہ ہے کہ اگر سوال نہ کیا جائے۔ تو ناراض ہو جائے۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی قیامت کے دن کا قاضی اور حاکم ہے۔ قیامت کے دن کو محض اس لئے خاص کیا ہے کہ اس دن تمام املاک ختم ہو جائیں گے۔ دعاوی باطل اور مالک سرنگوں ہوں گے۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ ہم تیری توحید کے معتقد ہیں۔ جس طرح کہ مطیع ہیں۔

وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ یعنی تیری عبادت کرنے کے لئے تجھ ہی سے توفیق طلب کرتے ہیں اور تیرے احکام کی بجا آوری پر تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔ لفظ "اِیَّاكَ" مکرر اس لئے لایا گیا ہے۔ کہ اخلاص پر زیادہ دلالت کرے۔

اِهْدِنَا یعنی ہم کو ثابت قدم رکھ۔ امر کا صیغہ ہے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے۔ کہ اگر

قادری ہدایت یافتہ ہو تو پھر اِھْدِنَا کیوں کہے۔ اسلئے کہ انجام کا پتہ نہیں کہ کیسے ہو گا۔ اسی لئے دعا مانگی کہ ہمارا خاتمہ بھی ہدایت پر ہو۔ عقلمند کو ظاہری حال پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے گذرے ہیں۔ کہ مرتے وقت انہیں ایمان تک نصیب نہیں ہوا۔ جیسا کہ ابلیس، برصیصا، بلعم، اور ثعلبہ[1] کے حالات سے پتہ چلتا ہے۔ بقول کسے ؎

اے رات کے پہلے حصے میں خوشی سے سونے والے! ہو سکتا ہے کہ رات کے
آخری حصے میں تو حوادث اور مصائب کا شکار ہو جائے۔

رات کا پہلا حصہ اگر آرام سے گذر رہا ہے تو غرور نہ کر۔ کیونکہ رات بسا اوقات آخری حصہ میں آگ بھڑکا دیتی ہے۔

اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ یعنی واضح اور سیدھا راستہ اور وہ اسلام ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ یعنی جن پر تو نے اپنا انعام تمام کیا ہے اور احسان فرمایا ہے، یہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک نے انبیاء کے ذکر کے بعد فرمایا۔ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ الخ صراط کا دوسرا لفظ پہلے سے بدل الکل من الکل ہے[2]

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے المغضوب کی بابت سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا وہ یہود ہیں۔ اور ضالّین کے بارہ میں ارشاد ہوا۔ کہ وہ نصاریٰ ہیں۔

آمِیْن یہ لفظ قرآن پاک میں سے نہیں ہے۔ بلکہ دعائیہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہوا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے مجھے "آمین" پڑھنے کی تلقین کی۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اے خدا ہم نے جو سوال کیا ہے۔ اُسے قبول فرما۔

---

[1] یہ سب امم سابقہ کے عابدوں کے نام ہیں جو آخر کو ابلیس کی طرح گمراہ ہو گئے۔
[2] علم نحو کی اصطلاح میں بدل کی ایک قسم ہے۔

کبیری میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جب نمازی فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو۔ اور "آمین" مد کی شد (ﷲ) سے پڑھے۔ تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ لفظ اس جگہ کوئی ربط نہیں رکھتا۔ اور کہا گیا ہے کہ حضرت ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسلئے کہ قرآن پاک میں اس جیسا لفظ پایا جاتا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور مناسب ہے کہ "آمین" الف کی مد سے کہے نہ کہ میم کی تشدید کے ساتھ۔

وضو کے احکام

وضو کی تیاری عوارف میں لکھا ہے کہ متقی کو نماز کے وقت سے پہلے وضو کی تیاری کرنا چاہیئے۔ جامع الخانی کے نزدیک وضو کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے۔ کہ وضو نماز کے وقت سے پہلے کیا جائے۔

وضو کا برتن تانبے اور پیتل کے برتنوں سے وضو نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ خدا کے فرشتے ان کی بُو سے نفرت کرتے ہیں[1]۔ مستحب یہ ہے کہ مٹی کے برتنوں سے وضو کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تانبے کے برتن میں وضو کرنا مکروہ سمجھتے تھے[2]۔ سراجیہ نے اس امر کو مکروہ گردانا ہے۔ کہ کوئی شخص وضو کے برتن کو اپنے لئے خاص کرلے۔ (اس صورت میں کہ اس سے دوسرے شخص کو وضو کرنے کی اجازت نہ دے) استنجا کے وقت برتن کو دائیں ہاتھ میں اور وضو کے وقت بائیں ہاتھ میں پکڑنا چاہیئے۔

وضو کا پانی جو پانی سورج کی حرارت سے گرم ہوا ہو اس سے وضو نہیں کرنا چاہیئے اگرچہ بعد میں اُسے سرد کیوں نہ کر لیا جائے[3]۔ مگر وہ پانی جو سمندروں، دریاؤں اور حوضوں

---

[1] شرعہ۔ یہ تقویٰ ہے فتویٰ نہیں [2] شرح السنتہ [3] شرعہ

میں سورج کی حرارت سے گرم ہوا ہو۔ بالاتفاق جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک آب زمزم سے وضو کرنا مکروہ نہیں۔ مگر امام احمد نے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں فرمایا۔ پانی میں اسراف نہ کرنا بھی وضو کی سنتوں میں داخل ہے۔ اور نہ ہی بخل کرے۔ کہ جس سے وضو کا استحباب بھی جاتا رہے۔ بلکہ پانی کا استعمال دونوں حالتوں کے درمیان میں ہو۔ اس لئے کہ ایک موقعہ پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو فرمایا کہ پانی میں اسراف نہ کر۔ خواہ تو بہتی نہر کے کنارے کیوں نہ بیٹھا ہو۔ فتاوی الحجتہ میں لکھا ہے۔ کہ اعضائے وضو پر مسنون تعداد سے زیادہ پانی ڈالنا مکروہ ہے۔ ایک خبر میں آیا ہے کہ جو شخص وضو میں اسراف کرے۔ وہ میری امت کے شریروں میں سے ہے۔

استعانت غیر | مناسب یہ ہے کہ وضو میں غیر سے مدد نہ لی جائے۔ اسلئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی طہارت میں غیر سے استعانت طلب نہیں کرتے۔ ہاں اگر متوضی اعضائے وضو خود دھوئے تو پھر جائز ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے وضو کرنے میں مدد لی تھی۔ اس صورت میں کہ وہ اعضائے شریفہ پر پانی ڈالتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اپنے اعضاء کو دھوتے تھے۔

وضو کرنے کی جگہ | ناپاک جگہ پر وضو نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ (ایک تو چھینٹوں کے پڑنے کا اندیشہ ہے) اور دوسرے وضو کا پانی بھی حرمت اور تعظیم کا مستحق ہے۔ ایسے نجس جگہ جگہ پر گرانا مناسب نہیں۔ نیز بیت الخلاء اور استنجا کی جگہ بھی وضو نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ بعض جہلا کرتے ہیں۔ شرح السنتہ کے نزدیک متوضی اونچی جگہ قبلہ رُخ بیٹھ کر وضو کرے تاکہ چھینٹیں اس پر نہ پڑیں۔

وضو سے پہلے کی دعا | وضو کرنے سے پہلے متوضی یہ دعا پڑھے۔ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ

[1] محیط وسراجیہ [2] فتاوی الحجتہ [3] شرح السنتہ

هُمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ یعنی اے اللہ ہم شیطان کے وساوس سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔
اعضائے وضو دھوتے وقت دل کا اللہ کی طرف متوجہ ہونا صوفیائے کرام کا طریقہ ہے
میں نے بعض صالحین سے سنا ہے۔ کہ اگر وضو کے وقت دل "حاضر" ہو۔ تو نماز میں بھی "حاضر"
ہوتا ہے۔ اور اگر وضو میں سہو ہو جائے۔ تو نماز میں بھی شیطانی وساوس داخل ہو جاتے
ہیں۔ صلوٰۃ التجنشی میں لکھا ہے کہ وضو میں تسمیہ سنت ہے۔ پس مناسب ہے کہ وضو کی ابتدا
میں تسمیہ پڑھے تاکہ یہ برکت تمام اعضا کو حاصل ہو۔ ورنہ کسی ایک عضو کے دھونے پر
پڑھی گئی۔ تو یہ برکت کسی کے لئے ہوگی اور کسی کے لئے نہیں۔ الجامع الصغیر الخانی میں
درج ہے کہ جو شخص وضو کی حالت میں بسم اللہ شریف پڑھتا ہے۔ گویا وہ اپنا تمام بدن پاک
کر لیتا ہے۔ اور نہ پڑھنے کی صورت میں طہارت صرف مغسولہ اعضا کو حاصل ہوگی۔ نہ کہ سارے
بدن کو۔

ہاتھوں کا دھونا ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا فرض[1] ہے۔ لیکن ان کا پہلے موہچوں تک
دھونا سنت ہے۔ مگر یہ کبھی فرض کے قائم مقام ہو جاتا ہے جب نمازی وضو کا ارادہ کرے
تو پہلے ہاتھوں کو تین[2] دفعہ دھو لے۔

منہ دھونا پہلے تین[3] مرتبہ دائیں ہاتھ سے منہ میں پانی ڈال کر کلّی کرے۔ اور ہر دفعہ
نیا پانی استعمال کرے۔ کلی کرنے کی حد تمام منہ کو پانی سے بھر لینا ہے۔ اور مبالغہ یہ ہے
کہ حلق کے بالائی حصے تک پانی پہنچ جائے۔ ناک میں پانی ڈالنے کی حد ناک کی ہڈی تک
پانی کا پہنچانا ہے۔ اور مبالغہ اس سے اوپر تک ہے۔ اس وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ[4] منہ کی حد ماتھے کے بال کترنے کی جگہ سے ٹھوڑی
کے نیچے تک ہے اور عرضاً ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک، پانی کو پیشانی پر اس

---

[1] منافع [2] ذخیرہ [3] جامع الصغیر الخانی [4] روائح جمع ہے رائحہ کی۔ روائح النار دوزخ کی بھاپ

طرح سے ڈالے۔ کہ وہ ٹھوڑی کے نیچے تک بہ آئے۔ اور پہلے رخساروں اور ناک پر نہ بہائے پیشانی پر زور سے نہ مارے۔ اپنی مونچھوں اور ڈاڑھی کے بالوں کو دھوئے۔ اور ان بالوں کو بھی جو ٹھوڑی پر ہیں۔ ڈاڑھی کے اندر پانی پہنچانا واجب نہیں۔ ہاں اگر بال تھوڑے ہوں اور ان کی جڑیں دکھائی دیتی ہوں۔ تو پھر ان تک پانی کا پہنچانا ضروری ہے۔ منہ پر پانی ڈالتے وقت یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ بِنُوْرِكَ الخ اے اللہ میرے منہ کو اپنے نور سے روشن کر۔

چہرے کی سفیدی اور سیاہی کے بارے میں علمائے امت نے اختلاف کیا ہے بعض علماء نے حقیقی سفیدی اور سیاہی مراد لی ہے۔ اس حدیث شریف کی رو سے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا اس حال میں حشر ہوگا۔ کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا۔ اور کافر اس حال میں اُٹھے گا۔ کہ اس کا چہرہ حد درجہ سیاہ ہوگا۔ بعض علماء نے سفیدی اور سیاہی سے فرحت اور بشاشت اور اُداسی و غمگینی مجازاً مراد لی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُهٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ كَظِیْمٌ۔ جب انہیں لڑکی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے۔ تو ان کا چہرہ غمی کی وجہ سے سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہاں سیاہی سے مراد حقیقی سیاہی نہیں بلکہ غمی ہے (یعنی ان کے چہروں پر افسردگی چھا جاتی ہے)

سر کا مسح سر کے چوتھائی حصے کا مسح فرض ہے۔ کانوں کا مسح اندرونی اور بیرونی حصے پر اسی پانی سے کرے جس سے سر کا مسح کیا ہے۔ یہ سنت ہے۔

پاؤں کا دھونا اس کے بعد پاؤں کو ٹخنوں تک اس طرح دھوئے کہ برتن کو دائیں ہاتھ سے پکڑے۔ اور پاؤں کے اگلے حصے پر پانی ڈالے۔ اور بائیں ہاتھ سے اس کو ملے۔ اس کو

لہ مفتاح المسائل لہ خلاصہ

تین دفعہ دھوئے۔ ازاں بعد اپنے بائیں پاؤں کے اگلے حصے پر پانی ڈالے اور اس کو بائیں ہاتھ سے ملے۔ صلوٰۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا فرض ہے لیکن لفظ کعب کی مراد میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول کے مطابق کعب سے وہ ہڈی مراد ہے۔ جو باہر نکلی ہوئی ہے۔ جس کا ترجمہ ٹخنے سے کیا جاتا ہے۔ امام زفر نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے۔

خلال ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال صلوٰۃ مسعودی کے نزدیک تین طرح سے ہے جو انگلیاں آپس میں چپٹی ہوئی ہوں ان کا خلال فرض ہے اگر ایک دوسری کے اوپر تلے ہیں مگر آپس میں چپاں نہیں ہوتیں۔ تو ان کا خلال واجب ہے۔ اور اگر ایک دوسری سے جدا ہیں تو ان کا خلال سنت ہے۔

ذخیرہ میں درج ہے کہ اگر انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوں اور متوضی برتن سے وضو کر رہا ہو۔ تو ان کا خلال فرض ہے۔ لیکن حوض یا جاری پانی سے وضو کر رہا ہے۔ اور اس نے اپنا پاؤں حوض یا نہر میں ڈال کر دھولیا ہے تو خلال نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں خواہ انگلیاں ملی ہوئی کیوں نہ ہوں۔ زندویسی نے بھی اپنی نظم میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

خلاصۃ الصلوٰۃ کے مؤلف نے خلال کرنے کا طریقہ اس طرح لکھا ہے کہ اپنے دائیں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوئے۔ اور اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے اس کا خلال کرے۔ پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے۔ اور انگوٹھے پر ختم کرے۔ اس وقت متوضی کو یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ[1] قَدَمَیَّ عَلَی الصِّرَاطِ مَعَ اَقْدَامِ الْمُؤْمِنِیْنَ اس کے بعد اپنے بائیں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوئے۔ اور خلال انگوٹھے سے شروع کر کے چھنگلی پر ختم کرے۔ اور یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ اَقْدَامُ

---

[1] التثبیت مصدر ہے ثبت کا یعنی ثابت قدم رکھنا مِنْ اَنْ تَزِلَّ ازلال میں سے ہے پھسلانا۔

الْمُنَافِقِيْنَ یعنی اے پروردگار میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ میرے قدم اس دن پھسل جائیں جبکہ منافقین کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔

اگر کسی نے پاؤں کی تیل سے مالش کر رکھی ہو۔ اور دھوتے وقت چکناہٹ کے سبب اس پر پانی نہ ٹھہرے تو وضو ہو جائیگا۔ کیونکہ متوضی پر دھونا فرض ہے۔ پانی کا ٹھہرانا فرض نہیں۔

اگر متوضی کے پاؤں میں دراڑیں ہیں۔ تو ان کے اندرونی حصے میں پانی پہنچانا واجب ہے (عوارف)

اگر متوضی نے پاؤں کی کسی دراڑ میں چربی ڈال رکھی ہو۔ اور وضو کے وقت پانی سے پاؤں دھوئے مگر چربی کے سبب اس دراڑ تک پانی نہ پہنچ سکے۔ تو وضو جائز ہے بشرطیکہ پانی سے نقصان کا احتمال ہو۔ اگر پانی نقصان نہ دیتا ہو۔ تو پانی پہنچانا ضروری ہے۔ مسح کافی نہیں کیونکہ یہ شخص دوا کے نیچے پانی پہنچانے پر قادر ہے۔ اور اگر دوا گر جائے۔ تو اس پر پٹیوں کا حکم لگے گا یعنی زخم کے اچھے ہونے پر پٹی گر جائے تو ذیلی حصے کا دھونا واجب ہو جاتا ہے اور اسی طرح اگر دراڑوں کو سی دیا جائے۔ تو اس کے ماحول کا دھونا واجب ہے۔

شروط اربعین

دنیا سے منہ موڑ کر اور محبوب ازل کو معبود ذہنی بنا کر گوشہ نشین ہو بیٹھنا درویشی کی پہلی

۱؎ نساب ۲؎ نسخہ

۳؎ بازو کی ہڈی ٹوٹ جانے پر لکڑی کی تختیاں رکھ کر اوپر سے باندھ دی جاتی ہیں۔ ان پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔ اگر زخم کے اچھے ہو جانے پر وہ تختیاں گر جائیں۔ تو مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی حکم اس دوا کا ہے۔ جو دراڑوں میں ڈالا جائے۔ اس وقت اگر پانی سے زخم کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مسح کی اجازت ہے۔ لیکن شگاف یا زخم کے اچھے ہو جانے سے دوا گر جائے۔ تو مسح ٹوٹ جائیگا۔ اور پاؤں کو دھونا پڑے گا۔

منزل ہے۔ اور یہ وادی اس قدر ناگزیر ہے کہ کوئی سالک اسے طے کئے بغیر فقر و تصوف
کی ولایت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ شریعت و طریقت کی اصطلاح میں اس صورتِ حال کا
نام "اعتکاف" ہے۔ یہ ذہنی انتشار کا علاج اور قلب کی یکسوئی کا بہترین ذریعہ ہے۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص صدق دل سے چالیس یوم ذکر الٰہی میں مصروف رہے
اس کے قلب سے زبان کی طرف حکمت و دانائی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ ایک اور
مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جو شخص خلوص دل اور خالی پیٹ سے چالیس دن عبادت
الٰہی میں گذارے ہم اس پر علوم دینیہ کے دروازے کھول دیتے ہیں[1]۔ قرآن شریف میں
آتا ہے۔ وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖ
اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس شب کا وعدہ کیا۔ پھر دس اور ہیں پورا
کیا۔ اسی طرح تیرے رب کا وعدہ پورے چالیس یوم میں تکمیل کو پہنچا۔ چالیس یوم کی
تحدید اور قید میں یہ حکمت ہے کہ حضرت اللہ جل شانہ نے آدم علیہ السلام کا خمیر
چالیس دن رکھا تھا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ خَمَّرَ اللّٰهُ طِيْنَةَ اٰدَمَ بِيَدِهٖ
اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا[2] دوسری حکمت یہ ہے کہ قلبِ انسانی میں چالیس پردے ہیں۔ جو
اربعینہ سے چالیس کے چالیس کھل جاتے ہیں۔ عوارف شریف کی اصل عبارت یہ
ہے۔ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا بِهٖ اَرْبَعِيْنَ حِجَابًا لَنْ يَحْضُرَتَ الْاِلٰهِيَّةِ فَاِذَا تَمَّتْ
الْاَرْبَعُوْنَ زَالَتِ الْحُجُبُ وَصُبَّتْ عَلَيْهِ الْعُلُوْمُ وَالْمَعَارِفُ بِاتِّصَالِ نُوْرِ الْعَظَمَةِ
الْاِلٰهِيَّةِ یعنی چالیس یوم سے چالیس پردے اور حجاب دور ہو جاتے ہیں جب چالیس
یوم ختم ہوتے ہیں۔ تو حجاب رفع ہو کر قلب میں علوم و معارف کے خزانے ڈال دیئے جاتے

---

[1] من انقطع الی اللہ اربعین یومًا مخلصًا متعابدًا انفسہ بخفت المعدۃ یفتح علیہ علوم الدینیۃ
[2] حضرت اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو چالیس دن خمیر میں رکھا۔

ہیں۔ جن کے ساتھ عظمت الٰہی کا نور وابستہ ہوتا ہے۔ الغرض "اعتکاف" بڑے فضل برکت کی چیز ہے۔ مگر اس کے لئے چند شرائط کی بجا آوری نہایت ضروری ہے۔ ا بغیر خاطر خواہ فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ اسی خیال کے پیش نظر حضرت غوث العلمینؒ نے اپنے مریدوں کے لئے اوراد کے نام سے ایک مبسوط دستور العمل مرتب فرمایا تھا۔ جس دھندلا سا عکس ہم گذشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں۔ اب وہ چالیس شرائط قارئین کے سامنے رکھتے ہیں۔ جن میں حضرت نے معتکفین کے لئے ایک روشن اور وا متعین کر دی ہے۔ اگر سالک ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے۔ تو جمالِ یار کا نظ ہونا کوئی مشکل نہیں رہتا۔ افسوس ہے حضرت کی اصل عبارت جو فارسی میں تھی میسر نہ آسکی۔ مرورِ زمانہ سے وہ "گنجِ شائگان" رائگان ہو گیا۔ اس لئے اس کے ترجمہ پر قناعت کرتے ہیں وہو ہذا۔

ا۔ سالک کو چاہیئے۔ کہ ایسی نیت سے غسل کرے گویا یہ اس کا آخری غسل ہے وہ مردہ ہے۔ کَمَا قَالَ الْمَشَائِخ اَنَّ مِنْ لَوَازِمِ حَالِ الْمُرِیْدِ الْجُلُوْسُ فِی الْخَلْوَةِ وَاَنْ یَغْتَسِلَ وَیَنْوِیْ فِیْ غُسْلِہٖ اِنَّ غُسْلَ الْمَیِّتِ لِیَکُوْنَ بَیْنَ یَدَیِ الْغَسَّالِ فِیْ عَدَمِ حُظُوْظِ النَّفْسِ وَھَوَاھَا جیسا کہ مشائخ کا قول ہے کہ مرید کے واسطے خلوت نشینی لازم ہے اور وہ لذات دنیوی کو ترک کر کے اپنے آپ کو مردہ تصور کرتے ہوئے غسل کرے۔ اور یہ خیال کرے کہ میں خداوند کریم کے دستِ رحمت سے غسل کرتا ہوں۔ جیسا غسال مردہ کو غسل دیتا ہے۔" وَاَمَّا نِیَّتُ فَلِقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا موت کی نیت حدیث مذکورہ سے ظاہر ہے یعنی ع

خاک شو پیش از انکہ خاک شوی

وَلَا یَخْفٰی اَنَّ الْمُرَادُ بِالْمَوْتِ قَبْلَ اَنْ یَرٰی نَفْسَہٗ مَیِّتًا فِیْ عَدَمِ حُظُوْظِ النَّفْسِ

ھَوَاھَا وَھٰذَا ھُوَ نِیَّتُ الْمَوْتِ۔ اور اس موت کا مطلب حقیقی یہ ہے کہ طالب اپنے آپ کو عدم حظوظ نفس اور ترک ہوا میں مردہ تصور کرے اور یہی موت کی نیت ہے، بقول کسے

؎ بمیری گر بمیرد دن خو بگیری
بمیر از خویش تا ہرگز بمیری

۲۔ سالک کو چاہیئے کہ اپنے دل میں نیت کرے کہ میں نے خلقِ خدا کو بہت تکلیف دی ہے۔ اور اب اس حالتِ اعتکاف میں خلق میرے شر سے امن میں ہے۔ دل میں یہ نیت نہ ہو کہ اس اعتکاف سے میں اپنے آپ کو خلقِ خدا سے بچا کر رکھوں۔ اور ان کے شر سے محفوظ رہوں۔

۳۔ اعتکاف حجرہ یا مسجد میں کرے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔
وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ یعنی تم مسجدوں میں اعتکاف کرو۔

۴۔ سالک کو چاہیئے کہ اعتکاف کی حالت میں اہل و عیال سے دور رہے کہ یہ موجب فتنہ ہیں۔ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ

۵۔ سالک کو مناسب ہے کہ ماسوی اللہ ہر قسم کے تفکرات اور وساوس کو دور کر دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ (ای نسیت الغیر) یعنی جب تو ماسوی اللہ کو ترک کر دے تو اپنے اللہ کا ذکر کر؎

آنانکہ بجز روئے تو جائے نگرانند
کوتہ نظرانند چہ کوتاہ نظرانند

۶۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) کا ذکر جاری رکھے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یعنی اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور کلمہ شریف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد کرو؎

رفتم بطبیبے کہ ز حق آگاہ است — بر تختِ ولایتِ حقیقت شاہ است
گفتم کہ دوائے دلِ بیمارم چیست — خوش گفت کہ لا الٰہ الا اللہ است

۷۔ سالک کو چاہیئے۔ کہ قدرت الٰہی کا مشاہدہ کرے۔ اور اس میں غور و خوض کرے۔ جیسا کہ کلام ربانی میں ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ یعنی جو لوگ کہ حالتِ قیام و قعود اور لیٹے ہوئے اپنے مولا کا ذکر کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش اور ان کی نیرنگیوں میں سوچتے ہیں اور غور کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سِتِّیْنَ سَنَۃً" کہ ایک گھڑی کا سوچنا اور غور کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

با ہر کہ ذکر و فکر نمودند ز ابتداء
ذکرش چو شہد آمد و فکرش چو انگبین

۸۔ کھانے میں احتیاط اور اعتدال چاہیئے۔ یعنی نہ بہت زیادہ کھائے اور نہ بہت کم۔ کیونکہ اگر بہت کم کھائے گا تو ضعف کے سبب عبادت نہیں کر سکے گا۔ اللہ تبارک و تعالےٰ فرماتے ہیں۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو۔

معتدل گشت ہر کہ اہل دل است — در جمیع امور معتدل است
ہر کہ بیروں ز اعتدال افتد — زود در عرصۂ زوال افتد
چوں خوری بیش پیل باشی تو — کم خوری جبرئیل باشی تو

۹۔ ہمیشہ حلال کھائے اور حلال پہنے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلَالًا طَیِّبًا وَمَنْ اَکَلَ الْحَلَالَ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا نَوَّرَ اللّٰہُ تعالیٰ قَلْبَہٗ وَاَجْرٰی یَنَابِیْعَ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ اِلٰی لِسَانِہٖ" یعنی ہمیشہ حلال کھاؤ۔ اور جو شخص چالیس یوم کسبِ حلال سے لقمہ کھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور فرماتے ہیں

اور اس کے قلب سے زبان کی طرف حکمت کے چشمے جاری ہو جاتے اور لباس ــــ !
بہترین لباس جو تمہارا ہونا چاہیئے۔ وہ پرہیزگاری ہے"۔ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی خَیْرٌ۔

۱۰۔ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے اپنے شیخ طریقت سے اجازت ضروری ہے
اللہ کریم فرماتے ہیں۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔
یعنی "اے مسلمانو! خدا سے ڈرو اور ہمیشہ صادقین (اولیائے کرام) کی رفاقت اختیار کرو"
سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ وَمَنْ
لَّا شَیْخَ لَہٗ فَشَیْخُہُ الشَّیْطَانُ "شیخ طریقت اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت
میں ہوتا ہے اور جس کا مرشد نہیں ہوتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے" ؎

شیطان آنکس کہ بعالمش نباشد پیرے ۔۔۔ از قول نبی مرید شیطان باشد

یعنی فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس شخص کا شیخ نہیں ہے۔ وہ شیطان کا
مرید ہوتا ہے ؎

تا نرسی بشیخ باحق نرسی ۔۔۔ زیرا کہ میان شیخ وحق نیست دوئی

یعنی اے درویش! جب تک تو شیخ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوگا۔ خدا تک نہیں پہنچ سکیگا
کیونکہ شیخ اور حق کے درمیان دوئی نہیں ہے۔

۱۱۔ ہمیشہ وضو سے رہنا چاہیئے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا
وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔

؎ باوضو باش در ہمہ اوقات ۔۔۔ تا ترا نور دل قرین باشد
بروضو کس مواظبت نکند ۔۔۔ غیر مومن کہ پاک دیں باشد

قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْوُضُوْءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ یعنی "وضو مومن کا ہتھیار ہے۔ اور وہ
اس کے طفیل جن اور شیاطین کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۲۔ نیند نہ کرنا اور اپنا پہلو زمین پر نہ لگا قال اللہ عزوجل تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؎

در خواب مشو کہ خواب با مرگ است جفت ۔ از خواب کسے را گل شادی نشگفت

برخیز و نیاز کن بدرگاہِ خدا ۔ کاندر لحدِ تنگ بسے خواہی خفت

؎

گر تو ہستی مرد عاشق شرم دار ۔ خواب را با دیدۂ عاشق چہ کار

؎

چشمے کہ درو خار بود چوں خسپد ۔ آنرا کہ غم یار بود چوں خسپد

اے آنکہ گنہ مے کنی و مے خسپی ۔ آنکس کہ گناہگار بود چوں خسپد

۱۳۔ معتکف کو چاہیے کہ ہمیشہ روزہ دار رہے جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے۔

وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ ۔ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ

یعنی "روزہ کے سوا اعتکاف درست نہیں"۔ "اور اعتکاف ہمیشہ جامع مسجد میں ہونا چاہیئے"۔ (نوٹ) جامع مسجد کا ارشاد ثواب کی زیادتی کیلئے ہے۔ ورنہ محلے کی مسجد میں بھی اعتکاف جائز ہے۔

۱۴۔ پانچوں وقت نماز کا باجماعت ادا کرنا اعتکاف کی نہایت ضروری شرط ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ یعنی "نماز باجماعت ادا کرو"۔ ایک صاحبدل نے کیا خوب کہا ہے ؎

چوں نماز است احسن الاعمال ۔ باجماعت نماز بگذارید

یعنی جب نماز احسن الاعمال ہے۔ تو ضروری ہے کہ اسے جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے

۱۵۔ معتکف کو چاہیئے کہ وہ دانائی حاصل کرے تاکہ اس کے ذریعے حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

"ایک فقیہ (عالم) شیطان کے مقابلہ میں ہزار عابد کی طاقت سے زیادہ قوت رکھتا ہے"۔ یعنی اگر ہزار عابد مل کر شیطان کو بھگانا چاہیں تو شاید وہ نہیں بھگا سکیں گے۔ لیکن ایک باعمل عالم اُسے فوراً چاروں شانے چت گرا دے گا۔

۱۶۔ معتکف کو لازم ہے کہ دنیا کی فضول باتوں سے ہمیشہ اجتناب کرے۔ اور خاموشی کو اپنا وطیرہ بنائے۔ کیونکہ خداوند کریم فرماتے ہیں

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ

"انسان جو کلام کرتا ہے۔ اور جو کچھ بولتا ہے۔ اُسے اس کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس کی زبان پر پہرہ دار مقرر ہیں"۔ لیکن مطلق خاموشی بھی درست نہیں۔ معتکف کو چاہیئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے زبان بند نہ کرے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے۔

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ

؎ سخن بسیار دانی اندکے گو یکے را صد مگو صد را یکے گو

۱۷۔ معتکف کو چاہیئے کہ جائے اعتکاف سے سوائے حاجتِ انسانی (بول و براز) کے باہر نہ آئے۔ اور اگر بلا عذر شرعی باہر چلا آئے گا۔ تو اس کا اعتکاف نہ رہے گا۔

۱۸۔ ہمیشہ اپنی نظر اور معبود ذہنی عقبیٰ ہی کی طرف رکھے۔ اور دنیائے دوں کی طرف رغبت نہ کرے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْہَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ ط یعنی جو شخص کہ آخرت کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہم اس کی کھیتی میں برکت اور زیادتی عطا کریں گے

اور جو شخص اس دنیا کی کھیتی اور خیر و برکت چاہتا ہے۔ تو اسے یہ عنایت کریں گے مگر آخرت میں اُسے کچھ نہیں ملے گا۔

نزد مرداں حُبِّ دنیا زہر قاتل آمدہ است
زہر خوردن اے جواں جز کار احمقی کے بود

خدا پرستوں کے نزدیک حُبِّ دنیا زہر قاتل ہے۔ اور زہر کا کھانا احمق ہی کا کام ہے۔

۱۹۔ معتکف کو چاہیئے کہ دنیا کے عیش و آرام اور فانی نعمتوں سے مجتنب رہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ

یعنی "جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تو فنا ہو جائے گا۔ اور جو اللہ کے پاس ہے۔ وہ باقی رہنے والا ہے۔"

سُرُوْرُكَ فِي الدُّنْيَا غُرُوْرٌ وَغَفْلَةٌ
وَعَيْشُكَ فِي الدُّنْيَا مُحَالٌ وَّبَاطِلٌ

۲۰۔ اپنے دل کو فضولیات سے پاک کر لے۔ جیسا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ "کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے؟"

۲۱۔ معتکف کو لازم ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ جیسا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہماری طرف سعی اور جدوجہد کریں گے ہم انہیں اپنا راستہ دکھائیں گے۔ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلزَّاهِدُوْنَ فِي الدُّنْيَا الرَّاغِبُوْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُمُ الْاٰمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو لوگ دنیا سے کنارہ کش اور آخرت کے شائق ہیں۔ وہ قیامت کے دن امن میں ہوں گے۔

۲۲۔ معتکف کو ہمیشہ یادِ حق میں مصروف رہنا چاہیئے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ "میرے بندوں کا خاصہ ہے۔ کہ وہ ہر وقت مجھے یاد کرتے ہیں۔ خواہ قیام اور قعود میں ہوں خواہ لیٹے ہوں" ؎

ہر آں کہ غافل از حق یک زمان است

دراں دم کافر است امّا نہان است

۲۳۔ طالبِ مولیٰ کو چاہیئے کہ تلاوت قرآن پر مداومت کرے ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ الاٰیۃ "یہ قرآن مجید ایسا راستہ دکھاتا ہے جو نہایت سیدھا اور مستقیم ہے"۔ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ "قرآن مجید اور روزے قیامت کے دن شفاعت کریں گے"۔

۲۴۔ طالبِ مولیٰ کے لئے ضروری ہے۔ کہ نفع و نقصان اور خیر و شر میں خداوند کریم کی تقدیر پر شاکر رہے۔ اور رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھے اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں وَلَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلنِّعْمَۃُ مِنِّیْ وَالشُّکْرُ مِنْکَ اَلْبَلَاءُ مِنِّیْ وَالصَّبْرُ مِنْکَ اَلْقَضَاءُ مِنِّیْ وَالرِّضَاءُ مِنْکَ یعنی "اے بندو! اگر تم شکر کرو گے۔ تو میں تمہیں اور زیادہ دونگا"۔ اور حدیث قدسی میں آیا ہے کہ "نعمت کا عطا کرنا ہمارا کام ہے۔ اور شکر کرنا تمہارا۔ اور بلا یعنی آزمائش ہماری جناب سے ہے اور اس پر صبر کرنا تمہارا فرض ہے قضا ہماری طرف سے ہے اور اس پر راضی ہونا تمہارا کام ہے"۔ ایک بزرگ کا قول ہے

؎ ہر کہ دریں بزم مقرب تر است جامِ بلا بیشترش مے دہند

یعنی جو آدمی اس بارگاہ میں زیادہ مقرب اور پیارا ہے۔ اسی کو آزمائش اور ابتلا کا پیالہ زیادہ ملتا ہے۔

۲۵۔ طالبِ مولیٰ کو چاہیئے۔ کہ اپنا سر ننگا نہ رکھے۔ بلکہ اُسے ڈھانپ کر رکھے۔
۲۶۔ معتکف کے لیئے ضروری ہے۔ کہ سر منڈائے۔ اور موئے لب سنت کے مطابق رکھے۔

۲۷۔ پاؤں ننگا رکھنا مناسب نہیں۔ جوتے کا استعمال ضروری ہے۔
۲۸۔ طالبِ مولیٰ کو مناسب ہے کہ آسمان کی طرف نگاہ نہ کرے۔ اور اوپر کو نہ دیکھے ایک صاحبدل کا مقولہ ہے ع

سالکاں از بار اندوہ برنمی دارند سر

یعنی سالک بارِ اندوہ سے سر نہیں اُٹھاتے۔
۲۹۔ معتکف کو چاہیئے کہ ایسے مشاغل اور تعلقات ترک کر دے۔ جو اس کے اور محبوب حقیقی کے درمیان حجاب کا باعث بنتے ہوں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

تعلّق حجاب است وبے حاصلی ۔ چو پیوندہا بگسلی واصلی

اے انسان! یہ تعلقات اور دنیاوی مشاغل حجاب ہیں۔ اور جب تو یہ پردے اور مجھ سے چھوڑ دے گا۔ واصل بحق ہو جائے گا۔
۳۰۔ ضروری ہے کہ معتکف اپنے آپ کو عجب اور تکبّر سے بچائے رکھے۔ جیسا کہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ اَلْعُیُوْبُ کَثِیْرَۃٌ اَعْظَمُھَا اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِمَا فَعَلَ مِنَ الطَّاعَاتِ کہ انسان میں یوں تو عیب بہت ہیں۔ مگر سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اپنی اطاعت پر گھمنڈ اور غرور کرے۔
۳۱۔ طالبُ المولیٰ کو چاہیئے کہ خلوت دین کی سلامتی کے واسطے اختیار کرے۔ نہ کہ شہرت اور ناموری کے واسطے۔ کیونکہ اس شہرت میں آفت ہے ؎

گر شہرہ شوی بہ شہر شر النّاسی ۔ ور گوشہ نشینی تو ہم از وسواسی

آں بہ کہ اگر خضرے اگر الیاسی کس نشناسد ترا کس را تشناسی

یعنی اگر تو جہاں میں شہرت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو شر الناس ہے۔ اور اگر گوشہ نشین ہے تو بھی شہرت تجھے تباہ کردے گی۔ بہتر یہ ہے کہ خواہ تو خضر اور الیاس کیوں نہ ہو۔ ایسی حالت اختیار کر کہ نہ تو کسی کو جانے اور نہ کوئی تجھے پہچانے۔

۳۲۔ تقدیر الٰہی پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیئے ارشاد ہوتا ہے "مَنْ لَمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ وَلَمْ یَشْکُرْ عَلٰی نَعْمَائِیْ وَلَمْ یَقْنَعْ بِعَطَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ"۔ "جو شخص میری تقدیر پر راضی نہیں ہوتا۔ اور میری بلا پر صبر نہیں کرتا۔ اور میری نعمتوں پر شاکر اور میرے عطیات پر قانع نہیں ہوتا۔ اُس آدمی کو چاہیئے کہ کوئی اور خدا تلاش کرے۔"

۳۳۔ ایسے وساوس اور خطرات کو جو آفت میں ڈالنے والے ہیں۔ دل سے نکال دے "اَلْخَوَاطِرُ هُوَ رُکْنٌ عَظِیْمٌ لِاَنَّ الْقَلْبَ مَا لَمْ یَخْلُ مِنْ ذِکْرِ الْغَیْرِ لَا یُؤَثِّرُ ذِکْرُ اللّٰہِ فِیْهِ اَصْلًا" ۔ یہ شرط بے حد اہم ہے۔ کیونکہ جب تک انسان کا دل غیر سے خالی نہ ہوگا۔ خدا کا ذکر اس میں ہرگز اثر پیدا نہ کریگا۔

۳۴۔ جمعہ بالالتزام ادا کرنا چاہیئے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَا اِعْتِکَافَ اِلَّا فِیْ مَسْجِدِ الْجَامِعِ یعنی اعتکاف ہمیشہ جامع مسجد میں ہونا چاہیئے۔

۳۵۔ معتکف کو لازم ہے کہ کلمہ استغفار بلا ناغہ پڑھا کرے "اللہ کریم فرماتے ہیں

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

وَفِی الْخَبَرِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا ابْنَ آدَمَ مِنْکَ الْاِسْتِغْفَارُ وَمِنِّی الْمَغْفِرَۃُ

یعنی "اے اولاد آدم! استغفار تمہارا کام ہے۔ اور مغفرت ہمارا کام ہے"

۳۶۔ موت ہمیشہ پیش نظر ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔

"لِکُلِّ شَیْءٍ اَصْلٌ وَفَرْعٌ فَاِنَّ اَصْلَ الطَّاعَاتِ ذِکْرُ الْمَوْتِ

وَالطَّاعَةُ فَرْعُهٗ وَاِنَّ اَصْلَ الْمَعَاصِیْ نِسْیَانُ الْمَوْتِ وَالْمَعَاصِیْ فَرْعُهٗ یعنی ہر چیز کی اصل اور فرع ہوتی ہے۔ عبادات کی اصل اور جڑ موت کا یاد رکھنا ہے۔ اور اس کی فرع طاعت ہے اسی طرح گناہوں کی جڑ موت کا بھلا دینا ہے۔ اور اس کی شاخ گناہ اور عصیان ہے بقول شاعر ؎

بامید وصالت ہمی دہم جاں وگرنہ طاقتِ ہجراں کہ دارد

یعنی اے اللہ! تیرے وصال کی اُمید پر جان دیتا ہوں۔ ورنہ کسے توفیق ہے۔ کہ وہ ہجر برداشت کر سکے۔

۳۷۔ سالک کو چاہیئے کہ ہمیشہ عذاب الٰہی سے خائف رہے۔ اور گریہ سے محبت رکھے ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

گریہ گر کس کند برائے خدا عفو سازد خدا گنہ اورا
گرچہ باشد گناہ آنکس را بیشتر از ستارگان شمار

یعنی کسی شخص کے گناہ خواہ آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اگر وہ بارگاہ الٰہی میں روئے اور زاری کرے تو اللہ کریم اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں مَنْ بَکٰی نَفْسَهٗ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ ضَاحِکًا جو شخص خوفِ خدا سے روتا ہے۔ خداوند کریم اُسے اس حال میں بہشت میں داخل کریگا۔ کہ وہ ہنس رہا ہوگا۔

۳۸۔ معتکف کو لازم ہے کہ محبوبِ حقیقی کے دیدار کا آرزومند اور اس کی رحمت کا طلبگار رہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اے میرے بندو! میری رحمت سے نا اُمید نہ ہونا۔ جس پر اپنا فضل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہوں۔ ایک صاحبِ حال کا ارشاد ہے ؎

بخشش و فضلِ حق نہ حد بیاں ہست ایں قول در جہاں شائع

آنکہ بر کافران ببخشاید مسلماں را کجا کند ضائع

— یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش و فضل کا شمار نہیں ہو سکتا تو پھر وہ رحیم و کریم خدا جو کافروں پر بھی عنایت کرتا ہے مسلمان کو کیسے محروم رکھ سکتا ہے۔!

۳۹۔ بول و براز کے متعلق جو آداب مقرر ہیں۔ ان کا بھی خیال رکھے۔

۴۰۔ ضروری ہے کہ خلوت میں بھی ادب پیش نظر رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص بے ادب ہے۔ اُسے شرف حاصل نہیں ہو گا یعنی ادب میں عزت ہے ؎

بے ادب مرد کے شود بہتر گرچہ او را جلالت نسب است

؎

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

؎

با ادب باش تا بزرگ شوی کہ نتیجۂ بزرگی ادب است

رسالہ کے آخر میں اعتکاف میں بیٹھنے کی ترغیب دی گئی ہے جو چھ اشعار پر مشتمل ہے یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ کلام کس بزرگ کے فکر رسا کا نتیجہ ہے۔ ہم ان اشعار کو علی حالہ یہاں درج کر رہے ہیں ؎

اے دل بیا بکوئے وفا خلوت گزیں در سلک سالکاں برہ بے نشاں نشیں
از ہر چہ غیر دوست نیابد اے دل وانگہ بحق نمائی تو لا چو اہل دیں
تجرید شو ز ہر چہ دریں رہ نہ در خور است بر آستانِ دوست برآور یک اربعیں
تا ہر کہ در تکیہ بود با صفا شود از دستِ دیو نفس ز ہر جانِ نازنیں
پس نورِ حق مشاہدہ افتد ترا بسر مرآت روئے دوست شوی از سر یقیں
سلطانِ تختِ مملکتِ سرمدی بعشق تنہا بود کہ کسب کند دولتِ چنیں

قلمی نسخے حضرت مخدوم لال عیسن رحمتہ اللہ علیہ (کروڑ لال عیسنؒ) کے مزار مبارک کے سرہانے ایک قلمی قرآن شریف رکھا ہے۔ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت غوث العلمینؒ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ پہلے یہ حضرتؒ کے مقبرہ شریف میں رکھا ہوا تھا جب شیخ لال عیسنؒ ملتان سے کروڑ تشریف لائے۔ تو اس بے بہا تبرک کو بھی ہمراہ لیتے آئے۔ نیاز مند نے کروڑ پہنچ کر اس متحفہ کی زیارت کی ہے۔ رسم الخط تو چھٹی صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں حضرت کے دستخط یا کوئی ایسی تحریر نہیں مل سکی جس سے اس دعویٰ کی توثیق ہو سکتی

اسی طرح العزیز بہاول پور کے شمارہ فروری ۱۹۴۵ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا۔ کہ حضرت غوث العلمینؒ نے سید علی ہجویریؒ کی مشہور عالم تصنیف "کشف المحجوب" کو بھی اپنے ہاتھ سے سپرد قلم فرمایا تھا۔ یہ قیمتی نسخہ پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم۔اے مترجم عجائب الاسفار کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد جب ان کے خاندان کی حفاظت نہیں ہو سکی۔ ان کا علمی خزانہ کہاں محفوظ رہا ہوگا۔ خاکسار نے ان کے قریبی رشتہ داروں سے ہرچند دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس گنجِ شاہیگاں کا پتہ نہیں چل سکا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

"دوست بدوست رسید"

حضرت غوث العلمینؒ نے کافی عمر پائی تھی۔ اس لئے آپ کو کئی بادشاہوں کا دور دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ سلطان شمس الدین التمش جو علماء اور مشائخ کے بڑے قدردان تھے۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو فوت ہو گئے۔ ان کے بعد شہزادہ رکن الدین مسندنشین ہوئے۔ مگر چند ماہ بعد معزول کر دئے گئے۔ ان کی جگہ سلطان التمش کی جواں ہمت شہزادی رضیہ تخت پر بیٹھی۔ لیکن ۳½ برس کے بعد وہ بھی شہید کر دی گئی۔ اسے حضرت غوث العلمینؒ سے گہری عقیدت تھی۔ اپنی عملداری کے زمانہ میں جب وہ ایک بغاوت فرو کرنے کی غرض سے پنجاب آئی۔ تو اس نے ملتان پہنچ کر حضرت کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اور ایک آباد موضع لنگر کے لئے نذر گذارا۔

۲۸ رمضان ۶۳۷ھ کو معز الدین بہرام شاہ نے آبائی تخت سنبھالا۔ لیکن ابھی اسے دو سال بھی نہیں گذرے تھے۔ کہ مخالف امراء نے تخت سے اتار کر قتل کر دیا۔ اب بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ حکومت التمش کے خاندان سے رخصت ہو چکی ہے۔ امرائے سلطنت نے ملک اعز الدین بلبن کو تخت پر لا بٹھایا۔ لیکن ابھی اُس کا پہلو بھی گرم نہ ہوا تھا۔ کہ یاروں نے بازو سے پکڑ کر نیچے اُتار دیا بقول ع

بیٹھنے پائے بھی نہ تھے کہ نکالے بھی گئے

امراء پھر دوڑے اور سلطان رکن الدین کے بیٹے علاؤالدین مسعود کو قصر سفید سے نکال لائے یہ شہزادہ اپنے چچوں ناصر الدین اور جلال الدین کے ہمراہ اس محل میں قید و بند کی سختیاں جھیل رہا تھا۔ تخت پر بیٹھا۔ تو چچوں کی مصیبت کا احساس ہوا۔ چنانچہ ملک جلال الدین کو تو قنوج مرحمت کیا۔ اور ناصر الدین کو بھڑائچ لیکن تاج و تخت اسے بھی راس نہ آیا۔ چار سال بعد امراء اس بھی تنگ آ گئے۔ انہوں نے شہزادہ ناصر الدین کو خفیہ عرضداشت بھیجی۔ کہ دہلی کا تخت خطرے

میں ہے۔ آپ فوراً تشریف لے آئیں۔

ناصرالدین نے دہلی کا رخ کیا۔ اس سفر میں اس کی والدہ ملکہ جہاں ہمراہ تھی۔ اس نے مشہور کیا۔ کہ سلطان بیمار ہے اور علاج کی غرض سے دہلی جا رہا ہے۔ اسے ایسا وہم تھا۔ کہ جب رات ہوتی تو ناصرالدین کے منہ پر نقاب ڈال دیتی۔ تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ اس رازداری سے بیٹے کو دلّی لے آئی۔ کہ کسی کو علم تک نہ ہو سکا۔ الغرض ۲۳ محرم ۶۴۴ھ کو قصر سبز میں سلطان ناصرالدین نے اپنے باپ کے تخت پر قدم رکھا۔ غیاث الدین بلبن کو وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان عنایت کیا۔ اور سلطنت کے تمام کاروبار اس کے اعتماد پر چھوڑ دیئے۔ اور اسے تمام اعیانِ سلطنت کی موجودگی میں کہہ دیا۔ کہ ایسا کوئی کام نہ کرنا۔ کہ خدا کے روبرو اس کے جواب سے تجھے شرمندہ ہونا پڑے۔ سچ یہ ہے۔ کہ اس وزیر نے نمک کا حق ادا کیا۔ اور سلطنت ہند کو جو چند سالوں سے بازیچۂ طفلاں بنی آ رہی تھی۔ ہر لحاظ سے مضبوط بنا دیا۔ کسی امیر کو یہ جرأت نہ تھی کہ اس کے آگے دم مار سکے۔ اس نے اپنے عم زاد بھائی شیر خان کو سرحدی صوبوں کا حاکم مقرر کیا۔ جس میں غزنی۔ کابل۔ قندھار۔ بلخ۔ ہرات۔ لاہور۔ اُچ اور ملتان سب شامل تھے۔ یہ بڑا منتظم اور بہادر سپہ سالار تھا۔ اس نے اچھا انتظام کیا۔ صاحب تذکرہ ملتان کا بیان ہے [کہ سلطان ناصرالدین ۶۴۹ھ میں براستہ لاہور ملتان تشریف لائے۔ اس نے غوث العلمینؒ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضری دی اور خدام بارگاہ کو خلائع فاخرہ اور انعام و اکرام سے مالامال کیا۔

سلطان ناصرالدین باپ کی طرح ایک متقی اور پرہیزگار بادشاہ تھا۔ اگرچہ اس کا دربار نہایت مکلّف ہوتا۔ مگر گھر کی سادگی کا یہ عالم تھا۔ کہ ملکہ سلیمہ بیگم اپنا کھانا خود پکاتی تھی۔ ایک دن اس نیک بخت نے عرض کی۔ کہ روٹی پکانے میں ہاتھ جلتے ہیں۔ کوئی لونڈی خرید لو۔ فرمایا۔ بیت المال رعایا کا حق ہے۔ میرا اس میں کچھ حصہ نہیں ہے۔ کہ روپیہ لے کر لونڈی

خرید لوں۔ صبر کر۔ خدا اس کا اجر دے گا۔ غرض ساری عمر درویشی میں بسر کر دی۔ اور ایک کوڑی تک شاہی خزانہ سے قبول نہ کی۔ ہمیشہ قرآن شریف کی کتابت سے گذارا وفات کرتا رہا۔ اتفاقاً ایک امیر اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید زیادہ قیمت میں لے گیا۔ اسے علم ہوا۔ تو بڑا فکر مند ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن شریف خفیہ طور پر بیچنے لگا۔

سلطان کا ایک مصاحب "محمد" نام تھا۔ یہ ہمیشہ اُسے نام سے پکارتا تھا۔ ایک دفعہ اُسے نام سے نہ پکارا۔ بلکہ فرمایا "تاج الدین ادھر آ۔ اور یہ کام کر" محمد کام کر کے گھر چلا گیا۔ پھر تین دن تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ سلطان نے آدمی بھیج کر اُسے طلب کیا۔ اور غیر حاضری کا سبب دریافت فرمایا۔

مصاحب نے دست بستہ عرض کی کہ حضور نے مجھے خلاف عادت تاج الدین کہہ کر پکارا تھا۔ اس سے میں نے محسوس کیا۔ کہ حضور اپنے غلام پر ناراض ہیں۔ اسی رنج میں تین دن گھر سے نہیں نکلا۔

سلطان نے فرمایا۔ اے عزیز! مجھے تم پر کوئی رنج نہیں ہے۔ اُس دن میں وضو سے نہیں تھا بغیر وضو "محمد" کا نام لیتے ہوئے مجھے شرم آئی۔ اس لئے تاج الدین کہہ کر پکارا۔

مغلوں کا دوسرا حملہ سلطان ناصر الدین نے اگرچہ شیخ الاسلامی کا منصب بدستور سابق حضرت غوث العلمینؒ قدس سرہ العزیز سے منسوب کر رکھا تھا لیکن اس بارے میں تاریخیں یکسر خاموش ہیں۔ کہ حضور ناصر الدین کے زمانے میں کبھی دہلی تشریف بھی لے گئے یا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت غوث العلمینؒ ان دنوں گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ دہلی میں انہوں نے یا تو اپنا کوئی نائب مقرر کر رکھا ہوگا۔ یا کاغذات بغرض فیصلہ یہاں آتے ہوں گے۔

ملتان کی صوبیداری پر جب تک شیر خاں ممتاز رہا۔ اس شہر پر کسی بیرونی حملہ آور نے حملہ نہیں کیا۔ لیکن اعز الدین بلبن کے زمانے میں مغلوں نے پھر ایک خوفناک حملہ کیا۔

اعزالدین بلبن شمس الدین التمش کا ایک مقتدر امیر تھا۔ معزالدین بہرام شاہ کے بعد لوگوں نے اسے بھی تخت پر لا بٹھایا تھا۔ اگر کوئی اور بادشاہ دلی کے تخت پر بیٹھتا۔ تو اسے زندہ نہ چھوڑتا۔ لیکن ناصرالدین کے رحم و کرم نے اس کی جان لینا گوارا نہ کی۔ نہ صرف خطا معاف ہوئی۔ بلکہ بدستور سابق اسے نظامت کا عہدہ بھی مرحمت ہوا۔ لیکن بے وقوفوں کے بھکانے سے رہ رہ کر اس کے دماغ میں بادشاہی کا مروڑ اُٹھتا تھا۔ چنانچہ اس نے ناگور اور اُچ میں متواتر بغاوتیں کیں۔ سلطان نے اُسے شکست فاش دی۔ لیکن جب وہ تلواروں کی چھاؤں میں ننگے سر پیش ہوا۔ تو رحمدل شہنشاہ نے نہ صرف اُسے معاف کر دیا۔ بلکہ اسے اپنی جاگیر بھی واپس دے دی۔ مگر اس کا باطن صاف نہیں تھا۔ چنانچہ ۱۲۵۷ء میں اس نے مغلوں کو ملتان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ وہ تو موقع کی تاک میں تھے۔ شہ پا کر بگولے کی طرح اُٹھے اور گھٹا کی طرح چھا گئے۔ برج اور مورچے گرا کر قلعہ اور شہر کو غیر محفوظ کر دیا۔ شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم ہونے کو تھا۔ کہ حضرت غوث العلمینؒ اپنے محل سے ایک لاکھ درہم نقد لے کر پہنچے۔ اور مغل سرداروں کو دے کر شہر کو تباہی سے بچا لیا۔

مغل یہاں سے ہی واپس لوٹ گئے۔ سلطان کو اطلاع ہوئی تو اعزالدین کو معزول کر کے قیبر خاں کو اس جگہ اُچ اور ملتان کا ناظم مقرر کر دیا۔

آخری منزلیں حضرت غوث العلمینؒ اب اپنی زندگی کی آخری منزلوں سے گذر رہے تھے۔ اگرچہ حضور ۹۶ سال کی لیل و نہار کے سمے ادلتے بدلتے دیکھ چکے تھے۔ لیکن آپ کی جسمانی صحت آخرین لمحات تک قابل رشک رہی۔ حضرت زندگی بھر بیمار نہیں ہوئے یہاں تک کہ سر میں بھی درد تک نہیں پڑا۔

حضرت جب اس سرزمین میں تشریف لائے تھے۔ یہ علاقہ کفر و الحاد کا گہوارہ بن رہا تھا لیکن اب کایا پلٹ چکی تھی۔ ملک کے طول و عرض میں ہزاروں مبلغین حضرت کے اشارہ پر

سے توحید کے خم لنڈھاتے پھرتے تھے اور چپہ چپہ پر قرآن و حدیث کے درس جاری تھے
عروس البلاد ملتان کو حضرت کے یاران بے ریا اور اکابر خلفاء نے بقعتہ الاسلام بنا رکھا تھا
بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ حضرت جس مقصد کو لے کر اس ہندو سواد خطہ میں تشریف لائے تھے۔ وہ
کافی حد تک پورا ہو چکا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے تھے کہ ملک عدم کا مسافر نئے سفر کی تیاریوں
میں مصروف ہے۔ حضرت تمام دن حجرہ شریف میں معتکف رہنے لگے تھے۔ صرف نماز باجماعت
ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لے آتے تھے۔ اور پھر حجرہ میں چلے جاتے۔ کسی کو حجرہ
میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ خدام بارگاہ بھی حاضر ہوتے ہوئے
ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ ایک شام کو جب خادم چراغ لے کر اندر جانے لگا۔ تو حضرت قطب الاقطابؒ
رکن الدینؒ نے اُسے روک دیا۔ اور فرمایا۔

"حجرہ انوار الٰہی سے جگمگا رہا ہے۔ چراغ لے جانے کی ضرورت نہیں!"

خادم نے ٹھٹک کر حضرت کے سراپا پر نظر کی گویا وہ زبان حال سے یہ کہنا چاہتا تھا۔ کہ
حضور ایسے عالم میں آپ اندر جانے سے کیوں روکتے ہیں۔ یہی وقت تو اندر جانے کا ہے!
قطب الاقطاب نے مکرر فرمایا۔

"بھلے میاں اندر مت جاؤ۔ ورنہ بیہوش ہو جاؤ گے۔ اس نور کی تاب تم کہاں لا
سکتے ہو۔!"

آخری وصیتیں اسی لیل و نہار میں ایک روز اپنے بڑے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارفؒ
کو طلب فرمایا۔ اور ارشاد کیا۔

"برخوردار! اُچہ میں ایک درویش رہتا ہے۔ جو جوہر لطیف رکھتا ہے۔ اور صاحب استعداد
ہے۔ اس نے اب تک کسی درویش کا دامن نہیں پکڑا۔ اس نے ہمارے خانوادہ سے پورا

لہ ملفوظ المخدوم ص ۳۵ ۶
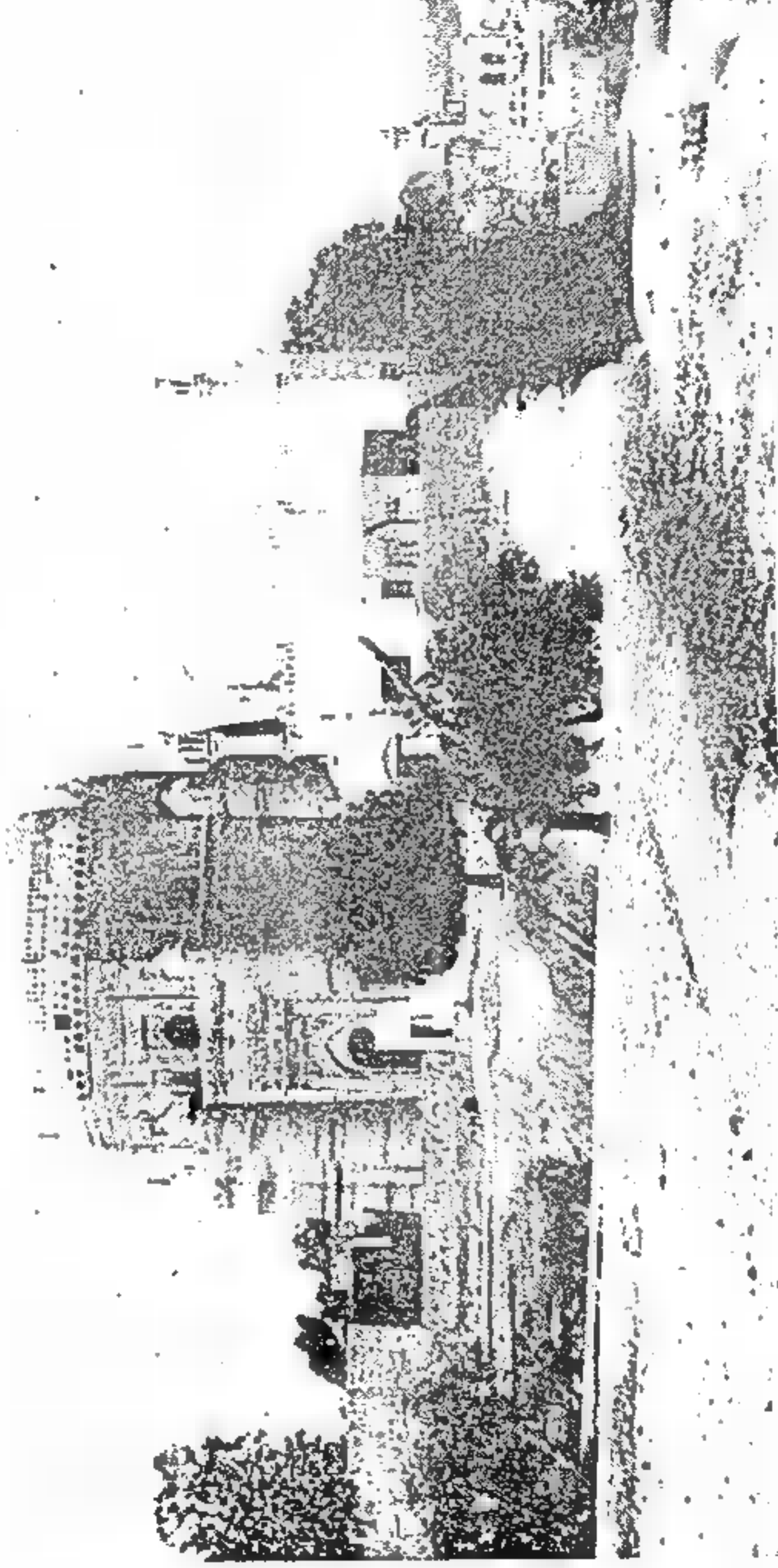
حضرت قطب الاقطاب شیخ الاسلام رکن عالم قدس سرہ العزیز کے مقبرہ کا ایک اور دلفریب منظر

اس سربفلک اور حسین و جمیل عمارت کو سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت غوث العلمینؒ کے زیر سایہ دفن ہونے کی آرزو میں تعمیر کرایا تھا۔ مگر وہ دہلی میں فوت ہو کر وہیں دفن ہوا اور اس فخر روزگار عمارت کو حضرت قطب الاقطابؒ کی آخری آرام گاہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی ۔

نصیبہ حاصل کرنا ہے۔ اگرچہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکا۔ لیکن میرے انتقال کے بعد وہ تمہاری طرف متوجہ ہوگا۔ اور خرقہ کی درخواست کریگا۔ اِس وقت "جذبہ حق" نے اس پر مجذوبانہ کیفیت طاری کر رکھی ہے۔ جب وہ تیری خدمت میں حاضر ہو۔ پہلے دن اُسے ملاقات کا موقع نہ دینا۔ بلکہ تین دن تخلیہ میں بٹھا کر قرآن مجید کی تلاوت کرانا۔ تاکہ وہ جذب و مستی کے غلبہ سے باہر نکل آئے۔ اور شعور کے ساتھ آدابِ صحبت بجالانے کے قابل ہوسکے۔

— اس کے بعد طلب کرکے اُسے اپنی ارادت میں داخل کرنا۔ شیخ الشیوخ شہاب الملّۃ والدّین کے خرقہ مبارک کے سوا باقی تمام تبرکات جو لباس پر مشتمل ہیں۔ بحصہ برابر اُسے بانٹ دینا۔ اور کہنا "نصف لی" "و نصف لک"[1]۔ اور ہاں ——— !

میرے انتقال کے بعد جنازہ کی نماز آپ ہی پڑھائیں۔ لیکن اگر کوئی اور شخص از خود پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو اسے روکنا نہیں[2]۔ !

پُراسرار فاصلہ ۷ صفر ۶۶۱ھ بروز منگل حسب معمول ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت غوث العلمینؒ حجرہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت صدرالدین عارفؒ کچھ دیر خانقاہ اور حجروں کا جائزہ لیتے رہے۔ تمام درویشوں کو مصروف عبادت پاکر قبلہ گاہ کے حجرہ کی طرف لوٹ آئے۔

حضرت غوث العلمینؒ عارف باللہ کے نہ صرف والد ماجد تھے۔ بلکہ مرشد بھی تھے۔ یہ دونوں رشتے محبوبیت کے درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ ان دنوں چونکہ حضرت کے طرزِ عمل سے فراق

---

[1] مے گویند کہ حضرت شیخ الاسلام بہاؤالملّۃ والدین بشیخ صدرالدین چنیں نصیحت کرد کہ اورا در کنار نگیری مبادا تمام نعمت از تو اخذ نماید۔ پس نصف دہی و بگوئی "نصف لی و نصف لک" این امر غیر واقعہ معلوم مے شود از آنکہ این سخن در میراث درویشی وزنے ندارد۔ کہ مرید از پیر خود نعمت کشیدہ اورا خالی کند۔ بلکہ پیر ہر کرا نعمت ایثار مے نماید۔ از خزانہ جاودانہ حضرت عزّت مے رساند کہ در انجا ہیچ تنقیصے نیست۔

(سیر العارفین از مولانا جمالیؒ)

[2] آدھا تیرا اور آدھا میرا[3] انوار غوثیہ

کا رنگ جھلکتا تھا۔ اس لئے یہ سعادتمند فرزند اور مرید صادق کی مانند سایہ کی طرح غوث العلمینؒ کے ساتھ چمٹے رہتے تھے۔ اور جب وہ حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ تو یہ پروانہ وار حجرے پر تصدق ہوتے رہتے۔ اس دن دروازہ کے پاس کسی نامعلوم فکر میں کھوئے سے کھڑے تھے کہ دفعتہً ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے۔ سبز رنگ کا ایک سربمہر خط پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ملفوف کو اسی وقت غوث العلمینؒ کی خدمت میں پہنچا دیجئے۔

اس خط کا عنوان عجیب قسم کا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس پر یہ کلمات درج تھے :۔

اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً آپ سہم گئے۔ خط والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے۔ تو قاصد کو نہ پایا۔ اسی اثنا میں حجرہ کے چاروں گوشوں سے آواز بلند ہوئی۔

"دوست بدوست رسید ——!"

عارف باللہ گھبرا کر واپس لوٹے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کا سر نیاز سجدے میں ہے۔ اور روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر چکی ہے۔

سچ ہے ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدھند
کانجا ملک الموت نگنجد ھرگز

شہر میں کہرام برپا ہو گیا۔ ہر طرف بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یہ اندوہناک خبر پھیل گئی۔ چھوٹے بڑے، ہندو مسلمان سب کے سب آستانہ عالیہ پر جمع ہو گئے۔ حجرہ شریف ایک بے مثال خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اور

—— وہ ذاتِ گرامی جو آفتاب عالمتاب کی طرح بلا امتیاز رنگ و ملت ہر مسلم غیر مسلم پر برابر مہربان تھی۔

— جس کی جنبش لب مسیحائی کا کام کرتی تھی۔ جس کی مسکراہٹ پر دل قربان ہوتے تھے۔
جس کے کلمات طیبات دلوں کی کائنات میں ہلچل ڈال دیتے تھے۔ جس کے چہرے کا
دیدار ایمان کو تازہ کرتا تھا۔ جس کے قدموں میں ارادتمندوں کو دین و دنیا کی تمام نعمتیں اور سعادتیں
نظر آتی تھیں۔ جس نے اپنی زندگی میں ملتان پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔
— جس نے مکران سے کشمیر اور قندھار سے دہلی تک کی سرزمین کو کفر و ظلمت سے نجات
دلا کر اسلام کے حسین و جمیل سراپا سے متعارف کرایا تھا۔
— وہ شیر حق! جس سے التمش، ناصر الدین قباچہ اور دیگر عمائدین سلطنت لرزہ براندام
رہتے تھے۔ آج اس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اعلیٰ علیین کے فرحت
بخش مقام پر پہنچ چکا تھا۔ طریقت و معرفت کا نیر اعظم غروب ہو گیا۔ شریعت محمدیہ کا
ماہ کامل چھپ گیا۔ دنیا تاریک ہو گئی۔ جہان غوث الاغواث اور قطب الاقطاب کے
بابرکت وجود سے خالی ہو گیا۔ عرب و عجم، مصر و شام اور ہند و سندھ کے لاکھوں وابستگان
درگاہ یتیم ہو گئے۔ کروڑوں آدمیوں کے سروں سے روحانی باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ آہ
ایک جہان کا رکھوالا رخصت ہو گیا۔ مرید زندہ ہیں مگر مراد نہیں۔!

اور وہ جسد اطہر ——————
— جس کی آنکھیں زندگی بھر خوف الٰہی سے وقف اشکباری رہیں۔!
— جس کی زبان لمحہ بھر ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوئی!
— جس کے نورانی ہاتھ ہمیشہ محتاجوں کو درہم و دینار دینے اور بارگاہ الٰہی میں التجا و استغاثہ
کے لئے اُٹھتے رہے۔!
— جس کے پاؤں رات بھر قیام میں رہنے کے سبب متورم ہو جایا کرتے تھے۔
— جس کا وجود دوست دشمن سب کے لئے یکساں مفید اور مسعود تھا۔

ـــ جس نے عراقیؒ - میر حسینیؒ اور سید جلالؒ جیسے ہزاروں خاصانِ خدا کو قطبیت کے درجے پر پہنچا دیا تھا۔

آج ــــــــــ

ایک تختہ پر حیات سرمدی کی چادر تانے استراحت فرما تھا۔ اور شیخ عمر عمودیؒ اسے آخری غسل دینے میں مصروف تھے۔

جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہو گئے۔ تو لاکھوں آدمیوں نے حضرت شیخ الاسلام صدر الدین محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی[1] اور اس خانقاہ شریف میں جہاں حضرت سالہا سال تک مصروف عبادت رہے تھے۔ سپردِ خاک کر دیئے گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ـــــــــــ

کئی ماہ تک اطرافِ عالم سے گروہ در گروہ لوگ روتے پیٹتے، چیختے، چلاتے تعزیت کو آتے رہے۔ رات کو سرائے میں ٹھہرنے والے حجرہ نشین درویشوں اور مستقل خدام کے علاوہ مہمانوں کی تعداد پانچ سو، سات سو اور کبھی ایک ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ ان سب کو ان کے مرتبہ کے لحاظ سے کھانا اور بستر وغیرہ ملتا تھا۔ خلاصۃ العارفین کا مؤلف حضرت کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :-

شیخ الکبیر المنیر، قطب العلمین، غوث الثقلین، مخدوم العالم،

---

[1] صاحب انوار غوثیہ لکھتے ہیں کہ وفات سے پہلے حضرت غوث العلمینؒ نے اپنے فرزند صدر الدین عارف سے وصیت کی تھی۔ کہ میرے جنازہ کی نماز آپ ہی پڑھائیں۔ اور اگر کوئی اور شخص پڑھانا چاہے تو اسے منع نہ کرنا۔ چنانچہ جب آپ کا جنازہ تیار ہوا۔ تو ایک درویش صفا کیش جو ایرانی الاصل معلوم ہوتے تھے آگے بڑھے اور انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد میں معلوم ہوا۔ کہ وہ حضرت سعدیؒ تھے۔ جو آپ کے پیر بھائی تھے۔ مگر اس امر کی کسی اور روایت سے تصدیق نہیں ہوتی۔ (فریدی)

شیخ بہاؤالدین، بہاؤالحق والشرع والحقیقت والطریقت والدین ابومحمد زکریا رحلت فرمود من دار الفناء الی دار البقا یوم الثلثا بعد اداء الظہر حین قریب دخول وقت العصر فی السابع من شہر الصفر سن احدٌ وستون وست مائۃ وکان عمرہ ستۃ وتسعون غسلہ شیخ عمر عمودیؒ وصلی علیہ شیخ الاسلام ابو المغانم صدر الدین محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ والمدفون فیہا دخل الحصن القدیم فی حجرتہٖ وجاء الناس من بلادٍ شتی افواجا وافزاعا کُلُّھُم اضیافھم وبلغ جماعۃ الاضیاف فی بعض الاوقات من خمس مائۃ الی بسبع مائۃ والی الف سوی سکنۃ الرباط والحجرات والعملہ"۔

(بخط مولانا ضیاء الدین ملتانی ۱۳۰۳ھ)

پاک پٹن میں غائبانہ جنازہ جس دن حضرت غوث العلمینؒ نے دارِ فانی سے عالم بقا کو انتقال فرمایا۔ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر پاک پٹن میں تھے۔ اور ذکر اور مراقبہ میں مصروف تھے۔ دفعتہً آپ پر غشی کا عالم طاری ہوگیا۔ جب اس حالت کو کافی دیر گذر گئی۔ تو خدام کو سخت فکر ہوئی۔ ایک صاحب حجرہ شریف سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ اُٹھا لائے۔ اور اسے حضرت کے اوپر ڈال دیا۔ اس سے آپ ہوش میں آگئے۔ اور آبدیدہ ہو کر شیخ عبداللہ بلخی کی طرف دیکھا۔ فرمایا۔

"آج برادرم بہاؤالدین کا وصال ہوگیا۔ میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے۔ کہ ایک ہزار فرشتے ان کے آگے اور شیخ شہاب الدین سہروردی ان کے پیچھے ہیں اور شیخ بہاؤالدین کو آسمان کی طرف لئے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا:۔

آئیے۔ تاکہ اپنے بھائی کا جنازہ پڑھیں[1]۔"
چنانچہ خانقاہ کے تمام افراد وضو کر کے جمع ہو گئے۔ اور آنحضرت کی امامت میں غائبانہ جنازہ ادا کیا۔

الغرض ہدایت اور ولایت کے آسمان کا یہ نیرّ اعظم جو تقریبًا ایک صدی سے ہندوستان کے کفرستان پر ضیا پاشی کر رہا تھا۔ اپنا نور زمانہ بھر میں پھیلا کر ملتان کے فلک بوس قلعہ میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ لیکن اس کا غروب ہونا سورج کا غروب ہونا نہیں ہے۔ وہ صرف نگاہوں سے اوجھل ہوا ہے۔ مگر اس کے نور سے دلوں کی کائنات اب بھی روشن ہے۔ اور جب تک یہ نا طورۂ عالم آباد ہے۔ درویشی کی دنیا میں چاند تارے بنکر چمکنے والی ہستیاں اُس سے برابر اکتساب نور کرتی رہیں گی ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اولاد واحفاد

حضرت غوث العلمینؒ کے دو حرم تھے۔ رشیدہ بانو اور بی بی شہر بانو۔
رشیدہ بانو کے بطن عفت سے شیخ صدر الدین عارف شیخ علاؤ الدین محمد، شیخ شہاب الدین انوری اور شیخ برہان الدین صاحب تولد ہوئے۔
اور بی بی شہر بانو سے شیخ قدوۃ الدین محمد، شیخ شمس الدین محمد محبوب خدا اور شیخ ضیاء الدین

[1] امروز برادرم شیخ بہاؤ الدین بخدا پیوست، ہمیں زماں دیدم کہ ہزار فرشتہ پیش و شیخ شہاب الدین سہروردی در پس شیخ بہاؤ الدین را درمیان گرفتہ بسوئے آسمان بردند۔ (خزینۃ الاصفیاء)

پیدا ہوئے۔

شیخ ضیاءالدین اور شیخ برہان الدین کی اولاد نہیں ہوئی۔ باقی سارے صاحب اولاد تھے ان کے علاوہ رشیدہ بانو سے ایک صاحبزادی بھی تولد ہوئی تھی۔ اس معصومہ کا میر حسینی سے نکاح ہوا تھا۔ آپ کے خاندان میں جو شجرہ متواترًا چلا آتا ہے۔ اس میں حسین کاشفی را دادہ بود ند" درج ہے۔ مگر حسین کاشفی اور بزرگ تھے۔ کاتب سے سہو ہوا ہے۔

بی بی شہر بانو سے نور بی بی اور سلطان بی بی تولد ہوئیں۔ نور بانو فخرالدین عراقی کے حبالۂ نکاح میں آئی۔ اس سے سید کبیرالدین عراقی تولد ہوئے تھے۔ جنہوں نے حضرت غوث العلمینؒ کی آغوش شفقت میں ہی پرورش پائی۔ اور آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر بڑے مرتبہ کو پہنچے۔ اس معصومہ کا حضرت غوث العلمینؒ کی زندگی میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔

دوسری صاحب زادی سلطان بی بی المعروف بی بی فاطمہ تھی۔ اس کی شادی سلطان التارکین حمیدالدین حاکمؒ سے ہوئی تھی۔ جس سے خاندان جلیلہ کے مورث اعلیٰ شیخ نورالدینؒ پیدا ہوئے۔

سیرت کی کتابوں میں حضرت غوث العلمینؒ کی اولاد کی تاریخہا ئے ولادت درج نہیں ہے۔ شجرے جو سجادہ نشین صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ ان سے صرف ترتیب ولادت کا پتہ چلتا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔ اس سے ان کی عمروں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نمبر شمار	نام فرزند ارجمند	نام والدہ ماجدہ
۱	شیخ صدرالدین عارفؒ	بی بی رشیدہ بانوؒ
۲	شیخ علاؤالدین محمدؒ	"
۳	شیخ قدوۃ الدین محمد	بی بی شہر بانوؒ
۴	شیخ شمس الدین محمد محبوب خداؒ	"

۵	شیخ شہاب الدین محمدؒ	بی بی رشیدہ بانو
۶	شیخ ضیاء الدین محمدؒ	بی بی شہر بانو
۷	شیخ برہان الدین محمدؒ	بی بی رشیدہ بانو

صاحبزادیوں میں عائشہ بی بی بڑی تھیں۔

مولانا جمالی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت غوث العلمینؒ نے صاحبزادوں کی تعلیم پر بڑے نامور اساتذہ مقرر کر رکھے تھے۔ اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا کرتے تھے۔ اور جب حضرت گھر میں ہوتے ان بچوں کو خود بھی تعلیم دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت کے فرزند اور پوتے علم و فضل میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

حضرت قطب الاقطاب کے زمانے میں درس تدریس کا کام آپ کے پوتوں نے سنبھال رکھا تھا۔ جن میں سے مولانا نور الدینؒ، علاؤ الدینؒ، علامہ عبد القادرؒ، مولانا موسیٰؒ مولانا ادریسؒ مولانا محمد حسینؒ اور مولانا امام بخشؒ خاصی شہرت رکھتے تھے۔ اس درس کی اتنی دھوم تھی کہ مخدوم جہانیاں محض تحصیل علم کے لئے اُچہ سے ملتان تشریف لائے تھے۔

آسمانِ غوثیتؒ کے تابندہ ستارے

طَالَ شَوقِیْ اِلٰی مَنَازِلِکُمْ　　اَیُّھَا الغَائِبُوْنَ عَنْ نَظَرِیْ

روز و شب مونسم خیالِ شماست　　فَاسْئَلُوْ عَنْ خَیَالِکُمْ خَبَرِیْ

(جمالیؒ)

اکابر خلفاء اور وابستگانِ درگاہ

حضرت غوث العلمینؒ دنیا کے بہت بڑے مبلغ اور غوث الاغواث تھے۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کا بیشتر حصہ سفر میں گذرا تھا۔ اور جنوبی ایشیاء کا کوئی حصہ ایسا نہ رہا تھا۔ جہاں ان کے فیض کی جھلک نہ پہنچی ہو۔ سفر حضر میں روزانہ ہزاروں آدمی آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوتے اور سینکڑوں خرقہ خلافت حاصل کرتے تھے۔ ان قدسی نفوس نے حضرت کے مبارک مسلک کو دنیا بھر میں پھیلا دیا۔ اور پھر یہ سلسلہ اولاد در اولاد اور خلفاء بخلفاء جاری رہا۔ یہاں تک کہ مراکش سے جاوا اور سماٹرا تک زمین کا گوشہ گوشہ فیضانِ سرمدی سے سرشار اور نورِ محمدی کی روشنی سے مالامال ہو گیا۔ حضور کی جاری کردہ نہروں سے فیض اور نور کے بے شمار چشمے آج تک جاری ہیں۔ افسوس اس امر کا ہے کہ لوگوں میں سچی طلب رہی اور پہچاننے والی نگاہیں رخصت ہو چکی ہیں ؎

یوسفے ہمراہ خود دارند واپس مے برند
یک زلیخا ہمتے گویا دریں بازار نیست

شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی ایک روایت کے بموجب جسے خلاصۃ العارفین کے مؤلف نے بڑے وثوق سے صفحہ ۷۸ پر درج کیا ہے۔ حضرت غوث العلمینؒ کو ان کے تمام وابستگان اور منتسلین کی تعداد بتادی گئی تھی۔ جو کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

المریدین الذین دخلوا فی سلکی فھم فی خمانتی وھب اللہ تعالیٰ لھم الیٰ یوم القیمۃ وخدائے تعالیٰ ایشاں را در حمایت من و زیر ذیلِ من رسانیدہ تا کوہ

يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ، مراد از سلک فرمودہ اللہ تعالیٰ وحکم قرآن مجید اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ۔ یعنی آنانکہ ایمان آوردہ اند وکردہ اند عملہائے صالح ایشاں بہترین ہمہ آفریدگان اند۔ پاداش ایشاں را نزد پروردگار ایشاں بوستانہائے اقامت است مے رود زیر آں جویہائے آب رواں۔ پایندگان اند۔ ایشاں دراں بہشت ہا ہمیشہ خوشنود باشد خدائے تعالیٰ از ایشاں وطاعتہا ء پذیرد وخوشنود باشند ایشاں از خدائے تعالیٰ بداں ثواب بے حساب۔ وآنچہ مذکور شد از جنت ورضواں برائے آنکس است کہ بترسد از عقوبت پروردگارِ خود، بموجبات ومثوبات اشتغال نماید وپیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول مجتہدین، اجماع صحابہ و اہل سنت والجماعت است۔

نقل خلاصۃ العارفین قلمی بخط

مولانا ضیاء الدین ملتانی

بتاریخ ۹ ذی الحج ۱۳۰۳ھ

مختصر یہ کہ جو میرا مرید خدا ورسول، اجماع صحابہ مجتہدین اور ائمہ فقہ کا پورا متبع رہا ہوگا۔ اللہ کریم اپنے فضل عمیم سے اُسے یقیناً بخش دینگے۔ حضرت کے خلفاء اور مریدوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے۔ کہ آج سے پانچ سو سال پیشتر مولانا جمالیؒ حیطۂ تحریر میں نہیں لا سکے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اگر اسامی خلفاء ومریدانِ ایشاں کما ینبغی ثبت نمایم، دفترے علیحدہ باید[1]"

آج کوئی کس طرح معرضِ تحریر میں لا سکتا ہے اسلیئے اس محترم خانوادہ کے اکابر خلفاء اور ممتاز آستانوں کی مختصر سی فہرست دی جاتی ہے جس سے حضرت غوث العالمینؒ کی تبلیغی سرگرمیوں کا کسی حد تک اندازہ ہوسکیگا وہو ہذا

[1] سیر العارفین

اکابر خلفاء

حضرت کے فرزندان عالی مقام کے علاوہ مفصلہ ذیل خلفاء قابل ذکر ہیں :-

حضرت مخدوم سید جلال بخاریؒ (سادات بخاری کے مورث اعلیٰ) امیر حسینی، مولانا عراقی، شیخ کبیر الدین عراقی، لال شہباز قلندر۔ نواب موسیٰ، حسن افغان، خواجہ کمال الدین مسعود شیروانی خواجہ فخر الدین گیلانی، شیخ بدر سجستانی، شیخ عبد الستار وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

بارگاہِ غوثیہ سہروردیہ ملتان کے سجادہ نشین

مقام مزار	اسمائے گرامی	نمبر شمار
ملتان	شیخ الاسلام صدر الدین محمدؒ عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ	۱
"	حضرت قطب الاقطاب ابوالفتح رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	۲
"	حضرت شیخ عماد الدین اسمٰعیل شہید "	۳
دہلی	حضرت شیخ صدر الدین محمد حاجی "	۴
سمرقند	حضرت شیخ رکن الدین اسمٰعیل سمرقندی "	۵
ملتان	حضرت شیخ عماد الدین محمدؒ "	۶
"	حضرت شیخ صدر الدین محمدؒ ثالث "	۷
دہلی	حضرت شیخ محمد یوسف قریشی "	۸
ملتان	حضرت شیخ بہاؤ الدین ثانی "	۹
"	حضرت شیخ الکبیر المنیر قدس سرہٗ العزیز	۱۰
"	حضرت شیخ محمد قائم قریشی "	۱۱

نمبر شمار	اسمائے گرامی		مقام مزار
۱۲	حضرت شیخ شہر اللہ صاحب قریشی قدس سرہ العزیز		ملتان
۱۳	حضرت شیخ کبیر ثانی	〃	〃
۱۴	حضرت شیخ بہاؤالدین قریشی	〃	〃
۱۵	حضرت شیخ کبیر قریشی	〃	〃
۱۶	حضرت بہاؤالدین قریشی	〃	〃
۱۷	حضرت شیخ محمد قائم ثانی قریشی	〃	〃
۱۸	حضرت شیخ وجیہہ الدین قریشی	〃	〃
۱۹	حضرت شیخ محمدؒ زکریا قریشی	〃	〃
۲۰	حضرت شیخ محمدؒ زمان قریشی	〃	〃
۲۱	حضرت شیخ محمدؒ غوث قریشی	〃	〃
۲۲	حضرت شیخ بہاوالدین ثانی الملقب بہ بھاون شاہ رحمتہ اللہ علیہ		〃
۲۳	حضرت شیخ محمدؒ غوث قریشی	〃	〃
۲۴	حضرت مخدوم ولایت شاہ قریشی	〃	〃
۲۵	مخدومہ بی بی راجی رحمتہ اللہ علیہا		〃
۲۶	حضرت مخدوم شاہ محمود	رحمتہ اللہ علیہ	〃
۲۷	حضرت مخدوم شیخ بہاول بخش	〃	〃
۲۸	حضرت مخدوم شیخ حسن بخش	〃	〃
۲۹	نواب مخدوم شیخ مرید حسین قریشی مدظلہ العالی		

دیگر افرادِ خاندانِ غوثیہ

حضرت غوث العلمین کی اولاد اس وقت پاک و ہند کے اکثر مقامات میں پھیل چکی ہے لیکن جو بزرگ ملتان میں محوِ خواب ہیں ان میں سے چند خاص طور پر ممتاز ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

شیخ علاؤ الدین محمدؒ، شیخ قدوۃ الدین محمدؒ، شیخ شمس الدین محمدؒ محبوب خدا، شیخ شہاب الدین محمد شیخ ضیاء الدین محمدؒ شیخ برہان الدین محمدؒ، شیخ علاؤ الدین علامہ، مولانا نور الدین، مولانا عبدالغفار شیخ موسیٰ، شیخ یحییٰ، شیخ برہان الدین اسمٰعیل، مخدوم معین الدین، مخدوم محمد قطب الدین شیخ محبوب حقانی، شہیدِ قوم میجر عاشق حسین قریشی (وزیر دفاع صوبہ پنجاب) رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

غوث پور قریشی

زبدۃ المشائخ شیخ صدر الدین قریشی، شیخ مراد شاہ قریشی، شیخ محمد حیات قریشی۔ شیخ غلام رکن الدین رحمہم اللہ علیہم۔

مدینۃ الاولیاء اُچ مبارک

حضرت مخدوم سید جلال بخاریؒ، سید احمد کبیرؒ، مخدوم جہانیاںؒ، صدر الدین راجن قتالؒ، سید ناصر الدینؒ، حامد کبیرؒ، سید علاؤ الدینؒ، رکن الدین ابو الفتحؒ، شیخ محمد کیمیا نظرؒ، شیخ زین العابدینؒ شیخ محمد راجنؒ، شیخ حسنؒ، شیخ راجن کلاں، شیخ محمدؒ، شیخ محمودؒ، سید بہاؤ الدینؒ، سید کبیر الدین اسمٰعیلؒ، شیخ ابو حنیفہؒ، فقیر جہانگیر سرمستؒ شیخ جمال خندان روؒ۔ شیخ رضی الدینؒ، مولانا غوریؒ میانوالی قریشیاں۔ مخدوم غلام شاہ قریشی کوٹ مخدوم مخدوم صدر الدینؒ جد امجد قریشی کبیرانی

ہم اللہ علیہم اجمعین۔

یہ سرواہی در ریاست بہاولپور حضرت نواب موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ خلیفہ غوث العالمین قدس سرہ

دھی اختیار خاں " حضرت شیخ عبدالستار " "

حمد پور شرقیہ " حضرت پیر بہاؤالدین آخر قریشی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

مئو مبارک (ریاست بہاولپور)

سلطان حمیدالدین حاکم قدس سرہ العزیز، شیخ حامد سرمست، شیخ یوسف گدا، شیخ نورالدین شیخ رکن الدین، شیخ علی، سید ابوالفتح، شیخ شہاب الدین۔ شیخ عبدالعزیز، شیخ ابوالفتح، شیخ علاؤالدین حماد (غوث زماں)، شیخ روح اللہ، شیخ جلال، شیخ کبیرالدین، شیخ ابوحنیفہ، شیخ معلی۔

شیخ واہن (ریاست بہاولپور) شیخ عبداللہ جہانیاں قدس سرہ العزیز

تاج البلاد لاہور

شیخ عبدالجلیل قریشی ہاشمی چوہڑ بندگی قطب العالم (میکلوڈ روڈ) ابوالفتح اول، ابوالفتح ثانی۔ خواجہ خلیل، شیخ عبدالجلیل ثانی، شیخ ابوالبقا، شیخ فخراللہ، شیخ ابوالحسن ثانی۔ پیر غلام رکن الدین مراد شاہ۔ سکندر شاہ امداد۔ خواجہ حسن گنجہ گر المعروف حسو تیلی رحمتہ اللہ علیہ شیخ موسیٰ آہنگر، شیخ مولا نجار

شیخ محمد اسمعیل المشہور میاں وڈہ رحمتہ اللہ علیہ، مولوی محمد تیمور، شیخ حامد، شیخ جان محمد ثانی۔

مولانا کمال الدین، شیخ عنایت اللہ، مفتی عبدالسلام، مفتی محمد محمود، مولانا برہان الدین مولانا عتیق اللہ، مفتی عبدالسمیع، مولانا کمال الدین، حافظ محمد تقی، حافظ رحمت اللہ مفتی رحیم اللہ، مفتی غلام محمد، مفتی غلام سرور

شاہ جمال رحمتہ اللہ علیہ (نزد اچھرہ)

سید عثمان بخاری (قلعہ لاہور)

سید شاہ محمد بخاری، سید عماد الملک بخاری، شاہ عالم، شاہ بہاؤالدین، سید جھولن شاہ
سید بھاون شاہ، شاہ تورنگ۔

میراں محمد شاہ المشہور بموج دریا بخاری۔ سید صفی الدین، سید بہاؤالدین، سید
شہاب الدین، سید عبدالرحیم، زندہ علی المعروف زندہ امام (نزد پرانی انارکلی)
سید عبدالرزاق المشہور بسید مکی نیلا گنبد، سلطان جلال الدین، شیخ شمس الدین قریشی
رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

رتہ پیراں (ضلع شیخوپورہ) پیر قلندر شاہؒ، پیر فرح بخشؒ قریشی سہروردیؒ
کوٹلہ باقر شاہ " شیخ ابوبکر قریشی سہروردیؒ
پہاڑ کھوکھر " شیخ محمد کاظم قریشی سہروردیؒ
ڈھلن لاہور شیخ محمد لولائیؒ، شیخ محمد باقرؒ
کوٹلی پیراں شیخوپورہ شیخ غلام علی قریشی ہاشمی رحمتہ اللہ علیہ
گڑھی زیپی شیخ محمد ابوبکر قریشی سہروردیؒ
چونیاں لاہور شیخ فرید الدین قریشی، شیخ فیض اللہ، شیخ میراںؒ۔
منڈیاں والہ شیخوپورہ پیر اعتبار شاہ قریشیؒ
شرق پور " پیر محبوب شاہؒ (موضع قریب شیا لا الہ)
پنڈی شہداد لاہور حضرت شیخ خیر الدین رحمتہ اللہ علیہ
ہروانہ شیخوپورہ حضرت غلام رکن الدین مراد شاہ سہروردی
شاہ کوٹ (ضلع شیخوپورہ) حضرت شاہ ابوالخیر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

ننکانہ (ضلع شیخوپورہ) شیخ بہاؤالدین بن شیخ عبدالجلیلؒ، شیخ محمد، شیخ محمود، پیر عبدالسلام، پیر شیخ اللہ
شیخ سید علی، شیخ سیف اللہ، شیخ صدرالدین، شیخ بہاؤالدین ثانیؒ

قصور۔ شیخ حماد قریشی سہروردی (موضع شیخ حماد)

سیالکوٹ۔ شاہ بہلولؒ۔ سید سرمست سیالکوٹیؒ

گجرات۔ حضرت شاہ دولہ قدس سرہ العزیز

دیپال پور۔ حضرت مولانا رکن الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

پنڈی موسیٰ (ضلع لائلپور) حضرت شیخ موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ بدرالدین، شیخ مونگر، شیخ نظام الدین
شیخ حماد الدینؒ

کاہنووال (ضلع گورداسپور) شیخ برہان شاہ سہروردیؒ

موضع تلواڑہ (ضلع جھنگ) حضرت شاہ جمال قریشی سہروردی، شیخ حبیب اللہؒ شیخ بہلول قریشی

کوٹ سدھانہ " شیخ آدمؒ

بوہڑی غلام جہانیاں " شیخ طلحہؒ، شیخ حبیب اللہؒ، شیخ ابوالحسنؒ، شیخ قطب الدینؒ

حویلی شیخ راجو " شیخ راجوؒ

جھنگ شہر شیخ گل محمد صاحب قریشیؒ

کروڑ لعل عیسنؒ (ضلع مظفر گڑھ)

شیخ محمد یوسف المعروف لعل عیسن رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محمود شاہ قریشیؒ، شیخ علی اکبر قریشیؒ، شاہ عبداللہ قریشیؒ، شیخ یوسف قریشیؒ۔

نواب غازی خاں اول (بانی ڈیرہ غازی خاں) نواب اسمعیل خاں (بانی ڈیرہ اسمعیل خاں)
نواب فتح خاں (بانی کوٹ فتح خاں)

چنیوٹ (ضلع جھنگ) شیخ برہان الدین صاحب قریشیؒ، شیخ جمال صاحب قریشی

پیل پیراں (ضلع سرگودھا) حضرت مخدوم الملک پیر علی قتال قریشی رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم الملک پیر خواجہ نوری شاہ

پنڈدادنخاں " حضرت پیر مصطفےٰ شاہ قریشیؒ، شیخ طیب قریشیؒ

ڈلی پیراں " پیر شاہ جمالؒ۔

کھارہ پیراں " پیر کرم شاہ قریشی۔

بھیرہ " پیر اعظم شاہؒ، پیر امیر شاہؒ، پیر فتح شاہؒ، پیر عیسن شاہؒ

کرولی " پیر محمد حسین شاہؒ قریشی، شاہ کرم اللہ صاحب قریشیؒ

کھیوہ میٹھی " حضرت پیر محمد شریف صاحب قریشیؒ

سرویہ " حضرت پیر نور شاہ صاحب قریشیؒ، پیر حسین شاہ صاحب قریشیؒ

شمس آباد پیر شیخ طیب صاحب قریشیؒ

ڈھنگوال پیر فتح شاہ صاحب قریشیؒ

دھروگی پیر شریف شاہ صاحب قریشیؒ

دعولہ۔ (کاٹھیاواڑ) حضرت پیر زنگا شاہ صاحب قریشی سہروردیؒ

سندھ

سہوان۔ حضرت مخدوم سید عثمان المرندی المعروف بہ لال شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

شکارپور۔ حضرت شاہ محمود سہروردیؒ

بکھر۔ مولانا تاج الدین بکھریؒ، مولانا حسام الدین بکھریؒ

بدین۔ حضرت شیخ اسمٰعیل قریشی بن شیخ اللہ بن شیخ یوسف بن عماد الدین کی پھوڑ اولاد حضرت

غوث العلمینؒ۔

ماتھیلو۔ شیخ پیر محمد صاحب قریشی سہروردیؒ

کوٹ گوہر۔ شاہ عبدالرحمانؒ، سلیمان شاہؒ، شاہ جلالؒ۔

کوٹ بکیرا شریف۔ حضرت پیر فاضل صاحب قریشیؒ، حضرت قائم دین قلندر رحمتہ اللہ علیہ

ٹنڈوالہ یار۔ شاہ اللہ یار (شیخ اجاریؒ) شیخ موسیٰؒ، شیخ راموؒ۔

ہنگورجہ (ریاست خیرپور) مزار نور بار سخی پیر سید ناصر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ لکیاری کاظمیؒ

نگرٹھٹھہ۔ شیخ جیوکی جوڈیوؒ

اگھاماٹی۔ حضرت محمد شریف عرف شاہ غازی، شاہ یوسف، شاہ ابراہیمؒ

پیرپٹھو۔ حضرت پیر پٹھو شہید خلیفہ غوث العلمینؒ

ٹنڈو باغو۔ حضرت خان شاہ، نہال شاہؒ

ٹنڈوغلام علی۔ حضرت شفیع عثمان رحمتہ اللہ علیہ

وبجری۔ حضرت عبدالغنی نوحؒ، حضرت بلاڈی بادشاہؒ

پتھورو۔ شیخ پتھوروؒ

ضلع میرپور۔ حضرت جرکس ڈنڈائیؒ حضرت ابراہیم نانگوداڻی، حضرت گاڑھو صدہ خلفا حضرت غوث العلمینؒ

ماتلی۔ شیخ بھرکیوؒ۔

مشائخ کشمیر

شیخ حمزہ کشمیری، بابا داؤد خاکی، شیخ نوروز، علامہ فیروز الدین مفتی کشمیر، بابا زوبی ریشی بابا نصیب الدین کشمیری، ملا عبدالوہاب، خواجہ مسعود پان پتی (پان پور) شیخ عبدالرحیم، شیخ یعقوب کشمیری (سلام آباد) شیخ بہرام کشمیری، مولانا حیدر کا شمیری، شیخ حسن لالو، حضرت

باباجاجہ، حضرت شاہ محمد قادری سہروردی، باباعبداللہ سہروردی، بابامحمد مہدی، باباع... میرمحمد علی، شیخ محمد ہاشم، مولانا عنایت اللہ کشمیری، میر ابوالفتح قادری سہروردی میرشرف ... کشمیری، خواجہ حبیب اللہ، شیخ اسماعیل کشمیری، شیخ عبداللطیف قادری سہروردی۔

مشائخ ہند

فخرالبلاد دہلی

شیخ صلاح الدین درویش، شیخ محمد یوسف قریشی، شیخ عبداللہ قریشی، شیخ نصراللہ شیخ رکن الدین، شیخ محمود شاہ، شیخ احمد شاہ، شیخ بہاؤالدین، سید عبدالوہاب بخاری، جمال الدین بخاری، شیخ زین العابدین ادھن، حضرت سماءالدین، مولانا جمالی، شیخ ... سیاح، شیخ رحمت اللہ کوٹلہ پٹھان (ضلع)

سلطان پور لودیاں۔ حضرت شیخ ابوبکر قریشی سہروردی

حصار۔ شیخ عبدالرحیم قریشی سہروردی

مالیرکوٹلہ۔ شیخ صدرالدین سہروردی

قنوج۔ سید جلال سہروردیؒ

ظفرآباد۔ حاجی چراغ ہندی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ جہان پور۔ شیخ کرم شاہ قریشی

پٹنہ۔ شاہ ارزانی شہید رحمۃ اللہ علیہ

گندوال۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین قریشی رحمۃ اللہ علیہ

آگرہ۔ شیخ بہاؤالدین قریشی دانشمند مفتی آگرہ، اولادغوث العلمین رحمۃ اللہ علیہ

شیخ جنید قریشی، شیخ ابوبکر قریشیؒ (محلہ جوگی پورہ)
مانک پور۔ مولانا تاج الدین مانک پوریؒ، مولانا علاؤالدینؒ۔
مہون۔ مولانا مسعود مہونیؒ، مولانا محمد مہونیؒ۔
الہ آباد۔ شیخ اسماعیل صاحب قریشی سہروردیؒ
کٹرہ۔ حضرت علی بن احمد غوریؒ مصنف کنز العباد شرح کتاب اوراد خواجہ کرک سہروردی
بدایوں۔ حضرت شیخ حسام الدین سہروردیؒ۔
بھڑائچ۔ حضرت سید میر ماہؒ، سید تاج ماہ سہروردیؒ۔
مندور۔ حضرت شیخ عبداللہ بیابانی سہروردیؒ۔
چتور گڈھ۔ حضرت شیخ یوسف بن عماد الدین اسماعیلؒ۔
احمد آباد (گجرات) مخدوم سید برہان الدین قطب العالمؒ، مخدوم سید شاہ عالمؒ، قاضی محمود گجراتیؒ، قاضی نجم الدین گجراتیؒ۔
جوناگڑھ۔ شیخ عبداللطیف سہروردیؒ
ایرج۔ شیخ یوسف بدھؒ
جون پور۔ حضرت سید علم الدین ترمذیؒ
لکھنؤ۔ شیخ قوام الدین سہروردیؒ، شیخ مینا لکھنویؒ، شیخ قطب الدین سہروردیؒ، شیخ سعدالدینؒ
ٹونکرا شریف (ریاست کشن گڈھ) مخدوم غلام بہاء الدین قریشیؒ
سارنگ پور۔ شیخ سارنگ رحمۃ اللہ علیہ راج گڈھ۔ اخی مخدوم جمشید مخی قدس سرہٗ
سلہٹ۔ گنج شہیداں، شاہ جلال مجردؒ خلیفہ سید احمد کبیر سہروردیؒ مع سات سو سہروردی مجاہدین (Soldier Saints) کے محو خواب ہے۔
کالپی۔ مولانا حافظ سراج الدینؒ امام مخدوم جہانیاںؒ۔

اِسلامی افسانے

دو لاجواب تاریخی شاہکار

پاکستان کے نامور مؤرّخ مولانا نور احمد خاں فریدی رحؒ کے قلم سے

منظور شدہ سررشتہ تعلیمات پنجاب بموجب سرکلر نمبر ١٦٨٧٣ جی / ١٩٥٢-١٠-١٠ ہم و ٢٠٨٩٩ جی / ٥٣-٧-١٢

فہرست مضامین

۴۸۶

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

تذکرہ

...ث الاغیاث امین الامت زبدۃ العارفین سراج السالکین شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت

بہاء الدین زکریا

قدس سرہ العزیز

از وجودِ او بنزدِ دوستاں — جنت الماوی شدہ ہندوستاں
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت — صبح ما از مہرِ او تابندہ گشت

از

مولانا نور احمد خاں فریدی

ناشر

قصر الادب جگو والہ براہ لودھراں ضلع ملتان

...ڈ پرنٹنگ ورکس لاہور میں عبدالحمید خاں منیجر کے اہتمام...